اردو ترجمہ

حق الیقین

جلد اوّل

مصنفہ

علامہ سیّد محمد باقر مجلسی علیہ الرحمۃ

مترجمہ

جناب سیّد بشارت حسین صاحب

ناشر

مجلس علمی اسلامی

(پاکستان)

فہرست مضامین اُردو ترجمہ حق الیقین جلد اوّل

15/8

عنوان	صفحہ

دیباچۂ مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الواحد الاحد الفرد الصمد العلیم القدیم القدیر الذی لیس کمثلہ شئ وھو السمیع البصیر والصلوٰۃ علی اشرف العارفین و فخر النبیین محمد وعترتہ الطیبین الطاھرین الذین فازوا بالقدح المعلی من الفضل والعلم والیقین ولعنۃ اللہ علی اعدائھم اجمعین الی یوم الدین۔

اما بعد خادم محمد باقر بن محمد تقی حشرہما اللہ مع موالیہما الاکرمین اخیار ائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم طالبان راہ حق ویقین کی خدمت میں یوں بیان کرتا ہے کہ چونکہ دلائل عقلیہ ونقلیہ سے ظاہر و آشکار ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس جہانِ فانی کو عبث و بیکار نہیں پیدا کیا ہے اور انسان جو اس دُنیا کا چشم وچراغ ہے اُس کے پیدا کرنے کا آخری سبب معرفت وعبادت خالق ہے تاکہ ان دو رُوحانی قدم سے جاودانی بہشت کی بلندیوں پر پہنچے اور اس پُرفریب دُنیا کی فانی لذتوں پر مغرور نہ ہوتے ہُوئے ان دو جبل متین کے واسطہ سے اپنے تئیں آخرت کی باقی رہنے والی سعادت پر سرفراز ہو۔ اور بہت سی آیتوں اور حدیثوں سے ظاہر ہے کہ عبادت بغیر معرفت کے جس کی جڑ ایمان ہے صحیح ومقبول نہیں لہٰذا سب سے پہلے جو چیز ابتدائی تکلیف میں مکلف پر واجب ہے ایمان کا حاصل کرنا ہے۔ لیکن اکثر حضرات اس سے غافل ہیں۔ اور دین کے ارکان نہیں جانتے اور چند ناقص دلائل ہیں سے مختصر اور کم جو جان لیا ہے اس میں تحقیق کی نگاہ سے نظر نہیں کی اور صرف تقلید پر اکتفا کر لیا ہے اور گمان کی پستی سے یقین کے بلند درجہ پر قدم نہیں پہنچایا۔ اگرچہ اس بندہ نے عربی اور فارسی کی مبسوط کتابوں میں ان بلند مطالب کو نہایت واضح اور کافی دلائل سے جمع کر دیا ہے۔ لیکن اکثر لوگ اُمورِ دین میں توجہ اور اہتمام نہ کرنے، کم استطاعت ہونے، باطل امور میں مشغول رہنے یا پُوری قابلیت نہ رکھنے کے سبب اُن کو نہیں سمجھتے اور فائدہ نہیں حاصل کرتے لہٰذا اس فقیر نے ارادہ کیا کہ اس مختصر رسالہ میں اُن بلند مطالب کو واضح اور قابلِ فہم الفاظ میں بیان

کردوں۔ خدائے تعالیٰ کی توفیق سے خواہش کے مطابق یہ کتاب مسمی بہ حق الیقین انجام کو پہنچی چونکہ یہ سعادت سلطان بن سلطان شاہ سلطان حسین بہادر خان مدّ اللہ ظلال جلالہٗ علی رؤس العالمین کے عہد کی برکتوں سے تھی اس لئے بنظر الہام منظر اشرف میں پیش کیا ہے تاکہ مقبول طبع اقدس ہو اور اس کا بہترین نتیجہ فرخندہ آثار زمانہ میں ظاہر ہو۔

چونکہ ایمان کا مطلب ہے خداوندِ عالم کے وجود اور اس کی صفاتِ کمالیہ اور اُس کو ہر عیب ونقصان سے منزہ ہونے کی تصدیق کرنا اور اُن انبیاء کی حقیقت کا اقرار کرنا ہے۔ جو حق تعالیٰ کی جانب سے خلائق کی تکمیل کے لیے ان پر مبعوث ہوئے ہیں خصوصاً پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی نبوت کا اور جو کچھ آنحضرتؐ خداوندِ عالم کی جانب سے لائے ہیں تفصیل کے ساتھ ضروریات دین کا اور جو ضروری نہیں ہیں اُن سب کا اجمالاً اقرار کرنا اور حق تعالیٰ کی عدالت کا اور اُس کا افعالِ قبیحہ سے منزہ ہونے کا اور حشر و معاد اور اُن کے تابع امور کا اقرار کرنا ہے۔ لہٰذا ان مطالب عالیہ کی تحقیق چند ابواب میں کی جاتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
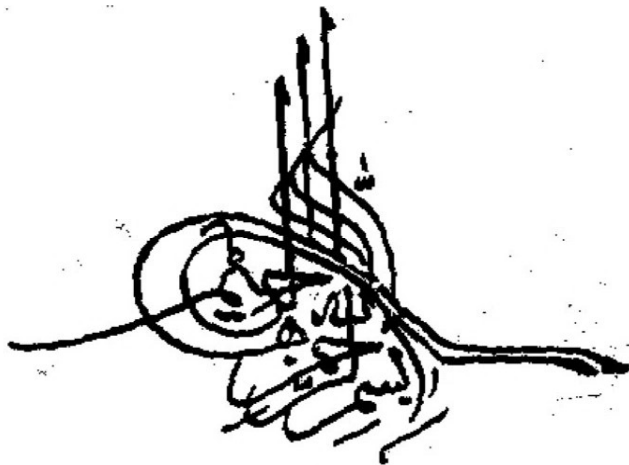
پہلا باب

خدائے تعالیٰ کے وجود اور اُس کے صفاتِ کمالیہ کے اقرار میں ہے اور اس میں چند فصلیں ہیں

پہلی فصل
صانع عالم کے وجود کے اقرار میں ہے۔

اُس کا وجود ہر چیز سے واضح تر ہے کیونکہ آسمان و زمین، آفتاب و ماہتاب، ستاروں ہواؤں، بادلوں، بارشوں، دریاؤں، پہاڑوں اور اپنے بدن و روح کی خلقت میں جو غور کرتا ہے اور اُن میں سے ہر ایک کی خلقت میں جو عجیب صنعتیں ہیں اُن پر نظر کرتا ہے۔ تو اُسے یقین ہو جاتا ہے . . . کہ یہ تمام چیزیں بغیر کسی بنانے والے کے خود پیدا نہیں ہوئی ہیں اور جس نے ان کو پیدا کیا ہے ان کے مانند نہیں ہے اور اپنی ذات میں مکمل ہے اور اُس کی ذات و صفات میں کسی طرح کا نقص نہیں ہے۔ یہ اجمالی دلیل ہے جو عوام کی اکثریت کے لیے کافی ہے۔ اب ہم چند قرینِ عقل و فہم تفصیلی دلیلیں پیش کرتے ہیں۔

پہلی دلیل — ہر وہ مفہوم جو انسان عقل سے پرکھتا ہے یا اس طرح ہے کہ اُسکی ذات میں غور و فکر کرنا بغیر خارجی امور کو ملاحظہ کئے ممکن نہیں اور خارج میں اسکا کوئی سبب ہونا واجب ہے اس کو واجب الوجود کہتے ہیں۔ یا یہ کہ اس کی ذات میں نظر کرنا محال ہے تو اس کو ممتنع الوجود کہتے ہیں یا یہ کہ اس کی ذات میں نظر کرنا نہ واجب ہے نہ ممتنع تو اس کو ممکن الوجود کہتے ہیں کہ ہونا اور نہ ہونا دونوں اس کی ذات کے لیے جائز ہیں۔ اگر کوئی علت اُس کے لیے پیدا ہوتی ہے تو وہ موجود ہوتا ہے ورنہ معدوم ہوگا۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ اگر تمام موجودات ممکنات میں منحصر ہوں اور کوئی واجب الوجود اُن میں موجود نہ ہو تو سب کو اکٹھا ملاحظہ کیجیے تو ایک جسم کی مانند ہوں گے لہٰذا ان سب کا وجود میں نہ ہونا بھی درست ہوگا جسطرح یہ محال ہے کہ مثلاً زید بغیر کسی علت و وجہ (ماں باپ) کے موجود ہو کیونکہ اس صورت میں ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی جو عقل کے نزدیک واضح طور پر محال ہے۔ اسی طرح تمام مخلوق کا بغیر کسی خارجی علت کے موجود ہونا جو ان

.... محال ہے ۔ اور ضروری ہے کہ وہ علت و سبب موجود ہو کیونکہ یہ بالکل واضح ہے کہ جو چیز خود موجود نہ ہو کسی دوسرے کے وجود کی علت نہیں ہو سکتی اور وہ موجود جو تمام ممکنات سے خارج ہے واجب الوجود ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ کوئی واجب الوجود یقیناً موجود ہے۔ اگر کہا جائے کہ اجزا میں سے ہر ایک جز دوسرے وجود کی علت ہے۔ اور تمام اشیاء کی علت اجزاء کی علتوں کا مجموعہ ہے تو ہم کہیں گے کہ ہر ایک کا وجود وجودِ علت کی شرط کے ساتھ لازم ہے۔ لیکن اس کا عدم اپنی تمام علتوں کے نہ ہونے کے ساتھ ممکن ہے پر جب کوئی واجب الوجود نہ ہو تو ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی۔

دوسری دلیل ۔ بعض محققین نے کہا ہے کہ جس طرح محسوسات کا تواتر علم کا فائدہ دیتا ہے۔ کیونکہ عادۃً محال ہے کہ یہ عدد کثیر کذب یا صدق پر اتفاق کرے اور سب کے سب غلطی کریں۔ لہٰذا جب کہ تمام انبیاء، اوصیا، اولیاء اور عقلا وجود صانع عالم اور کائنات کے حادث ہونے پر اتفاق کرتے ہیں اور یہ کہ اللہ ہر حیثیت سے کامل ہے اور نقص اس کے لیے جائز نہیں ہے تو انسان کو علم ہوتا ہے کہ یہ حق ہے اور اس جماعت کثیر نے کذب پر اتفاق نہیں کیا ہے اور ان کامل علم والوں (انبیاء وغیرہم) نے اس اتفاق میں غلطی نہیں کی ہے۔ نیز ان کا اتفاق اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ہمارے مقدمات بدیہی ہیں یا اگر نظری ہیں تو ان کے دلائل اس حیثیت سے واضح ہیں کہ ان میں غلطی نہیں ہے اور یہ دلیل نہایت ٹھوس ہے۔

تیسری دلیل ۔ معجزات ہیں جو پیغمبروں اور ان کے اوصیاء سے ظاہر ہوئے جیسے عصا کا اژدھا بنانا، دریا کو شگافتہ کرنا، مردہ کو زندہ کرنا، اندھے کو بینا کرنا، چاند کو دو ٹکڑے کرنا، کثیر پانی انگلی سے یا چھوٹے پتھر سے جاری کرنا اور اسی طرح کے معجزات جو ہر عاقل پر ظاہر ہے کہ بشری طاقت سے باہر ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ ایک خدا ہو جو ان معجزات کو ان کی حقیقت کے اظہار کے لیے ان کے ہاتھوں پر جاری کرے اور یہ عوام بلکہ اکثر خواص کے لیے اجمالی دلیل ہے جو ان عجیب الٰہی صنعتوں میں غور و فکر سے آفاق اور نفوس میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید میں اکثر اس کی طرف اشارہ کیا ہے کافی ہے بلکہ صانع عالم کے وجود کا علم بدیہی ہے اور تمام عقول کی پیدائش اسی پر ہوتی ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ اگر کافروں سے سوال کرو کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو بیشک کہیں گے کہ خدا نے پیدا کیا ہے۔ پھر فرمایا ہے کہ اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۱۴۔ ابراہیم۔ ۱۰) کیا خدا کے بارے میں کوئی شک ہے جو آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ نیز فرمایا ہے کہ دین حق فطرتِ خدا ہے جس پر کہ لوگوں کو پیدا کیا گیا ہے۔ لہٰذا انبیاء جو مبعوث ہوتے تو انھوں نے خدا کی توحید و یگانہ پرستی اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے کا حکم دیا ہے نہ کہ صانع کے اقرار کا۔

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تمام مخلوق مصیبت و اضطرار کے وقت جبکہ اُن کو ظاہری وسیلوں کا سہارا نہیں رہتا یقیناً اپنے پیدا کرنے والے کی پناہ لیتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ ان کا خدا ایک ہے چنانچہ یہ مضمون احادیثِ معتبرہ میں وارد ہوا ہے۔ ایک عارف باللہ نے کہا ہے کہ اکثر کفار اور جاہل اگرچہ ظاہر میں مبدار کے وجود کے منکر ہیں۔ لیکن باطن میں اُس کے وجود کی حقیقت و ثبوت کے مُقر اور معترف ہیں لہٰذا مبدار کے وجود میں کسی عاقل کا اختلاف مروی نہیں ہے۔ اور اس بارے میں کلام کی توضیح یہ ہے کہ شرعی، عقلی و نقلی دلائل کا اتفاق ہے کہ حق تعالیٰ و تقدس اس سے برتر اور بزرگ تر ہے کہ اس کی کنہ ذات عقل کے احاطہ میں آسکے۔ سوائے اضافی رابطہ کے واسطہ اور ذریعہ سے جو مالک اور بندوں کے مابین بے انتہا رحمت کی وجہ ... سے تحقیق شدہ ہے جس کا آبِ زلال علم و قدرت کے چشموں اور حکمت و ارادت کے منبع سے ہمیشہ جاری اور رواں ہے اور مخلوقات کی عقل و طبیعت اعتراف و قبول صانع پر مجبور ... ہے اس وجہ سے تکلیفوں اور واقعات کے واقع ہونے اور اضطرار کے وقت بغیر دیکھے ہوئے درد دُور کرنے کی خواہش اور تکلیف دُور کرنے کی اُمید میں اپنے حفاظت کرنے والے کی طرف دیکھتے ہیں۔ اور طبیعت کی توجہ کے ساتھ جس میں تامل اور تکلف نہیں ہوتا اس صُورت سے یہ حالت دُعا کی قبولیت کا مظہر ہوتی ہے جیسا کہ آیۂ کریمہ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ (سورۃ النمل ۶۲) سے ظاہر ہے اور خوف کے وقت حیوانات کی بیقراری اور ہراس و وہم کے غلبہ کے وقت اُن کا گریہ اسی حقیقت کی قبیل سے ہے لہٰذا مختلف گروہ اور مختلف قومیں جو ہر عہد و زمانہ میں اور ہر دین میں رہی ہیں ان کے کسی عاقل سے مبداً کے وجود کے خلاف مروی نہیں ہے۔ بلکہ اُس کے احوال و اوصاف کے خلاف کچھ کہنا محال ہے۔ اور فخر رازی نے ایک شخص سے نقل کیا ہے کہ کسی زمانہ میں عظیم خشک سالی اور شدید قحط واقع ہوا اور لوگ دعائے استسقار کے لیے صحرا میں گئے اور دعا کی۔ لیکن ان کی دُعا قبول نہیں ہوئی۔ وہ شخص کہتا ہے کہ ہم اُس وقت ایک پہاڑ کی جانب گئے اور ایک ہرن کو دیکھا کہ پیاس کی شدت سے ایک پانی کے چشمہ کی طرف دوڑ رہا تھا اور جب چشمہ پہ پہنچا تو اس کو خشک پایا تو کئی مرتبہ آسمان کی جانب دیکھا اور سر کو حرکت دی ناگاہ ایک ابر ظاہر ہوا اور اس قدر برسا کہ چشمہ بھر گیا۔ ہرن نے پانی پیا اور سیراب ہو کر واپس چلا گیا۔ اور صاحب رسالہ اخوان الصفا نے نقل کیا ہے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ خشک سالی کے زمانہ میں حیوانات سر آسمان کی جانب کر کے بارش طلب کرتے ہیں۔ ایک شکاری سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے ایک پہاڑی گائے کو دیکھا جو اپنے بچہ کو دُودھ پلا رہی تھی۔ جب میں اُس کی طرف چلا تو وہ اپنا بچہ چھوڑ کر بھاگ گئی۔ میں نے اُس کے بچہ کو پکڑ لیا۔ جب اُس نے بچہ کو میرے ہاتھ میں دیکھا مضطرب ہوئی اور سر آسمان کی جانب بلند

علم ان چیزوں پر ان کے وجود کا محتاج نہیں ہے بلکہ اُن کے وجود سے پہلے اور ان کے معدوم ہونے کے بعد کا علم رکھتا ہے ۔ اسی طرح جیسے کہ ان کے وجود کے وقت اُن کو جانتا ہے اور یہ دو صفات علم سے ظاہر ہوتی ہیں ۔ چونکہ خدا نے ان دونوں صفتوں سے اپنی ذات کو موصوف کر کے علیحدہ ذکر کیا ہے، شاید اُس کی حکمت یہ ہو کہ اُن کے ضمن میں حکماء کی یہ رائے رد ہو جو خداوند عالم کو جزئیات کا عالم نہیں جانتے یا چونکہ بندوں کے اکثر اعمال خدا کی تکلیف کا سبب ہیں مثل سننے اور دیکھنے کے لہٰذا ان دو صفتوں کو مطلق علم سے ذکر میں مخصوص فرمایا تاکہ گناہوں میں ان کی تنبیہ اور اطاعت میں ترغیب کا باعث ہوں یعنی ان دونوں صفتوں کو صفت علم کے علاوہ سمجھتے ہیں جن کے ذکر سے کچھ فائدہ نہیں ۔

چھٹی فصل یہ کہ خداوند عالم حیّ یعنی زندہ ہے اور حیّ سے مُراد وہ صفت ہے جس سے طاقت اور سمجھ حاصل ہوتی ہے ۔ جب یہ معلوم ہوا کہ خداوند تعالیٰ عالم و قادر ہے تو صفتِ حیات بھی اُس میں ہوگی ۔ لیکن زندگی ممکنات میں علیحدہ سے ایک صفت کا پیدا ہونا ہوتی ہے اور جنابِ مقدس الٰہی بذات خود زندہ ہے بغیر اس کے کوئی موجود صفت اُس کو عارض ہو۔ حقیقت میں یہ صفت اُس کے علم و قدرت کی جانب پلٹتی ہے ۔

ساتویں فصل حق تعالیٰ مرید ہے یعنی ہر کام اُس کے ارادہ و اختیار سے ظاہر ہوتا ہے نہ کہ افعالِ اضطراریہ کے مانند جو بغیر ارادہ و اختیار کے صادر ہوتے ہیں جیسے آگ کا جلنا اور ہوا سے پتھر کا نیچے آنا اور ہم سے جو فعل اختیار سے صادر ہوتا ہے تو پہلے ہم اُس فعل کا تصور کرتے ہیں اُس کے بعد اُس کے فائدہ پر غور کرتے ہیں اور وہ ہمارا محرک ہوتا ہے یہاں تک کہ حدِ عزم و جزم تک پہنچتا ہے پھر وہ فعل ہم سے صادر ہوتا ہے ۔ لیکن ذاتِ اقدس الٰہی میں چونکہ احوال و عوارض کا اختلاف نہیں ہوتا ۔ لہٰذا وہی علم جو خداوند عالم رکھتا ہے کہ فلاں امر کا وجود فلاں وقت نظامِ عالم کے لیے زیادہ مناسب ہے ۔ اُس وقت اُس کے وجود کا سبب ہوتا ہے ۔ لہٰذا متکلمینِ امامیہ نے کہا ہے کہ ارادہ علم کی جانب پلٹتا ہے ۔ اور علم ارادہ کے زیادہ مناسبت کے ساتھ ہے اور احادیث میں وارد ہوا ہے کہ ارادہ وہی ایجاد ہے اور فعل کی صفت سے ہے اور حادث ہے ۔ اِس بارے میں بہت گفتگو کی ضرورت ہے اور مکلف کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ جانے کہ خداوندِ عالم کے افعال اِرادہ و اختیار کے ساتھ حکمت و مصلحت کے موافق صادر ہوتے ہیں ۔ وہ ان افعال میں مجبور نہیں ہے ۔

آٹھویں فصل یہ کہ خداوندِ عالم متکلّم ہے ۔ یعنی جسم میں حروف و آواز کو پیدا کرتا ہے بغیر اس کے کہ اس کے کوئی عضو، دہن یا زبان ہو ۔ چنانچہ درخت میں کلام پیدا کیا اور جنابِ موسیٰؑ نے سُنا ۔ اور آسمان میں کلام ایجاد کرتا ہے اور فرشتے سُنتے ہیں اور وحی لاتے ہیں

یا الواح پر نقوش ایجاد فرماتا ہے اور فرشتے پڑھتے اور وحی لاتے ہیں اور اُن کی ایجاد فرشتوں انبیاء اور اوصیاء کے دلوں میں کرتا ہے اور تکلم ذاتِ الٰہی کی صفتوں میں سے نہیں ہے کہ قدیم ہو بلکہ فعل کی صفت ہے اور حادث ہے۔ کیونکہ جو حق تعالیٰ کا کمال ہے اُن حروف و معانی کا علم ہے اور جس میں چاہے حروف اور آوازوں کی ایجاد پر قدرت رکھتا ہے اور یہ دو صفتیں قدیم ہیں اور عین ذات ہیں۔ اور ہم نے ان صفتوں کو علیحدہ ذکر کیا ہے۔ اس لیے کہ انبیاء کی بعثت حق تعالیٰ کی تکالیف اور کتابوں اور خدا کی وحیوں کے نزول کی بنیاد اسی پر ہے اور خدا کے کلام جو قرآن مجید اور تمام آسمانی کتابوں میں ہیں سب حادث ہیں اور خدا کا علم ان کے بارے میں قدیم ہے۔ اور یہ کلام سے الگ ہے اور کلام نفسی جس کے قائل اشاعرہ ہیں باطل ہے۔

نویں فصل

جاننا چاہیئے کہ حق تعالیٰ صادق ہے اور کذب و دروغ اس کے لیے جائز نہیں ہے کیونکہ عقل حکم کرتی ہے کہ کذب قبیح ہے اور وہ قبائح سے پاک ہے اور دروغ مصلحت آمیز جو ہمارے لیے جائز ہے، نہایت قلیل قبیح کے ارتکاب کے اعتبار سے ہے اور یہ ہمارے عجز کے سبب سے ہے کہ ہم اس پر قادر نہیں ہیں کہ سچی بات کے نقصان کو دفع کر سکیں لیکن خدا عجز سے موصوف نہیں ہو سکتا۔ اور یہ کہ قوموں اور صاحبانِ عقل کا اجماع اس پر ہے کہ خداوند عالم تمام اقوال و افعال میں سچا ہے اور تمام الٰہی کتابیں اس پر بھری پڑی ہیں۔ اور یہ ضروریاتِ دین سے ہے۔

دسویں فصل

یہ کہ خدا کے صفاتِ کمالیہ اُس کی عین مقدس ذات ہیں۔ اس معنی سے کہ اس کے لیے کوئی صفت موجود نہیں ہے جو اُس کی ذات مقدس کے ساتھ قائم ہو۔ بلکہ اُس کی ذات تمام صفات کی قائم مقام ہے۔ جیسا کہ ہم میں ذاتی صفت ہے اور صفت قدرت موجودی ہے جو اُس ذات میں عارض ہے اور ذاتِ مُقدّس حق تعالیٰ تمام صفات کی قائم مقام ہے۔ اسی طرح تمام صفاتِ کمالیہ میں ذات سب کی قائم مقام ہے اور ذاتِ مقدس کے سوا کوئی چیز بسیطِ مطلق نہیں ہے۔ کیونکہ اگر کوئی صفت ذات کے علاوہ ہو تو یا تو وہ قدیم ہوگی یا حادث اور دونوں محال ہیں اس لیے کہ اگر قدیم ہوگی تو قدیم میں تعدد لازم آئے گا اور قدیم خدا کے سوا کوئی نہیں لہٰذا وہ بھی ایک دوسرا خدا ہوگا۔ اور اگر حادث ہو تو لازم آئے گا کہ واجب الوجود محلِ حوادث ہو اور یہ محال ہے جیسا کہ انشاء اللہ مذکور ہوگا۔ نیز لازم آئے گا کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے کمالات میں غیر کا محتاج ہوگا۔ اور وہ عجز اور نقص کا لازمہ ہے۔ چنانچہ حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا ہے:۔

ومن وصفہ فقد قرنہ ومن قرنہ فقد ثناہ ومن ثناہ فقد جزّاہ ومن جزاہ فقد جہلہ، یعنی جس نے خدا کے لیے اُس کی ذات پر زائد کوئی وصف قرار دیا تو اُس نے اُس کو دُنیاوی صفتوں سے متصل کیا اور جس نے اس کو دنیاوی صفات سے متّصف کیا تو اُس

نے دو خداؤں کا اعتقاد کیا۔ یا ذاتِ خدا میں دُوئی کا قائل ہُوا اور جس نے یہ اعتقاد کیا تو خدا کی ذات میں اجزار کا قائل ہوا اور جو ایسا اعتقاد رکھے اُس نے خدا کو نہیں پہچانا ہے نیز فرمایا ہے کہ دین کا سب سے پہلا امر خدا کا پہچاننا ہے کہ اُس کو یکتا جانے اور اس کو یکتا جاننے کا کمال یہ ہے کہ اُس کی ذات سے صفات زائدہ کا انکار کرے۔

خدا کی صفاتِ کمالیہ کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ علم، قدرت، اختیار، حیات، ارادہ، کراہت، سمع، بصر، کلام، صدق۔ ازلی ہونا اور ابدی ہونا۔ بعضوں نے ان دونوں صفتوں سے سرمد کے معنی لیے ہیں۔ ہمیشہ سے ہونا اور ہمیشہ رہنا۔ لہٰذا جاننا چاہیئے کہ حق تعالیٰ عالم، قادر، صاحبِ اختیار، حیّ (زندہ) مرید (صاحبِ ارادہ) کارہ (بُرے کاموں کو ناپسند کرنے والا) سمیع، بصیر، متکلم، صادق، ازلی اور ابدی ہے۔ چونکہ بعض صفتیں بعض دوسری صفتوں کی جانب پلٹتی ہیں اور بعض صفات تنزیہہ میں داخل ہیں اس لیے ان کی تعداد میں اختلاف کیا ہے اور سب انہی کی طرف پلٹتی ہیں جو مذکور ہوئیں۔

دُوسرا باب

ان صفتوں کا بیان جن کی ذاتِ اقدس الہٰی سے نفی کرنی چاہیئے

پہلی بحث یہ کہ وہ یکتا ہے اس کی خدائی میں اور اشیاء کے پیدا کرنے میں کوئی اُس کا شریک نہیں۔ جیسا کہ مجوسی یزدان اور اہرمن کہ وہ نور و ظلمت کے قائل ہیں اور نہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت اور پرستش کا حق ہے، جیسا کہ کفارِ مکہ نے خدا کے ساتھ بُتوں کو پُوجنے اور اُن کو سجدہ کرنے میں شریک کیا تھا اور یہ مطلب تمام اخبار انبیاء اور دین حقہ کی تمام ضرورتوں سے ثابت ہے۔ اور عقل کی بداہت سے معلوم ہے کہ نظامِ عالم وجود اور اُس کے حالات کا انتظام بغیر ایک خدا کے ممکن نہیں جبکہ ایک گھر میں دو صاحبِ اختیار، ایک شہر میں دو حاکم اور ایک ملک میں دو بادشاہ ملک کے حالات و نظام میں خلل کا باعث ہوتے ہیں تو آسمانوں اور زمینوں کے حالات اور کارخانۂ ایجاد کا نظام باوجود اس قدر وسعت کے دو خداؤں سے کیونکر منتظم ہو سکتا ہے۔ بلکہ تھوڑے غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام عالم اپنے باہمی اجزا کے ساتھ ارتباط کے اعتبار سے بمنزلہ ایک جسم کے ہے تو جس طرح عقل تجویز نہیں کرتی کہ ایک جسم میں

دو نفس ہوں اُسی طرح یہ بھی تجویز نہیں کرتی کہ دو خدا مدبر عالم ہوں۔ محقق دوانی نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص بصیرت و اعتبار کی آنکھ سے عالم کے سر و پا کے گرد دیکھے اُس کی ابتداء جو عالمِ روحانیات ہے اس کی انتہا تک جو عالمِ جسمانیات ہے تو وُہ ہر ایک کو ایک سوراخ دار سلسلہ میں منتظم دیکھے گا بعض میں بعض داخل ہیں اور ہر ایک اپنے بعد کے سوراخ سے مرتبط ہے تو تم سمجھو کہ ایک خانہ ہے، اور ارباب بصیرت پر مخفی نہیں ہے کہ اس ارتباط اور التیام کے مثل سوائے ایک صانع کے نظام پذیر نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ متعدد صاحبانِ بصیرت دہوشش پر یہ مطلب واضح ہے کہ باوجود اس کے کہ موجد کی حقیقت میں سب ایک ہیں کیونکہ محققان اہل دانش و بینش پر ظاہر و آشکار ہے کہ تمام اشیاء میں مفرد حقیقی جزوِ واحد تنہا نہیں ہے اس واسطہ سے کہ مصوّر کی مختلف صورتیں ہیں جن میں بہت سی نفرت انگیز اور انکار آفریں صورتیں ان کی مصنوعات میں ظاہر ہوتی ہیں اور اس بات اور ایسی ہی باتوں کے ملاحظہ سے ہوشمند صناع کو معلوم ہوتا ہے کہ ایسی وحدت اور انتظام جو اجزائے عالم میں واقع ہے ایک واحد اور یکتا صانع کے سوا کسی سے ممکن نہیں جیسا کہ آیۂ کریمہ کا مضمون لوکان فیھما اٰلھۃ الا اللہ لفسدتا اگر ان (زمین و آسمان) میں سوائے اللہ کے کوئی اور خدا ہوتا تو (نظام عالم میں) خرابی ہو جاتی۔ اس پر مبنی ہے اور اہل اعتبار کے لیے معمولی تنبیہ کافی ہے کہ ان فی خلق السمٰوات والارض واختلاف اللیل والنھار لایات لاولی الالباب (یعنی آسمان و زمین کی خلقت اور شب و روز کے ادل بدل میں صاحبانِ عقل کے لیے (قدرت کی) نشانیاں ہیں محقق دوانی کا قول ختم ہوا) اور سابقہ تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح وجودِ صانع بدیہی و فطری ہے اسی طرح اس کی وحدت بھی بدیہی اور فطری ہے اور سب کا رُخ ایک خدا کی جانب ہے اور ایک بارگاہ میں مقیم ہیں اور صاحبان عقلِ سلیم کا اتفاق بھی اسی پر ہے۔ اور اکثر ثنویہ (دو خدا ماننے والے) بھی مبداء اصلی کو ایک جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نور اور یزدان قدیم ہیں۔ اور اہرمن اُسی سے پیدا ہوا وُہ حادث ہے۔ ان میں سے تھوڑے بظاہر دونوں کے قدیم ہونے کا اظہار کرتے ہیں۔ اور اگر باطن میں تھوڑا سا غور کریں تو وحدت کا اقرار کر لیں اور ان کی مہمل باتوں کو ہر جاہل سُنتا ہے۔ اور اُن کے باطل ہونے کو بدیہی طور سے جانتا ہے جن کا ذکر طوالت کا باعث ہے اور جناب امیر علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی اور خدا ہوتا تو چاہیئے تھا کہ اُس کی کتابیں اور اُس کے انبیاء بھی ہمارے پاس آتے اور یہ قطعی دلیل ہے کیونکہ واجب الوجود کو چاہیے کہ صاحب کمال اور فیاض مطلق ہو۔ جب ایک خدا ایک لاکھ چوبیس ۱۲۴ ہزار انبیاء و مرسلین اپنی معرفت اور عبادت کے لیے بھیجتا ہے اور مخلوق کی ہدایت کرتا ہے۔ اگر نعوذ باللہ دوسرا خدا بھی ہوتا تو اُس کو بھی چاہیئے تھا کہ انبیاء اپنے پہچاننے اور عبادت کے لیے بھیجتا یا وُہ قادر نہیں بلکہ عاجز ہے یا پھر حکیم نہیں ہے

بلکہ بخیل اور جاہل ہے اور ان صفتوں میں کوئی واجب الوجود کے لیے جائز نہیں ہے اور اس بارے میں بے شمار دلیلیں ہیں جن کے ذکر کی گنجائش اس رسالہ میں نہیں ہے۔ لیکن یہ کہ بُت جو چند جمادات ہیں اور ان سے نفع و نقصان متصوّر نہیں ہوتا یا چند مخلوق ہیں جو قادرِ مطلق سے مغلوب اور اُس کے نزدیک مقہور ہیں عبادت کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ اس سے بہت واضح ہے کہ بیان کی احتیاج رکھتا ہو۔ اور اس کی نفی دینِ اسلام کے ضروریات سے ہے۔

دوسری بحث یہ کہ خدائے تعالیٰ مُرکّب نہیں ہے۔ یعنی جسم، جوہر اور عرض نہیں ہے اور اُس کے لیے کوئی مکان اور جہت (سمت) نہیں ہے۔ جاننا چاہیے کہ موجود یا مُرکّب ہے یا بسیط۔ مرکب وہ ہے جس کے اجزا ہوں خارج میں جیسے آدمی جو مُرکّب ہے اعضا، اخلاطِ بدنی اور عناصرِ اربعہ سے۔ یا ذہنی ہو جیسے جنس و فصل۔ اور بسیط وہ ہے جس کے اجزاء نہ ہوں اور حق تعالیٰ بسیطِ مطلق ہے۔ اس کے کوئی جزو نہیں ہے۔ کیونکہ اگر کوئی جزو رکھتا ہوتا تو وجود میں اُس جزو کا محتاج ہوگا، اور ممکن ہوگا اور وہ جوہر نہیں ہے۔ کیونکہ جوہر ممکن کی ایک قسم ہے۔ وہ بالذات واجب الوجود ہے اور عرض نہیں ہے جیسے سفیدی و سیاہی کیونکہ عرض محل و مقام کا محتاج ہے اور ہر محتاج ممکن ہے اور جسم نہیں ہے کیونکہ جسم اجزاء سے مُرکّب ہوتا ہے اور مُرکّب محتاج ہے اجزاء کا۔ وہ کسی مکان (مقام) اور سمت میں نہیں ہے، کیونکہ جو کچھ مکان اور جہت (سمت) میں ہے یا جسم ہے یا جسم میں حلول کئے ہے اور خدا ان دونوں سے پاک ہے اور حرکت اور ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک مقام سے دوسرے مقام کو منتقل ہونا اس کے لیے محال ہے کیونکہ یہ باتیں جسم اور جسمانیت کے لوازم سے ہیں۔

تیسری بحث یہ کہ صانعِ عالم اپنا مثل نہیں رکھتا چنانچہ فرمایا ہے۔ لیس کمثلہ شئ وھوالسمیع البصیر (اُس کے مثل کوئی شئے نہیں اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے) اور کوئی شبیہ اور نظیر نہیں رکھتا کیونکہ ذات اور کنہ صفات اُس کے ساتھ شریک ہوتے ہیں اور وہ اپنا کوئی ضد نہیں رکھتا جو اس کے ساتھ مُعارضہ (مقابلہ) کر سکے۔ اور اشیاء کے پیدا کرنے میں کوئی مددگار اور معین نہیں رکھتا اور جو اعتقاد کہ غلو کرنے والے رکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے رسُول اور آئمہ علیہم السلام کو پیدا کیا اور عالم کے خلق کرنے کو اُن پر چھوڑ دیا کف ہے۔ اور بندوں کے افعال کے سوا تمام چیزوں کا خالق ہے۔

چوتھی بحث یہ کہ دنیا کا بنانے والا دیکھنے کے لائق نہیں ہے اور سر کی آنکھوں سے نظر نہیں آسکتا۔ نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ اور یہ شیعوں کے دین کی ضروریات سے ہے اور جو کچھ لوگ توہم کرتے ہیں اس مطلب پر آیتیں اور حدیثیں بہت وارد ہوئی ہیں۔ اس کے خلاف ج

وارد ہوا ہے اُس کی دل کی آنکھوں سے ادراک کرنے کی تاویل کی گئی ہے۔ جیسا کہ جناب امیرؑ فرماتے ہیں کہ اُس کو آنکھیں نہیں دیکھتی ہیں۔ لیکن اس کو ایمان کی حقیقتوں کے ساتھ دل نے دیکھا ہے۔ اور جاننا چاہیئے کہ خدائے عالم کی کنہ ذات اور اُس کی صفاتِ کمالیہ سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا۔ اور پیغمبر آخر الزمان نے جو اشرف عالمین اور عارفوں میں سب سے افضل ہیں عجز کا اقرار کیا اور فرمایا ہے کہ ما عرفناك حق معرفتك یعنی ہم نے تجھ کو نہیں پہچانا جو پہچاننے کا حق ہے اور خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ما قدروا الله حق قدرہ یعنی بندوں نے خدا کی قدر و تعظیم نہیں کی جیسی کہ سزاوار ہے۔ اُس نے فرمایا ہے کہ لا تدرکہ الابصار وھو یدرك الابصار وھو اللطیف الخبیر یعنی اس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے۔ اور احادیث میں وارد ہوا ہے کہ دل کی آنکھیں اُس کی کنہ ذات کا ادراک نہیں کرتی ہیں تو سر میں جو آنکھیں ہیں اُن کا کیا ذکر۔ ایضاً تمام ظاہری حواس اُس کا ادراک نہیں کر سکتے یعنی سامعہ، باصرہ، شامہ اور لامسا اور چکھنے کی قوت۔ حواسِ باطنہ بھی اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ جیسے وہم و خیال۔

پانچویں بحث

یہ ہے کہ حضرت اقدس الٰہی محلِ حوادث نہیں ہے کہ مختلف حالات اُس پر وارد ہوتے ہوں جیسے سہو و نسیان، نیند، پریشانی، بیماری، لذت اور غم، درد، تکلیف، جوانی، بڑھاپا، کھانے پینے اور جماع کی لذت اور عرض کے مقولات میں سے کسی مقولہ کا محل و مقام نہیں ہے۔ کیونکہ ان عوارض سے اُس کو موصوف کرنا سب عجز و نقص و احتیاج کی دلیلیں ہیں اور خداوند تعالیٰ عجز و نقص اور احتیاج سے بری ہے۔ اِس بارے میں مجمل گفتگو یہ ہے کہ جو کچھ خدا کے صفاتِ کمالیہ سے ہے، حادث نہیں ہو سکتا اور اُس سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ جیسے علم اور قدرت کیونکہ اگر یہ حادث ہوتے تو حق تعالیٰ ان (صفتوں) کے عارض ہونے سے پہلے ناقص، عاجز اور جاہل ہوگا۔ اور اگر یہ صفتیں اُس سے علیحدہ ہو جائیں تو اُن کے بعد ناقص ہو جائے گا اور کسی حال میں نقص اُس کے لیے جائز نہیں ہے۔ اور اگر جو کچھ حادث ہوتا ہے اور صفت نقص ہوتا ہے اس کا عارض ہونا محال ہوگا اور جو ذات کی صفتوں میں سے نہیں ہے بلکہ صفت فعل ہے وہ حادث ہو سکتی ہے۔ جیسے خالق، رازق، محیی (زندہ کرنے والا) اور ممیت (مُردہ کرنے والا) اگر خداوندِ عالم (ان صفات کا مالک) ازل میں نہ رہا ہو تو چاہیئے کہ عالم قدیم ہو، اور خدا کی صفت خلق ہمیشہ رہی ہو حالانکہ یہ خدا تعالیٰ کی کمال صفت نہیں ہے جن کے نہ ہونے سے اُس کا نقص لازم آئے بلکہ جو کچھ صفت کمال ہے پیدا کرنے پر قادر ہونا ہے کہ جس وقت مصلحت سمجھے ایجاد کرے اور وہ قدیم ہے اور ہرگز اُس سے علیحدہ نہیں ہوتی۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ صفت فعل کا دائمی ہونا خدا کے لیے نقص ہوتا ہے جیسے زید کے پیدا کرنے کی مصلحت فلاں روز

رہی ہو اگر اُس روز سے پہلے پیدا کرے تو خلافِ مصلحت ہے اور نقص کا باعث ہے۔ اسی طرح زید کو معدوم کرنا جس وقت مناسب نہ ہو اور وہ معدوم کردے تو اُس کا نقص ہوگا نہ کہ اُس کا کمال۔ چنانچہ حکماء نے کہا ہے کہ صفت ذات وہ ہے جس سے حق تعالیٰ موصوف ہوتا ہے۔ اور اس کے ضد سے موصوف نہیں ہو سکتا۔ اور صفت فعل وہ ہے کہ اُس سے اور اُس کے ضد سے موصوف ہو سکتا ہے۔

اوّل علم الٰہی کی مثال ہے جو تمام چیزوں سے متعلق ہے وہ جہل سے مطلق موصوف نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ہر ممکن پر حق تعالیٰ کی قدرت ہے اور عجز کی اُس کی ذات سے کسی طرح نسبت نہیں دی جا سکتی۔

دوسرے۔ خلق کی مثال، کہا جا سکتا ہے کہ خداوندِ عالم نے سات آسمان پیدا کئے اور چونکہ مصلحت نہ تھی اس سے زیادہ خلق نہیں کیا۔ اور زید کو خلق کیا اور اس کے لڑکے کو خلق نہیں کیا۔ زندہ کرنے اور مُردہ کرنے سے موصوف ہُوا۔ ایک کو غنی اور دوسرے کو فقیر بنایا ان میں سے کوئی ایک اُس کی ذات مُقدّس میں تبدیلی اور اُس کا نقص نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی ذات مقدس کا کمال کاملِ قدرت، سابق علم اور خیرِ محض ہے۔ اختلاف ممکنات کے مادّوں کی قابلیت میں ہوتا ہے اور ہر چیز میں اُس کی قابلیت مادّہ اور نظامِ کل کی مصلحت کے لحاظ سے فیض حاصل کرنے کا حصّہ شامل ہے۔ لیکن اُس سے زیادہ عطا فرمائے تو اُس کے علم کے خلاف شامل ہوگا بمصلحت کل کے ساتھ۔ اور کل کی مصلحت بلا تشبیہ جیسے کہ بارانِ رحمت کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ جب بارش ہوتی ہے ہر ایک زمین پر خوب ہوتی ہے اور اختلاف موارد و قابلیت کے اعتبار سے ایک زمین میں گل و سنبل اُگاتی ہے اور ایک زمین میں بیقدر کانٹے ظاہر کرتی ہے۔ ایک زمین میں اشجار اور پھل، اور دوسری میں دریا اور نہریں عمل میں لاتی ہے۔ ایک مکان کو آباد کرتی ہے، دُوسرے کو ویران اور یہ سب ایک بارش کا فیض ہے۔ بقول حافظ :-

هر چه هست از قامت ناسازیِ اندام ماست
ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

یعنی جو کچھ خرابی ہے وہ ہمارے قد کی نامناسبت ہے، ورنہ تیرا عطا کردہ خلعت کسی قد پر کوتاہ نہیں ہوتا۔ اِس رسالہ میں اِس سے زیادہ بیان مُناسب نہیں ہے۔

چھٹی بحث یہ کہ جناب مقدس الٰہی کے نام بہت ہیں جب کہ اُس نے فرمایا ہے لہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا یعنی خداوندِ عالم کے نام بہت اچھے ہیں۔ اُن کے ذریعہ سے اُس سے دُعا کرو۔ اور بہت سے نام جو آیتوں، حدیثوں اور دُعاؤں میں وارد ہوئے

اور احوط ہے کہ خدا سے بغیر اُس کے ناموں کے جو آیتوں، حدیثوں اور دُعاؤں میں مذکور ہیں نہ دُعا کریں۔ اور حق یہ ہے کہ اس کے نام چند حروف ہیں جو مخلوق اور حادث ہیں اور بعض سُنّی قائل ہوئے ہیں کہ عین اُسی کے ہیں اور یہ قول باطل ہے۔ اور اخبار میں وارد ہُوا ہے کہ جو اس قول کا قائل ہو کافر ہے اور جو بے معنی نام کی عبادت کرے کافر ہے اور جو شخص نام کی اور معنی کی عبادت کرے اُس نے دونوں کو خُدا کے ساتھ شریک کیا۔ اور جو شخص ذات کے ساتھ نام کی عبادت کرے کہ یہ نام اُس کی ذات پر اطلاق کرتے ہیں تو اُس نے خدا کی یکتائی کے ساتھ پرستش کی۔

ساتویں بحث

یہ کہ خُداوند تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متّحد نہیں ہوتا کیونکہ دو کا اِتحاد محال ہے۔ اور اُس کے زن و فرزند نہیں ہوتے اور کسی چیز میں حلول نہیں کرتا جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ (علیٰ نبینا وآلہٖ وعلیہ السلام) خُدا کے بیٹے ہیں یا خُدا نے اُن میں حلول کیا ہے یا اُن کے ساتھ متّحد ہوا ہے اور یہ تمام باتیں خدا کا عجز اور نقص ظاہر کرتی ہیں اور عین کُفر ہیں، اور جو کچھ بعض صوفیہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ عین اشیاء ہے۔ یا یہ کہ ماہیات ممکنہ اعتباریہ امُور ہیں اور خدا کی ذات میں عارض ہوئے ہیں یا یہ کہ خُدا عارف میں حلول کرتا ہے اور اس کے ساتھ متّحد ہو جاتا ہے۔ یہ تمام اقوال عین کُفر ہیں۔ اسی طرح بعض غالیانِ شیعہ کہتے ہیں کہ خداوند عالم نے رسُولِ خدا اور ائمۂ ہدیٰؑ میں حلول کیا ہے یا ان کے ساتھ متّحد ہو گیا ہے یا ان کی صُورت میں ظاہر ہوا ہے سب کُفر ہے، اور ائمہ نے ان سے علیحدگی اختیار کی ہے اور اُن پر لعنت کی ہے اور اُن میں سے بعض نے اُن کے قتل کا حکم دیا ہے اور امیر المومنین علیہ السّلام نے ان کی ایک جماعت کو دھوئیں سے ہلاک کیا تھا۔

آٹھویں بحث

یہ کہ خداوندِ عالم قدیم ہونے میں شریک نہیں رکھتا اور جو کچھ اُس کی ذات مُقدس کے علاوہ ہے حادث ہے۔ اِس مطلب پر تمام قوموں کا اِتفاق ہے اگرچہ حدوث و قدم کو حکماء کی اصطلاح میں چند معنی پر اطلاق کیا ہے لیکن جس پر اربابِ ملل کا اتفاق ہے یہ کہ جو کچھ خُدا تعالیٰ کے علاوہ ہے اِبتدائی وجود رکھتا ہے اور اُس کے وجود کے زمانے ازل کی طرف سے متناہی ہیں اور خدا کے سوا کسی کا وجود ازلی نہیں ہے اور یہ معنی مسلمانوں کا اجماعی ہے بلکہ تمام اہل ادیان کا اجماعی ہے اور آیتیں اور حدیثیں جو اس معنی پر صریح دلالت کرتی ہیں بہت ہیں۔ اور اس فقیر (مراد خود جناب مجلسی علیہ الرحمہ ہیں) نے کتاب بحار الانوار میں خاصہ و عامہ کی کُتُب معتبرہ سے تقریباً دو سو حدیثیں اس بارے میں عقلی دلیلوں کے ساتھ نقل کی ہیں۔ اور احادیثِ معتبرہ میں فلسفیوں کا جواب وارد ہوا ہے کہ جو شخص خدا کے سوا کسی قدیم کا قائل ہوتا ہے وہ کافر ہے۔

تیسرا باب

اُن صفتوں کا بیان جو حق تعالیٰ کے افعال سے متعلّق ہیں اور اِس میں چند بحثیں ہیں

پہلی بحث یہ کہ مذہب امامیہ کا اعتقاد یہ ہے کہ افعال کی اچھائی اور بُرائی عقلی ہے اور اچھائی سے مُراد یہ ہے کہ فاعل اور قادر اگر اس فعل کو بجا لائے تمدح و ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ اور بُرائی سے مُراد یہ ہے کہ اگر فاعل اور قادر اُس فعل کو عمل میں لائے تو مذمّت اور عذاب کا سزاوار ہوتا ہے اور فعل قطع نظر اس کے جو شرع کی رُو سے اچھا اور بُرا ہوتا ہے جس کے سبب سے تعریف اور ثواب یا مذمّت اور عذاب کا مستحق ہوتا ہے عقل سے بدیہی طور پر ہر شخص سچ بولنے کی اچھائی جانتا ہے جو فائدہ پہنچاتی ہے، اور جھوٹ بولنے کی بُرائی جو نقصان پہنچاتی ہے اور کبھی غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے جیسے سچائی جو کبھی کسی کو نقصان پہنچاتی ہے یا کوئی جھوٹ جو کسی کو فائدہ پہنچاتا ہے کہ اُن کی اچھائی اور بُرائی کا علم فکر و نظر کا محتاج ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اکثر لوگوں کی عقلیں اُن کے سمجھنے سے عاجز ہوتی ہیں مگر شرع کے ذریعہ سے اُن کی اچھائی و بُرائی معلوم ہوتی ہے جیسے ماہِ رمضان کے آخری دن کے روزہ کی اچھائی۔ اور ماہ شوال کے پہلے دن کے روزہ کی خرابی۔ اور اہل سُنّت کا فرقہ اشاعرہ کہتا ہے کہ اعمال کی اچھائی اور بُرائی شارع کے امر و نہی کے سبب سے ہے۔ جو کچھ شارع نے امر کیا ہے وہ بھلائی اور اچھائی ہے اور جن باتوں سے منع کیا ہے وہ بُرائی ہے۔ لہٰذا اگر لوگوں کو زنا کا حکم کرتا تو زنا اچھا فعل ہوتا۔ اور اگر نماز کی ممانعت کرتا تو نماز پڑھنا بُرا فعل ہوتا اور اس مذہب کا باطل ہونا قطع نظر عقل کے بہت سی روایتوں، قرآنی آیتوں اور حدیثوں سے ظاہر ہے۔

دُوسری بحث یہ کہ صانع عالم فعل قبیح نہیں کرتا اور محال ہے کہ فعل قبیح اُس سے صادر ہو۔ کیونکہ بُرا فعل کرنے والا یا تو اس فعل کی بُرائی سے واقف نہیں ہوتا، یا ہوتا ہے لیکن اُس کے ترک کرنے پر قادر نہیں ہوتا یا اُس فعلِ قبیح کا محتاج ہے اور اُس کے ترک کرنے پر قادر ہے یا اُس کا محتاج نہیں ہے لیکن اُس کو عبث کرتا ہے۔ پہلی بات کی بنا پر خدا کا جہل لازم آتا ہے اور دوسری بات کی بناء پر اُس کا عجز لازم آتا ہے اور تیسری کی بناء پر احتیاج اور چوتھی کی بناء پر (معاذ اللہ) حماقت۔ اور یہ چاروں اُمور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے لیے محال ہیں۔ لہٰذا فعلِ قبیح اُس سے صادر نہیں ہوتا۔

تیسری بحث

یہ کہ خداوندِ عالم بندوں کو اُن افعال کی تکلیف نہیں دیتا جو اُن کے اختیار میں نہیں ہوتے۔ نہ اُن کے بجا لانے کی تکلیف دیتا ہے نہ ترک کرنے کی۔ بلکہ بندے اپنے فعل میں مختار ہیں اور خود اپنے افعال کے فاعل ہیں خواہ وہ اطاعت میں ہو یا نافرمانی میں۔ اکثر امامیہ اور معتزلہ اسی کے قائل ہیں اور اشاعرہ جو اہلِ سنّت میں زیادہ ہیں کہتے ہیں کہ بندوں کے تمام افعال کا فاعل خدا ہے۔ اور بندے افعال میں بالکل خود مختار نہیں ہیں بلکہ خدا اُن کے ہاتھ سے افعال کراتا ہے اور بندے اُن میں مجبور ہیں۔ لیکن ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ بندہ کا ارادہ اس فعل میں شامل ہوتا ہے۔ لیکن وہ ارادہ مطلق اُس فعل کے وجود میں داخل نہیں ہوتا اور یہ مذہب چند وجوہ سے باطل ہے۔

پہلی وجہ: یہ کہ ہم اپنی عقل اور وجدان کی صراحت سے سمجھتے ہیں کہ ہمارے افعال میں رعشہ کی حرکت سے جو ہمارا فعل بے اختیاری ہوتا ہے اور اُس حرکت میں جو ہم اپنے اختیار سے کرتے ہیں فرق ہے۔ اسی طرح فرق ہے اُس شخص میں جو کوٹھے سے نیچے گر پڑے اور اس شخص میں جو کوٹھے سے اُتر کر نیچے آئے۔ اگر کوئی فعل ہمارے اختیار میں نہ ہو تو چاہیئے کہ ہمارے ان افعال میں کوئی فرق نہ ہو۔

دوسری وجہ: یہ کہ خداوندِ عالم نے اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے اور اُس پر ثواب کا وعدہ کیا ہے اور نافرمانی کی ممانعت کی ہے۔ اور اُس پر عذاب کی وعید فرمائی ہے۔ اگر بندوں کے افعال اُن کے اختیار میں نہ ہوتے تو ان کو تکلیف دینا اور نافرمانی پر عذاب کرنا ظلم و قبیح ہوتا۔ جیسے کوئی شخص اپنے غلام کے ہاتھ پاؤں باندھ کر کہے کہ جا اور فلاں چیز لا، اور اُس کو مارے کہ کیوں نہیں لایا یا یہ کہے کہ آسمان پر چلا جا اور مارے کہ کیوں نہیں گیا اور یہ واضح ہے کہ فعلِ قبیح خدا پر جائز نہیں ہے اور اُس سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جو کسی کے دل و زبان پر بے اختیار کفر و معصیت جاری کرے اور اس سبب سے ابد الآباد تک اُس کو جہنّم میں جلائے۔ حالانکہ خود قرآنِ مجید میں بہت مقامات پر فرماتا ہے کہ خدا بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

تیسری وجہ: یہ کہ خداوندِ عالم نے قرآنِ مجید میں بے شمار جگہوں پر بارگاہِ احدیت کے مقربوں کی اطاعت پر مدح کی ہے اور بارگاہِ عزّت کے مردودوں کی اُن کے کفر و معصیت پر مذمت فرمائی ہے۔ اگر وہ اپنے افعال کے فاعل خود نہ ہوتے تو اُن کی مدح و مذمت کرنا حماقت اور بے عقلی ہوگی۔ اور یہ خدا پر محال ہے۔ اور واضح ہو کہ بہت سی حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ نہ جبر ہے کہ افعال میں اُن پر جبر کیا ہے اور نہ تفویض ہے کہ ان کو آزاد چھوڑ دیا ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک امر ہے۔ اکثر علماء نے کہا ہے کہ خدا نے بندوں پر جبر نہیں کیا ہے۔ بندہ اپنے ارادہ سے حرکت کرتا ہے لیکن اُس

کے تمام اسباب خدا کی جانب سے ہیں مثل اعضاء وجوارح اور قوائے بدنی و روحانی کے اور آلات و اوزار جن کی کاموں میں ضرورت ہوتی ہے خدا کی جانب سے ہیں اور وہ امر جو دونوں امور کے درمیان وارد ہوا ہے یہی ہے لہ

چوتھی وجہ : یہ کہ حق تعالیٰ پر عقل کے مطابق لطف واجب ہے اور لطف وہ امر ہے جو مکلف کو اطاعت سے قریب اور معصیت سے دور کرتا ہے، جیسے پیغمبروں کو بھیجنا اور اماموں کا مقرر کرنا اور ثواب و عذاب کے وعدے اور وعید اور مثل انہی کے۔

پانچویں وجہ : یہ کہ حق تعالیٰ حکیم ہے اور اس کے کام حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوتے ہیں اور اس سے فعلِ عبث و بے فائدہ صادر نہیں ہوتا اور اس کو افعال میں صحیح اغراض اور عظیم مصلحتیں ملحوظ ہوتی ہیں لیکن خدا کے افعال میں غرض بندوں کے لیے ہوتی ہے اپنے لیے کوئی فائدہ حاصل کرنے

لہ مؤلف فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ بندوں کے افعال میں خدا کا دخل اس سے زیادہ ہے کیونکہ خدا کی خاص ہدایتیں اور توفیقیں اُس کے لیے ہیں جو اپنے اچھے اعمال اور اچھی نیتوں کی وجہ سے اُس کا مستحق ہوتا ہے۔ خدا کی طاعت و نافرمانی کے افعال میں خدا کا دخل ہوتا ہے اور اُس کے معصیت کے افعال میں اُس کو آزاد چھوڑ دینے میں دخل ہوتا ہے۔ کیونکہ ان میں سے کوئی حد تک نہیں پہنچتا۔ جبکہ اس کا اختیار سلب ہو اور وہ فعل یا ترک میں مضطر ہو اُس آقا کی مانند جو دو غلام رکھتا ہو اور ہر ایک کو ایک فعل پر مامور کرے۔ مثل اس کے کہ کہے کل جانا اور فلاں چیز میرے لیے خرید کر لانا اور جو شخص یہ کام کرے گا اُس کو سو دینار دوں گا اور جو نہ کرے گا اُس کو دس تازیانے ماروں گا۔ اگر دونوں کے بارے میں اسی پر اکتفا کرے اور ایک غلام اس کا حکم بجالائے اور دوسرا عمل میں نہ لائے۔ تو جس نے کیا ہے وہ سو دینار کا مستحق ہے اور جس نے نہیں کیا وہ تازیانہ کا سزاوار ہے۔ اگر ایک غلام فرمانبردار ہے اور زیادہ خدمتیں کرتا ہے اور آقا اس کو بہت زیادہ دوست رکھتا ہے۔ اس کے بعد جب کہ دونوں پر وہ تکلیف عائد کی اور حجت تمام کر دی (تو جس نے عمل کیا) اُس کو تنہائی میں طلب کر کے اُس پر الطاف و مہربانی بہت کرتا ہے کہ ضرور کل وہ خدمت انجام دینا، اور رات کو اس کے لیے کھانا بھیجتا ہے اور دوسرے غلام کی بہ نسبت اُس پر زیادہ نوازشیں کرتا ہے۔ دوسرے روز وہ غلام وہ خدمت انجام دیتا ہے اور دوسرا غلام نہیں انجام دیتا تو اُس کو سو دینار دے اور اُس کو سو تازیانے مارے تو کوئی شخص آقا پر کوئی الزام نہیں رکھ سکتا۔ کیونکہ یہ غلام کرنے پر اور وہ غلام نہ کرنے پر مجبور نہیں ہوئے۔ اور دونوں نے اپنے اختیار سے اطاعت و نافرمانی کی اور آقا کی حجت دونوں پر تمام ہے۔ اسی قدر خدائے سبحانہٗ و تعالیٰ کا دخل بندوں کے اعمال میں آیات و احادیث سے معلوم ہوتا ہے اور اتنے ہی پر اکتفا کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ مقام نہایت مشکل اور قدموں کی لغزش کا سبب ہے اور اس مسئلہ میں فکر و تامل کرنے کی بہت سی حدیثوں میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔ ۱۲

کی غرض نہیں ہوتی ۔ اس قول پر امامیہ، معتزلہ، اور حکماء کا اتفاق ہے ۔ اور اشاعرہ کہتے ہیں کہ خدا کے افعال میں کوئی غرض (مصلحت) نہیں ہوتی ۔ حالانکہ بہت سی آیتیں اور حدیثیں اس قول کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور اکثر امامیہ کا اعتقادیہ ہے کہ جو خلق اور نظام عالم کیلئے زیادہ بہتر ہوتا ہے اُس کا فعل (عمل میں لانا) خدا پر واجب ہے اور بعض متکلین کا اعتقاد یہ ہے کہ افعالِ الٰہی چاہیئے کہ مصلحت کے ضمن میں ہو اور زیادہ بہتر ہونا ضروری نہیں ہے ۔ اور ظاہراً اس مسئلہ میں غور وفکر کرنا بھی ضروری نہیں ہے ۔

چوتھا باب

نبوّت کی بحثوں کا بیان ۔ اِس میں چند بحثیں ہیں

پہلا مقصد یہ کہ امامیہ کا اعتقاد یہ ہے کہ پیغمبروں کی بعثت حق تعالیٰ پر عقلاً واجب ہے کیونکہ باجماع شیعہ لطف خداوند عالم پر واجب ہے اور اس پر نصوص متواترہ وارد ہوئے ہیں کہ تمام انبیاء اوّل عمر سے آخر عمر تک عمداً وسہواً صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے معصوم ہیں اور اس پر عقلی ونقلی دلیلیں قائم ہیں اور تبلیغ رسالت ووحی میں سہو ونسیان اُن پر جائز نہیں ورنہ ان کے قول پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ۔ لیکن عادیہ (عادت والی باتوں) اور عبادات کے علاوہ بھی علمائے امامیہ میں مشہور یہ ہے کہ جائز نہیں ۔ بعضوں نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے ۔ اور ابن بابویہ اور بعض محدثین فرماتے ہیں کہ ان سے سہو ونسیان جائز نہیں ہے لیکن جائز ہے کہ خداوند عالم اُن سے کسی مصلحت کی بنار پر سہو کرا دے جیسا کہ جنابِ رسُولِ خداؐ نے نمازِ عصر یا ظہر میں سہو کیا اور تشہد اوّل میں سلام پڑھ لیا ۔ جب لوگوں نے یاد دلایا تو اُٹھے اور دوسری دو رکعت (بقیہ نماز) ادا فرمائی ۔ کہتے ہیں کہ اُمت پر شفقت کی وجہ سے ایسا کیا کہ اگر کوئی نماز میں سہو کرے تو لوگ اُس کو سرزنش نہ کریں اور دُوسرے یہ کہ اُن (یعنی رسُول) پر خدائی کا گمان نہ کریں ۔ اور دوسرے اکثر علماء اُس سہو کو واقع ہونا نہیں مانتے اور ان حدیثوں کو تقیہ پر محمول کیا ہے جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں ۔ جاننا چاہیئے کہ معصوم ترکِ گناہ پر مجبور نہیں ہے ۔ لیکن خداوندِ عالم اُس پر نوازشیں فرماتا ہے جس سے وہ اپنے اختیار سے قوتِ عقل وفطانت وذکا اور حق تعالےٰ کی عبادت میں کمالِ اہتمام کے سبب سے اور اخلاقِ ذمیمہ اور اخلاقِ حسنہ سے اُس کی تحلیل اس حد تک پہنچتی ہے کہ محبت جناب اقدس الٰہی اس کے دل میں مستقر ہوتی ہے اور وہ قیدِ شہواتِ نفسانی اور خیالاتِ جسمانی سے رہائی پاتا ہے اور ہمیشہ جمالِ حق کے مُطالعہ میں مشغول رہتا ہے اور جلال و

عظمتِ الٰہی اُس کے دل پر جلوہ فرما ہوتے ہیں لہٰذا معصوم بسبب کمالِ معرفت ہمیشہ اپنے کو خدا کا منظورِ نظر شمار کرتے ہیں اور جو کچھ اُن کے محبوب کی رضا کے خلاف اُس میں ہوتا ہے وہ ان کے دل کے قریب نہیں آتا۔ اگر کسی عجیب وغریب صورت میں اُن کے دل میں خیالِ معصیت آتا ہے تو جلالِ الٰہی کے مُلاحظہ کے سبب وہ اُس کے قریب بھی نہیں جاتے۔ نیز وہ شرم کرتے ہیں اس سے کہ ایسے خدائے جلیل کے حضور جو ہمیشہ اُن کا نگہبان ہے معصیت کے مرتکب ہوں۔ ان وجہوں سے گناہ اُن سے صادر نہیں ہوسکتا اور اگر ایسا ہوتا جیسا کہ کچھ گروہ نے گمان کیا ہے کہ حق تعالیٰ اُن کو ترکِ گناہ پر مجبور کرتا ہے تو کسی طرح عصمت ان کے لیے باعثِ تعریف نہ ہوگی اور نہ اُس کے ترک پر ان کے لیے کچھ ثواب ہوگا۔

واضح ہو کہ جو آیتیں اور حدیثیں انبیاء سے صدورِ معصیت کا وہم پیدا کرتی ہیں جو اُن کی خطا کے ضمن میں ہیں ان کی تاویل ارتکاب مکروہ اور ترک اولیٰ سے کی گئی ہے اور چونکہ ان کے مرتبہ کی بلندی کے لحاظ سے یہ بھی عظیم ہے اس لیے اس کو معصیت سے تعبیر کیا ہے اور دوسری وجہیں بھی ہیں جن کا ذکر میں نے حیات القلوب میں کیا ہے اور جو تفاسیر اور تواریخ میں انبیاء کے حالات میں ان کی خطا سے متعلق ذکر ہے وہ اکثر حضرات اہلِ سنّت کی موضوعات اور افترا پردازیوں سے ہے جو یہودیوں کی کتابوں سے لی گئی ہیں تاکہ اپنے خلفائے جور کی خطائیں قابلِ اعتراض نہ ہوں اور اپنی کتابوں میں لکھی ہیں اور ناقص شیعوں کے ایک گروہ نے بھی ان کو اپنی کتابوں میں لکھ دیا ہے۔ لیکن اہلِ بیت علیہم السلام کے طریقوں سے ان کی رد میں حدیثیں بہت ہیں جن کو میں نے عربی اور فارسی کتابوں میں تحریر کیا ہے۔ یہ رسالہ اُن کے ذکر کی گنجائش نہیں رکھتا اور ان غلط روایتوں پر اعتماد و اعتقاد نہ رکھنا چاہیئے۔

دوسرا مقصد

واضح ہو کہ پیغمبروں کی حقیقت جاننے کا طریقہ معجزات ہیں۔ کیونکہ جو شخص بلند مرتبہ کا دعویٰ کرتا ہے۔ بعض لوگ ان کے دعوے کو سچ نہیں مانتے ؎

اے بسا ابلیس آدم رو کہ ہست پس بہر دستے نباید داد دست

(اے مخاطب آدمی کی شکل میں بہت سے ابلیس ہیں لہٰذا ہر ایک کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہیئے۔ یعنی ہر ایک کی بغیر سمجھے اطاعت نہ کرنا چاہیئے)

جس طرح کوئی شخص دعوے کرے کہ میں بادشاہ کی جانب سے تمہارا حاکم ہوں تم کو چاہیئے کہ میری اطاعت کرو۔ لہٰذا صرف اُس کے کہنے پر کوئی یہ بات قبول نہیں کرتا جب تک کہ کوئی تحریر یا نشانی بادشاہ کی جانب سے جو مخصوص ہوتی ہے نہ رکھتا ہو، اور معجزہ وہ فعل ہے جس کے کرنے سے عام لوگ عاجز ہوتے ہیں اور وہ عادت کے خلاف ہو۔ وہ پیغمبری کے دعوے کے ساتھ ہی

صادر ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر ایسا فعل ہو جو عام لوگوں سے صادر ہو تو وہ معجزہ نہیں ہے جیسے شعبدہ کے طور پر عجیب باتیں ہوتی ہیں اور اگر فعل خدا ہو اور معمولاً عمل میں آتا ہو، وہ بھی پیغمبر کا معجزہ نہیں ہے جیسے کہ طلوع آفتاب کے وقت کہے کہ یہ میرا معجزہ ہے کہ اس وقت آفتاب طلوع ہوتا ہے۔ اور اگر وہ فعل پیغمبری کے دعوے کے ساتھ نہ ہو تو اس کو کرامت کہتے ہیں معجزہ نہیں جیسے حضرت مریمؑ کے لیے خوان نعمت آنا۔ جو شخص پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ خدا نے مجھ کو دین و مخلوق کی دنیا کی ریاست کے لیے بھیجا ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ میرے اشارہ سے چاند کو دو ٹکڑے کرتا ہے یا مُردہ کو زندہ کرتا ہے اور فوراً ہی وہ امر واقع ہو تو بیشک ہم جانتے ہیں کہ وہ سچا ہے۔ کیونکہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اس کا ہر علم ہر چیز پر محیط ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا لہٰذا اگر یہ شخص جھوٹا ہو تو اس کا دعویٰ قبیح ہوگا اور ہمارا اُس کی اطاعت کرنا بھی قبیح ہے۔ پھر خدا ہی نے ہر ایک کو قبیح کی جانب گمراہ کیا۔ اور یہ قبیح ہے اور امر قبیح خدا کے لیے محال ہے جیسا کہ معلوم ہوا اور چاہیے کہ معجزہ مُدّعا کے موافق ہو، جو پیغمبر کی سچائی پر دلالت کرے اور اگر موافق نہ ہو تو اُس کے فاعل کے کذب پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ نقل کیا ہے کہ مسلیمہ کذاب پیغمبری کا دعویٰ کرتا تھا۔ اُس سے لوگوں نے کہا کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک اندھے کے لیے دعا کی اس کی آنکھوں میں بینائی پیدا ہوگئی۔ اس نے ایک شخص کو بلایا جس کی ایک آنکھ اندھی تھی اور دعا کی تو دوسری آنکھ بھی کور ہوگئی۔ لوگوں نے اُس سے کہا کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنا لُعابِ دہن اُس کنوئیں میں ڈالا جو خشک تھا وہ کنواں پانی سے بھر گیا۔ اُس ملعون نے ایک کنوئیں میں اپنا لعابِ دہن ڈالا جس میں کم پانی تھا وہ بالکل خشک ہوگیا۔ لہٰذا اس کو معجزہ مکذبہ کہا گیا ہے۔

تیسرا مقصد چاہیئے کہ پیغمبر اپنی تمام اُمّت سے افضل ہو، اور سب سے زیادہ عالم ہو کیونکہ تفضیل مفضول عقلاً قبیح ہے اور چاہیئے کہ تمام علوم کا عالم ہو جس کی امت محتاج ہو اور چاہیئے کہ کمال صفتوں سے موصوف ہو۔ جیسے کمال عقل و دانائی و فطانت اور طاقت وعفت ورائے و شجاعت وکرم و سخاوت و ایثار (دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دینا) اور دین میں غیرت اور رافت و رحم و مُروّت و تواضع و نرمی و مدارات اور ترکِ دُنیا، و رعایت صلحاء و علماء و اہلِ دین اور صفات ذمیمہ سے پاک ہو، جیسے کینہ، بُخل، حسد، حرص دنیا، حبِّ مال، کج خلقی اور ان امراض سے محفوظ ہونا جو خلائق کی نفرت کا باعث ہو جیسے خورہ، برص (جسم پر سفید داغ) اندھا، بہرا، اور گونگا ہونا اور ازیں قبیل اور نسب میں ولدالزنا نہ ہو، اور نہ کسی قسم کا شبہ ہو۔ اور پیدائش پست نہ ہو اور نہ ذلیل پیشہ ہو جیسے جولاہوں، حجاموں اور جانوروں کے علاج کرنے والوں کا پیشہ اور مروّت کے خلاف کوئی کام اُس سے صادر نہ ہو جیسے بازاروں میں یا راستہ

چلتے ہوئے کوئی چیز کھانا وغیرہ ان امور کو بعض علما نے ذکر کیا ہے ، اور بعض امور کا ذکر کیا جاتا ہے اور پیغمبروں کے آبا و اجداد جو جناب رسولِ خداؐ کے باپ دادا تھے ہمیشہ مسلمان رہے ہیں جیسا کہ اس کے بعد مذکور ہوگا۔ لیکن تمام پیغمبروں کے باپ اگرچہ بعضوں کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ چاہیئے کہ مسلمان ہوں لیکن میرے نزدیک ثابت نہیں ہے اور اس پر عقلی و نقلی دلیل قائم نہیں ہے۔ اور بعض حدیثوں سے جو حضرت خضرؑ وغیرہ کے حالات میں وارد ہوئی ہیں ، اس کے خلاف دلالت کرتی ہیں۔ لیکن اس بارے میں توقف کرنا زیادہ بہتر ہے۔

چوتھا مقصد

یہ کہ علمائے امامیہ نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ انبیاء و آئمہ علیہم السّلام تمام فرشتوں سے افضل ہیں۔ اس بارے میں بہت سی حدیثیں ہیں اور عقلی دلیلیں بھی بہت بیان کی گئی ہیں۔ لیکن غیروں کے یہاں اس مسئلہ میں بہت اختلاف ہے اور انبیاء علیہم السلام کی تعداد بھی ثابت نہیں ہے۔ مشہور تو ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر ہیں۔ مجملاً اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ تمام انبیاء اور اُن کے اوصیاء حق پر ہیں۔ اور جو کچھ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے (حق ہے) اور ان کی نبوت دین اسلام کی ضروریات میں سے ہے جیسے آدم و شیث و ادریس و نوح و ہود و صالح و شعیب و ابراہیم و لوط و موسیٰ و عیسیٰ و اسماعیل و اسحاق و یوسف و داؤد و سلیمان و ایوبؑ و یونسؑ و الیاس علیہم السلام ہیں۔ ان کی نبوت و حقیقت کا اقرار واجب ہے اور جو شخص ان میں سے کسی ایک کا انکار کرے وہ کافر ہے اور ان کے مرتبوں کی فضیلت میں بہت فرق ہے اور ان میں پانچ افراد سب سے افضل ہیں اور وہ نوح و ابراہیم و عیسیٰ و موسیٰ علیہم السلام اور جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔ ان کو اولوالعزم کہتے ہیں۔ ان کی شریعتیں اپنے سے پہلے کی شریعتوں کی ناسخ ہیں اور سب سے افضل جناب رسولِ خداؐ ہیں ان کے بعد جناب ابراہیمؑ تمام نبیوں سے افضل ہیں۔ نبی اور رسول کے درمیان مختلف وجوہ سے فرق تسلیم کیا گیا ہے۔ رسول وہ ہے کہ بیداری میں اُس پر فرشتہ نازل ہوتا ہے۔ نبی وہ ہے جس پر فرشتہ خواب میں نازل ہوتا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ رسول وہ ہے جو کسی جماعت پر مبعوث ہو اور نبی وہ ہے جو کسی پر مبعوث نہ ہو۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ رسول وہ ہے جو کوئی کتاب یا کوئی شریعت رکھتا ہو اور نبی وہ ہے کہ دوسرے رسول کی شریعت کا محافظ ہو۔ اور احادیثِ معتبرہ میں وارد ہوا ہے کہ پیغمبر چار قسم کے ہیں۔ اوّل وہ پیغمبر جو اپنی ذات پر مبعوث ہو اور دوسروں پر مبعوث نہ ہو۔ دوسرے وہ پیغمبر جو فرشتہ کو خواب میں دیکھتا ہے اور اُس کی آواز سنتا ہے۔ فرشتہ کو بیداری میں نہیں دیکھتا اور کسی پر مبعوث نہیں ہوتا۔ اُس پر ایک امام (پیشوا) ہوتا ہے یعنی وہ دوسرے پیغمبر کا تابع ہوتا ہے۔ جیسے حضرت لوط علیہ السلام جو حضرت ابراہیمؑ کے تابع تھے۔ تیسرے وہ پیغمبر جو خواب میں فرشتہ کو دیکھتا اور اُس کی آواز

سُنتا ہے اور کسی گروہ پر مبعوث ہوتا ہے۔ لیکن دوسرے پیغمبر کے تابع ہوتا ہے جیسے یُونس علیہ السّلام چوتھے وہ پیغمبر جو خواب اور بیداری میں فرشتہ کو دیکھتا ہے اور اس کی آواز سُنتا ہے اور خود صاحبِ شریعت ہوتا ہے اور وہ امام ہے اور احادیثِ معتبرہ میں وارد ہوا ہے کہ نبی وہ ہے جو خواب میں دیکھتا ہے اور فرشتہ کی آواز سُنتا ہے لیکن (بیداری میں) فرشتہ کو نہیں دیکھتا اور رسول وہ ہے جو خواب اور بیداری میں فرشتے کو دیکھتا اور اس کی آواز سنتا ہے۔ اور امام صدائے ملک سُنتا ہے۔ لیکن بیداری میں اس کو نہیں دیکھتا۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ قوم جن سے پیغمبر ہوتا ہے یا نہیں۔ اکثر نے انکار کیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ جنّوں پر ایک پیغمبر یوسف نامی مبعوث ہوئے تھے۔ لیکن یہ ثابت نہیں اور اس میں توقف ہی بہتر ہے۔

پانچواں مقصد

حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبداللہ ابن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدِ مناف کی پیغمبری کی حقیقت کے بیان میں۔

آنحضرتؐ کی پیغمبری کی دلیل یہ ہے کہ دعوتِ نبوت دی اور بہت سے نہایت واضح معجزات اپنی پیغمبری کے دعوے کے مطابق ظاہر فرمائے اور یہ دونوں باتیں متواتر ہیں۔ دعویٰ پیغمبری کے بارے میں یہ ہے کہ تمام قومیں قائل ہیں کہ آپ نے پیغمبری کا دعویٰ کیا۔ اور معجزات کے متعلق یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے معجزات حدِ شمار سے زیادہ ہیں۔ بلکہ آپ کے تمام اقوال و افعال اور اخلاق معجزہ تھے اور آپ کے معجزات دو طرح کے ہیں۔ پہلا معجزہ قرآن مجید ہے اور وہ قیامت تک باقی اور متواتر ترین معجزات ہے اور جس زمانہ میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوا اُس زمانہ کے فن کے مثل غالب معجزہ اس کی پیغمبری کا تھا جو اُس زمانہ میں زیادہ مشہور تھا اور اُس زمانہ کے لوگ اُس فن میں بہت ماہر تھے۔ تاکہ اُن پر حجت زیادہ سے زیادہ تمام ہو۔ چنانچہ جنابِ موسیٰؑ کے زمانے میں جادو کا بہت زور تھا تو خدا نے اُن کو عصا اور یدِ بیضا اور انہی کے ایسا معجزہ عطا فرمایا کہ اُن کی قوم ویسا لانے سے عاجز تھی۔ باوجود اس کے کہ اُس فن میں وہ لوگ ماہر تھے۔ اور جس زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام مبعوث ہوئے۔ چونکہ مزمن امراض بہت تھے اور حاذق طبیب جالینوس وغیرہ تھے تو خداوندِ عالم نے زندہ کرنے اور اندھے کو بینا کرنے اور غورہ اور برص کو شفا دینے اور ایسے ہی معجزات اُن کو عطا فرمائے جو ظاہر میں اُن کے فن کی شبیہ تھے۔ لیکن انسانی فعل کے قسم سے نہ تھے اور جس زمانہ میں حضرت رسالت پناہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے عرب میں فصاحت و بلاغت کے فن کا زور تھا اور اشعار اور سخنانِ فصیح و بلیغ پیش کرتے اور کعبہ کے دروازہ پر لٹکاتے تھے اور اُس پر فخر کرتے تھے۔ اُن کے مقابلہ میں حضرتؐ قرآن مجید لائے اور نہایت زوردار دعویٰ کیا اور فرمایا کہ اگر میری پیغمبری میں تم کو شک ہے تو اس قرآن کے مثل لاؤ۔ لیکن وہ لوگ عاجز ہوئے اور نہ لا سکے

تو فرمایا کہ اچھا دس سورے اِس کے مثل لاؤ اور وہ نہ لاسکے تو فرمایا کہ اچھا ایک ہی سورہ اس کے مثل لاؤ، تو وہ لوگ متوجہ ہوئے اور کوشش کی، لیکن ایک چھوٹی سورہ کے مانند بھی باوجود اُس آرزو کے جو آپ کی تکذیب میں رکھتے تھے نہ لا سکے بلکہ سخت جنگیں کرنے، قتل ہونے اور قید ہونے کا ارتکاب کیا اور جو کچھ اُن سے چاہا گیا تھا نہ لائے۔ اگر قادر ہوتے تو ضرور لاتے۔ باوجودیکہ فصحار جو عرب میں تھے اور علمار اور دانشوران اہل کتاب جو بعد کے زمانہ میں اُس وقت سے آج تک تھے اور ہر زمانہ میں آنحضرتؐ کے دوستوں کے بہت زیادہ دشمن تھے۔ لیکن نہ لائے نہ لاسکے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ قرآن مجید انسانی فعل نہیں بلکہ فعل خالق عالم ہے۔ اگر آنحضرتؐ پیغمبر نہ ہوتے تو خداوند عالم ایسی بات ان کی زبان پر جاری نہ کرتا۔ ورنہ کذب و دروغ پر اُبھارنا اور خلق کو گمراہ کرنا اور طرح طرح کی قبیح باتیں لازم آتی ہیں اور وہ قبیح ہے اور حق تعالیٰ پر قبیح کا ظاہر کرنا محال ہے اور قرآن مجید کے اعجاز کی وجہ میں اختلاف ہے کہ وہ انتہائی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے معجزہ ہے یا یہ کہ جب وہ اُس کے معارضہ کا ارادہ کرتے تھے خداوند عالم اُن کے قلوب و ذہنوں کو کند کر دیتا تھا۔ اس لیے نہ لا سکتے تھے۔ اگرچہ اعجاز دونوں وجہوں سے حاصل ہوتا ہے لیکن حق یہ ہے کہ اس کا معجزہ ہونا کئی وجہوں سے ہے۔

پہلی وجہ : فصاحت و بلاغت و طلاقت کی جہت سے کہ جو عجمی قرآن کو سنتا ہے اُس کو دوسروں کے کلام سے امتیاز کرتا ہے اور اُس کا ہر فقرہ جو کسی فصیح کلام میں واقع ہوتا ہے۔ مثل یاقوتِ رمانی اور لعلِ بدخشاں کے چمکتا ہے اور تمام فصحائے عدن اور بلغائے قحطان نے اُس کی فصاحت و بلاغت کا اعتراف کیا ہے۔ روایت ہے کہ جو شخص کوئی بہت بلیغ یا فصیح شعر کہتا تھا مفاخرت کے لیے کعبہ پر لٹکا دیتا تھا اور جب آیۂ وقیل یا ارض ابلعی ماءک ویا سماء اقلعی نازل ہوا تو سب کے سب رسوائی کے خوف سے رات کو آئے اور کعبہ پر سے اپنے نوشتے اُتار لے گئے اور چھپا دیئے۔

دوسری وجہ : اسلوب کی غرابت کی جہت سے کہ کوئی کتنا ہی ان کے فصحا کے کلام، اشعار اور ان کے خطبوں کی پیروی کرے، اس کے عزیب اسلوب کی شباہت نہیں پاتا اور اُس زمانہ کے تمام بلغار اُس کی غرابت سے متعجب و حیران تھے۔

تیسری وجہ : کلام میں کہیں اختلاف کا نہ ہونا جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے لوکان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیرا۔ یعنی اگر قرآن غیر خدا کے پاس سے آیا ہوتا تو اُس میں لوگ کثیر اختلاف پاتے۔ کیونکہ جب انسان سے کبھی اس طور کا کلام صادر ہوتا ہے تو ممکن نہیں کہ اُس میں نقیض اور بہت اختلاف نہ ہو۔ دو صورتوں سے ایک اختلاف حکم اور مضمون سے خصوصاً جبکہ

انشاء پرداز لکھنا اور پڑھنا نہ جانتا ہو اور دوسرے آیت آیت اور سورہ سورہ لکھیں حالانکہ اکثر لکھنے والے منافق اور اس کے دشمن ہوں۔ دوسرا اختلاف فصاحت میں کیونکہ سب سے زیادہ فصیح شخص کے قصائد وخطبات کا اگر ایک فقرہ فصیح ہوتا ہے تو دوسرا نہیں ہوتا۔ اگر ایک بہت بلند ہے تو دوسرا نہیں ہے۔ اگر اُس کا ایک جزو تحقیق میں ہے تو دوسرا جزو کھیل اور باطل اثر میں ہے اور جو کلام کہ اول سے آخر تک تمام بلاغت کے اعلیٰ درجوں پر ہو اور سب کا سب حقائق و معارف پر مشتمل ہو صادر نہیں ہوتا۔ مگر اُسی سے جس کی ذات وصفات اور اقوال میں کسی طرح کا اختلاف نہ ہو۔

چوتھی وجہ : معارف ربانی کی شمولیت ہے۔ کیونکہ جس وقت عرب خصوصاً اہل مکّہ میں علم برطرف ہوگیا تھا اور آنحضرتؐ بعثت سے پہلے اہل کتاب کے کسی ایک عالم یا ان کے علاوہ کسی اور سے معاشرت نہیں رکھتے تھے۔ اور دوسرے ملکوں کا سفر نہیں کیا تھا کہ طلب علم کرتے اور جو کچھ حکماء نے معارف الٰہی میں ہزاروں سال فکر وغور کیا تھا ہر سورہ اور آیت میں نہایت خوبی سے بیان فرمایا اور جو بات سلیم عقلوں اور صحیح فہموں کے مخالف ہوتی ہے اس میں مطلق نہیں ہے اور آنحضرتؐ کی برکت سے اہل عرب کا گروہ جو فہم وعلم وادب سے عاری ہونے میں مشہور آفاق تھے۔ علم اور محاسن اخلاق ومکارم اخلاق کی زیادتی میں ہفت اقلیم میں مقبول ہوئے اور دنیا بھر کے علماء علم وایمان حاصل کرنے میں ان کے محتاج ہوئے۔

پانچویں وجہ : آداب کریمہ وشرائع قویمہ کے مشتمل ہونے کی جہت سے۔ کیونکہ مکارم اخلاق میں جو کچھ علماء وحکماء نے سالہا سال غور وفکر کیا تھا ہر سورہ میں اُس سے زیادہ بیان ہوا ہے اور شریعت میں چند قوانین بندوں کے انتظام احوال اور معاملات ومناکحات ومعاشرات و حدود واحکام اور حلال وحرام کے بارے میں مقرر کیا کہ جن کے ہر باب میں جس قدر علمائے عصر اور عقلائے عالم نے غور وفکر کیا کوئی خدشہ نہ پا سکے اور جو بہتر طریقہ کلام معجز نظام اور شریعت سید الانام علیہ وعلیٰ آلہ السّلام میں مقرّر ہوا اس سے بہتر طریقہ اور قاعدہ نہ بنا سکے۔ اگر کوئی اپنی عقل کی جانب رجوع کرتا ہے تو سمجھتا ہے کہ اس سے عظیم تر معجزہ نہیں ہو سکتا۔

چھٹی وجہ : انبیاء سابقہ اور گزشتہ زمانوں کے قصوں پر مشتمل ہونے کی جہت سے کہ اُس زمانہ میں مخصوص اہل کتاب تھے اور دوسروں کو خصوصاً اہل مکّہ کو ان حالات وواقعات کی اطلاع نہ تھی۔ اس طرح سے بیان فرمایا کہ باوجود بے شمار دشمنوں کے خصوصاً اہل کتاب میں سے کوئی آنحضرتؐ کی ان قصوں کے اجزاء کے کسی جزو کی تکذیب نہ کر سکا اور جو کچھ مخالف باتیں ان میں مشہور تھیں اُن کی حقیقت اُن پر ظاہر فرمائی۔ جیسے حضرت عیسیٰؑ کو قتل کرکے آپ کو دار پر کھینچنا اور

جو کچھ ان کتابوں میں تھا اور مصلحت کی بنا پر پوشیدہ رکھتے تھے۔ اُن پر ثابت کیا جیسے حکم سنگسار اور اونٹ کے گوشت کا حلال ہونا وغیرہ جن کا ذکر میں نے تفصیل سے حیات القلوب میں کیا ہے۔

ساتویں وجہ: آیاتِ کریمہ اور سُوروں کے خواص کی جہت سے۔ اور وہ وہ ہیں جن میں جسمانی و روحانی تکلیفوں کی شفا اور نفسانی اور شیطانی وسوسوں سے نجات اور ظاہری و باطنی اور اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے امن کے طریقے اور تاثیریں ہیں اور سچے تجربوں سے معلوم ہوا ہے اور قلوب کو جلا بخشنے اور دلوں کی شفا اور جناب مقدس ربانی سے رابطہ اور نفسانی شبہات سے نجات کے لیے قرآنِ حمید کی تاثیریں اُس سے زیادہ ہیں کہ کوئی صاحبِ دل اُس سے انکار کرے یا کسی عاقل کو اُس میں تامل کی مجال ہو۔

آٹھویں وجہ: قرآن مجید کا اخبارِ معینہ پر مشتمل ہونا جن پر سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی مطلع نہیں ہے اور وہ اس قدر زیادہ ہیں جن کا احصا نہیں ہو سکتا اور وہ دو قسم پر ہیں۔

پہلی قسم:۔ یہ ہے کہ بہت آیتوں میں اُن باتوں کی خبر دی گئی ہے جو کفار، اور منافقین اپنے مکانوں میں کہتے تھے اور ایک دوسرے سے بطورِ راز کے پوشیدہ ذکر کرتے تھے یا اپنے دلوں میں گذارتے تھے۔ لیکن ان کی خبر دینے پر آنحضرتؐ کی تردید نہیں کرتے تھے اور ندامت و خجالت کا اظہار کرتے تھے۔ جب بات کرتے تو خائف ہوتے اور کہتے تھے کہ اسی وقت جبرئیلؑ آنحضرتؐ کو خبر دے دیں گے۔ اس طرح کی باتیں ہیں جن میں سے اکثر کا ذکر میں نے حیات القلوب میں کیا ہے۔

دوسری قسم:۔ وہ ہے کہ بہت سی آیاتِ کریمہ میں آئندہ امور کی اُن کے خبر دی ہے جن پر خدا کے سوا کسی کو اطلاع نہیں۔ لیکن وحی و الہامِ الٰہی کے ذریعہ سے جیسے ابولہب اور کچھ دوسرے لوگوں کے ایمان نہ لانے کی خبر۔ اور قیامت تک یہودیوں کی ذلت کی خبر اور ایسا ہی ہوا۔ اور اب تک ان کو بادشاہی نہیں حاصل ہوئی ہے۔ اور شہروں اور ملکوں میں زمانہ کے ذلیل ترین افراد ہیں اور ان کی ذلت کی لوگ مثال دیتے ہیں۔ اور شہروں کا اسلام کے لیے مفتوح ہونے کی خبر اور مکۂ معظمہ میں عمرہ کے لیے داخل ہونے کی خبر۔ اور فتح مکہ کی خبر۔ اور اُن حضرت کے اس شہر مقدس میں داخل ہونے کی خبر۔ اور جناب رسولِ خداؐ کے دشمنوں کے شر سے محفوظ رہنے کی خبر اور رومیوں کے عجم کے گبروں پر غالب ہونے کی خبر۔ اور سورۂ کوثر سے آنحضرتؐ کی کثرت اولاد و اتباع کی خبر اور بنی اُمیہ کے نابود ہونے اور ان کی نسل کے زائل ہونے کی خبر جو آنحضرتؐ کو ابتر کہتے تھے۔ اور یہودیوں کے موت کی آرزو نہ کرنے کی خبر، اور ایسا ہی ہوا جن میں سے اکثر کا ذکر حیات القلوب میں ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام معجزات کا مجملاً تذکرہ

واضح ہو کہ حق تعالیٰ نے کسی پیغمبر کو کوئی معجزہ نہیں عطا فرمایا۔ مگر یہ کہ اُس کے مثل اور اُس سے زیادہ آنحضرتؐ کو عطا کیا ہے۔ آنحضرتؐ کے معجزات کا شمار نہیں ہو سکتا۔ ہزار معجزات سے زیادہ میں نے تمام اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ آنحضرتؐ کے تمام معجزات کی چند قسمیں ہیں۔ اُن میں سے بعض معجزات آنحضرتؐ کے جسمِ اقدس کے ہیں اور وہ چوبیس معجزے ہیں:۔

پہلا معجزہ : یہ کہ ہمیشہ آپ کی پیشانیٔ مُبارک سے نُور ساطع رہتا اور چاند کے مانند اُس معدنِ انوار کی جبینِ مُبارک سے شعاع در و دیوار پر چمکتی تھی۔ اور جب دستِ مُبارک بلند کرتے تو حضرتؐ کی اُنگلیاں دس شمعوں کے مانند روشنی دیتی تھیں۔

دوسرا معجزہ : آنحضرتؐ کی خوشبوئے مُبارک اور وُہ ایسی تھی کہ حضرتؐ جس راستے سے گذر جاتے تھے دو روز تک بلکہ زیادہ دنوں تک جو شخص اس راستہ سے جاتا وہاں کی خوشبو سے سمجھ جاتا کہ آنحضرتؐ اس راہ سے گزرے ہیں۔ حضرتؐ کا پسینہ لوگ جمع کرتے تھے جو بہترین خوشبو اُور عطر ہوتا۔ لوگ دوسرے عطروں میں اُس کو داخل و شامل کرتے تھے۔ اور پانی کا ڈول حضرت کے سامنے لاتے اور حضرت اُس میں ایک چلو پانی منہ میں لے کر مضمضہ کر کے اُس ڈول میں ڈال دیتے تو تمام پانی مُشک سے زیادہ خوشبودار ہو جاتا۔

تیسرا معجزہ : یہ کہ جب آپ دُھوپ میں کھڑے ہوتے یا راستہ چلتے تو جسمِ اقدس کا سایہ نہ ہوتا۔

چوتھا معجزہ : یہ کہ جو شخص آنحضرتؐ کے ساتھ چلتا وہ کتنا ہی لانبا ہوتا لیکن حضرت کا سر اور گردن اُس سے زیادہ بلند دکھائی دیتی۔

پانچواں معجزہ : یہ کہ ابر ہمیشہ دُھوپ میں آپ کے سرِ اقدس پر سایہ فگن رہتا تھا اور آپ کے ساتھ (بالائے سر) چلتا رہتا تھا۔

چھٹا معجزہ : یہ کہ کوئی پرندہ آپ کے سر کے اُوپر سے پرواز نہیں کرتا تھا اور کوئی جانور مثل مکھی و مچھر وغیرہ کے آپ کے جسمِ اقدس پر نہیں بیٹھتا تھا۔

ساتواں معجزہ : آنحضرتؐ اپنی پشت کی جانب سے بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح اپنے سامنے سے دیکھتے تھے۔

آٹھواں معجزہ : یہ کہ آنحضرتؐ کی نیند اور بیداری یکساں تھی۔ نیند آپ کے قوائے ادراک کو معطل نہیں کرتی تھی۔ آپ فرشتوں کی آواز سُنتے تھے۔ دوسرے لوگ نہیں سنتے تھے۔ حضرت فرشتوں کو دیکھتے تھے اور دوسرے لوگ نہیں دیکھتے تھے جو کچھ لوگوں کے دلوں میں گذرتا تھا حضرت اُس پر مطلع ہو جاتے تھے۔

نواں معجزہ : آپؐ کے مشام میں کبھی بدبو نہیں پہنچتی تھی۔

دسواں معجزہ : حضرتؐ اپنا آبِ دہن جس کنوئیں میں ڈالتے اُس کی برکت سے کنواں پانی سے بھر جاتا تھا اور جس درد والے کے جسم پر مل دیا جاتا وہ شفا پاتا تھا حضرتؐ کا دستِ مبارک جس غذا کو مس کر دیتا اُس میں اس قدر برکت ہو جاتی کہ مختصر غذا کثیر آدمیوں کو سیر کر دیتی تھی چنانچہ ایک بکری کے بچہ اور ایک صاع جو سے سات سو سے زیادہ افراد سیر ہوئے۔

گیارھواں معجزہ : تمام زبانوں کو حضرتؐ سمجھتے اور ہر زبان میں گفتگو کرتے تھے

بارھواں معجزہ : حضرتؐ کی داڑھی میں سترہ سفید بال تھے جو آفتاب کے مانند چمکتے تھے

تیرھواں معجزہ : حضرتؐ کی پشت مبارک پر مہرِ نبوت تھی جس کا نور آفتاب کے نور پر چھا جاتا تھا۔

چودھواں معجزہ : حضرتؐ کی مبارک انگلیوں سے پانی جاری ہوا جس سے جماعتِ کثیر سیراب ہوئی۔

پندرھواں معجزہ : حضرت نے اپنی اُنگلی کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے

سولھواں معجزہ : یہ کہ کنکریاں آپ کے دستِ مبارک میں تسبیح کرتی تھیں اور لوگ سُنتے تھے

سترھواں معجزہ : یہ کہ آپ ختنہ شدہ و ناف بریدہ اور خون وغیرہ کی آلائش سے پاک پیدا ہوئے اور ولادت کے وقت پیروں کی طرف سے پیدا ہوئے نہ کہ سر کی جانب سے۔ جب زمین پر آئے تو مشک سے بہتر خوشبو آپ کے جسمِ اقدس سے پھیل گئی اور دُنیا کو معطر بنا دیا تھا۔ پھر حضرتؐ کعبہ کی جانب سجدہ میں گر پڑے۔ جب سجدہ سے سر اُٹھایا تو ہاتھ آسمان کی جانب بلند کئے اور خدا کی وحدانیت اور اپنی رسالت کا اقرار کیا۔ پھر آپ کے جسمِ اقدس سے ایک نور ساطع ہوا جس نے مشرق و مغرب کو روشن کر دیا۔

اٹھارھواں معجزہ : ہرگز آپ محتلم نہیں ہوئے اور نہ کبھی شیطانی خواب دیکھا۔

انیسواں معجزہ : یہ کہ جو فضلہ حضرت سے جدا ہوتا۔ مشک کی خوشبو اُس سے آتی اور کوئی اُس کو دیکھنے نہ پاتا تھا۔ بلکہ زمین مامور تھی کہ اس کو اپنے اندر چھپا لے۔

بیسواں معجزہ : یہ کہ جس چوپائے پر حضرت سوار ہوتے درست و صحیح ہو جاتا اور کبھی بوڑھا نہ ہوتا۔

اکیسواں معجزہ : یہ کہ کوئی قوت میں آپ سے مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

بائیسواں معجزہ : یہ کہ تمام مخلوقات آپ کی حرمت کی رعایت کرتی تھی اور جس پتھر اور درخت کے پاس سے آپ گذرتے وہ حضرت کی تعظیم کے لیئے خم ہو جاتا۔ اور حضرت کو سلام کرتا تھا

اور آپ کے بچپن میں چاند آپ کی گہوارہ جنبانی کرتا تھا۔
تیئیسواں معجزہ : یہ کہ جب حضرت نرم زمین پر سے گزرتے تو آپ کے پیروں کے نشانات نہیں پڑتے تھے اور جب پتھر پہ چلتے تھے آپ کے پیروں کا نشان پڑتا تھا۔
چوبیسواں معجزہ : یہ کہ خداوندِ عالم نے لوگوں کے دلوں میں حضرت کی ہیبت ڈال دی تھی کہ باوجود آپ کی اس قدر تواضع و شفقت و مرحمت کے کوئی آپ کے چہرہ پر پورے طور سے نظر نہیں کرسکتا تھا۔ اور جو کافر و منافق حضرت کو دیکھتا خوف سے کانپنے لگتا اور دو ماہ کی راہ کے فاصلہ سے آپ کا رُعب کافروں کے دلوں میں اثر کرتا تھا۔
حضرت کے دُوسرے معجزات کی چند قسمیں ہیں :۔
پہلی قسم :۔ آپ کی ولادت باسعادت کے معجزات۔
خاصہ و عامہ نے متعدد طریقوں سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ کی ولادتِ باسعادت کی رات آسمانوں پر شیطانوں کو جانے سے روک دیا گیا۔ اس سبب سے آسمان سے شہاب (انگارے) ظاہر ہُوئے یہاں تک کہ لوگوں نے سمجھا کہ قیامت آجائے گی اور کاہنوں کا علم زائل ہوگیا اور جادوگروں کا جادو کمزور ہوگیا اور دُنیا میں جس قدر بت تھے مُنہ کے بل گر پڑے اور طاق کسریٰ میں جس کو بادشاہ عجم نے نہایت مستحکم تعمیر کرایا تھا اور ابھی کچھ باقی تھا لرزہ پیدا ہوا۔ اور چودہ کنگرے اُس کے ٹوٹ کر گر پڑے اور پوری عمارت درمیان سے پھٹ گئی اور زمین تک دو حصّے ہوگئی، اور اب تک سوائے اس کے اُس میں شکستگی نہیں ہوئی اور جو محل دجلہ پر تعمیر کرایا تھا منہدم ہوگیا اور اُس میں پانی جاری ہوگیا اور دریائے ساوہ خشک ہوگیا جس کی پرستش کرتے تھے اور آج تک نمک زار ہے جو کاشان کے نزدیک ہے اور فارس کا آتشکدہ جس کو ہزار سال سے پُوجتے تھے اُس رات گل ہوگیا۔ اور ساوہ کی بڑی نہر جو سالہا سال سے خشک تھی اُس میں پانی جاری ہوگیا اور حجاز کی طرف سے اُس رات ایک نور ساطع ہوا اور تمام عالم پر چھاگیا اور ہر بادشاہ کا تخت اُلٹ گیا۔ اُس روز تمام بادشاہ گونگے ہو گئے تھے اور بات نہیں کرسکتے تھے اور مقرب فرشتے اور پیغمبروں کی پاک رُوحیں حضرت کی ولادتِ باسعادت کے وقت حاضر ہوئیں اور رضوان خازنِ بہشت حوروں کے ساتھ نازل ہُوئے۔ اور بہشت کے سونے اور چاندی اور زمرد کے طشت اور صُراحیاں لے کر حاضر ہُوئے اور جناب آمنہ کے لیے بہشت کے شربت لائے جن کو انھوں نے پیا اور ولادت کے بعد آنحضرتؐ کو بہشت کے پانی سے غسل دیا اور فردوس کے عطروں سے معطر کیا اور آپ کی پشت اقدس پر مُہرِ نبوت ثبت کی کہ نقش اُبھر آیا اور بہشت کے سفید ریشمی کپڑے میں آپ کو لپیٹا اور تمام روحانیوں کے سامنے پیش کیا اور آسمانوں کے تمام فرشتے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور سلام

کیا اور حضرتؐ کی ولادت کے وقت کعبہ معظمہ کے چار رکن زمین سے جُدا ہو کر حضرتؐ کے حجرۂ مبارکہ کی جانب سجدہ میں گر پڑے اور ولادت کے عجیب و غریب واقعات اور وہ معجزات جو اس حالت میں رونما ہوئے اور اُس کے بعد جو نشو و نما کے دنوں میں ظاہر ہوئے شمار و حساب سے زیادہ ہیں اور تھوڑا سا اُن کا ذکر حیات القلوب میں کیا گیا ہے

معجزہ کی دوسری قسم ۔ وہ معجزات جو امورِ آسمانی سے متعلق ہیں بہت ہیں ۔

معجزۂ اوّل سب سے پہلے شق القمر ہے ۔ خداوندِ عالم نے فرمایا ہے اقتربت الساعۃ وانشق القمر یعنی قیامت نزدیک ہوگئی اور چاند ٹکڑے ہوگیا ۔ اکثر مفسروں نے کہا ہے کہ یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی جبکہ قریش نے آنحضرتؐ سے معجزہ طلب کیا تو حضرتؐ نے اُنگلی سے اشارہ کیا اور چاند دو ٹکڑے ہوگیا پھر باہم مل گیا ۔ جب دوسرے شہر والوں سے پوچھا گیا تو انھوں نے بھی خبر دی کہ نصف چاند خانۂ کعبہ پر گرا اور دوسرا نصف کوہِ ابو قبیس پر گرا ۔

دوسرا معجزہ آفتاب کا مغرب سے واپس ہونا ۔ خاصہ و عامہ کی بیشمار سندوں سے اسماء بنتِ عمیس وغیرہ سے روایت ہے کہ ایک روز رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو کسی کام کے لیے بھیجا تھا اور جنابِ رسولِ خداؐ کے نمازِ عصر سے فارغ ہونے کے بعد جناب امیرؑ واپس آئے ۔ جنابِ رسولِ خداؐ اپنا سر مبارک امیر المومنینؑ کی گود میں رکھ کر لیٹے تھے کہ وحی نازل ہونا شروع ہوئی ۔ جب وحی منقطع ہوئی تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ تم نے نماز پڑھی ۔ عرض کی یا رسول اللہؐ میں آپ کا سر مبارک زمین پر رکھنے کی جرأت نہ کر سکا تو حضرتؐ نے دُعا کی کہ خداوندا علیؑ تیری اور تیرے رسولؐ کی اطاعت میں تھے آفتاب کو پلٹا دے ۔ اسماء کہتی ہیں کہ خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ آفتاب پلٹ آیا اور اس قدر بلند ہوا کہ اس کی شعاعیں زمین پر پڑیں تو حضرت امیر المومنینؑ نے نماز پڑھی ۔ پھر آفتاب یکبارگی غروب ہوگیا ۔ اسی معجزہ کے مثل ایک معجزہ جنابِ رسولِ خداؐ کی وفات کے بعد واقع ہوا ۔

تیسرا معجزہ آنحضرتؐ کی ولادت کے وقت ستاروں کا ٹوٹنا اور شہاب ثاقب کا ظاہر ہونا جیسا کہ مذکور ہوا ۔

چوتھا معجزہ آسمان سے اہل بیتؑ کے لیے خوان کا نازل ہونا ۔

پانچواں معجزہ بجلیاں اور عذاب جو آپؐ کے بعض دشمنوں پر نازل ہوئے ۔

چھٹا معجزہ جمادات و نباتات کا آنحضرتؐ کی اطاعت کرنا اور وہ تمام جو کچھ آنحضرتؐ

سے ظاہر ہوئے جیسے یہ معجزہ کہ خرما کی لکڑی کا نالہ کرنا جس سے آنحضرتؐ پشت ٹیک کر کھڑے ہوتے تھے۔ جب آنحضرتؐ کے لیے منبر بنایا گیا تو حضرتؐ کی مفارقت سے اُس کا نالہ و فریاد کرنا۔ اور آنحضرتؐ کا درخت کو طلب کرنا اور اس کا قبول کرنا اور آنحضرتؐ کے پاس آنا، اور آنحضرتؐ کے اشارہ سے بتوں کا مُنھ کے بَل گرنا اور درخت خشک کا ایک آن میں سرسبز ہو کر پھل دینا اور درخت و پتھر کا حضرتؐ کو سلام کرنا اور حضرتؐ کا مسلمانوں کے لیے درخت خرما بونا اور فوراً اُس کا بڑا ہو کر پھل دینا۔ اور زمین کا سراقہ کے پیروں کو اندر کو دھنسا دینا۔ اس قسم کے معجزات حد و حساب سے زیادہ ہیں۔

تیسری قسم معجزات کی حیوانات کا آنحضرتؐ سے گفتگو کرنا ہے۔ جیسے ہرنوں، شیر، بھیڑیئے، سوسمار، اور بریاں بکری کے بچہ اور آنحضرتؐ کے ناقہ کا شبِ عقبہ کلام کرنا اور غلام آنحضرتؐ سفینہ کو شیر کا راستہ بتانا اور آنحضرتؐ کی رسالت پر مختلف حیوانات کا گواہی دینا۔ اس طرح کے بہت سے معجزات ہیں۔

چوتھی قسم ۔ مُردوں کے زندہ کرنے اور اندھوں کے بینا کرنے اور بیماروں کے شفا پانے میں آنحضرتؐ کی دُعا کا مستجاب ہونا۔

پانچویں قسم ۔ آنحضرت صلعم کا دشمنوں پر غالب ہونا اور اُن کے شر سے محفوظ رہنا، اور آسمان سے فرشتوں کا حضرتؐ کی مدد کے لیے نازل ہونا جیسا کہ جنگِ بدر، اُحد وغیرہ میں ہوا اور اُن کی علامت لوگوں پر ظاہر ہوئی۔

چھٹی قسم ۔ آنحضرتؐ کا شیاطین پر غالب ہونا اور جنوں کا ایمان لانا جیسا کہ قرآن مجید اس پر ناطق ہے اور بہت سی حدیثوں میں وارد ہوا ہے اور شیاطین کے لیے آسمان پر جانے کی ممانعت ہونا اور اُن کو شہابِ ثاقب سے بھگایا جانا قرآن مجید میں مذکور ہے۔

ساتویں قسم ۔ پوشیدہ اور آیندہ کے امور کی خبر دینا اور بنی امیہ کی بادشاہی کے بارے میں خبر دینا کہ ہزار ماہ تک بادشاہی کریں گے اور بنی عباس کی حکومت کی پیشین گوئی فرمانا اور اہلبیتؑ کی مظلومیت، جناب امیر اور حسنین علیہم السلام کی شہادت کی خبر دینا اور ہر ایک کی شہادت کی کیفیت بیان فرمانا اور بادشاہانِ عجم کے ملک کے ختم ہوتے اور نصاریٰ کی حکومت باقی رہنے کی پیشین گوئی۔ اور امام رضا علیہ السلام کی شہادت اور خراسان میں اُن کے دفن ہونے کی خبر دینا اور جناب عمار اور دوسروں کی شہادت کی اطلاع دینا اور اس کی کیفیت بیان فرمانا اور امیرالمومنینؑ کے عائشہ، طلحہ، زبیر، معاویہ اور خوارج سے جنگ کرنے کی پیشین گوئی کرنا اور ابوذرؓ کے مظلوم ہونے اور مدینہ سے اخراج بلکہ اُن تمام واقعات کی خبر دینا جو آپ کے بعد اہلبیتؑ اور دوسرے صحابہ پر واقع ہوئے اور

بادشاہ حبشہ نجاشی کی وفات کی خبر دینا جس وقت وہ فوت ہوئے اور جنگِ تبوک میں شہادتِ جناب جعفر طیارؓ و زید و عبد اللہ بن رواحہ کی خبر ان کی شہادت کے وقت دینا اور حبیب بن عدی کی شہادت کی اطلاع دینا اور اُس مال سے آگاہ فرمانا جسے جنابِ عباسؓ نے مکہ میں چھپا رکھا تھا اور جو کچھ منافقین اپنے گھروں میں کہتے اور صحابہ جو کچھ اپنے گھروں میں کرتے تھے اُن سب کی اطلاع دینا اور اکثر لوگوں کو جو حضرت کے پاس آتے تھے۔ اُن کے بولنے سے پہلے ان کی حاجتیں بیان کرنا حالانکہ اُن حضرت کی کم سخنی ظاہر تھی جبکہ معجزہ سے موقع خالی ہوتا تھا۔ جو شخص ان معجزات کی تفصیل دیکھنا چاہے کتاب حیات القلوب کی جانب رجوع ہو۔

آٹھویں قسم - آنحضرتؐ کے معراج کے معجزات کا بیان جس پر قرآن مجید کے نصوص صریحہ دلالت کرتے ہیں۔ اور دین اسلام کی ضروریات میں سے ہے اور اُن کا منکر کافر ہے اور بعض قاصر لوگوں نے جو اُس کی خصوصیات میں اختلاف کیا ہے، عدم تتبع یا قلت تدبر کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ عامہ میں سے بعض نے اختلاف کیا ہے کہ معراج خواب میں ہوئی کہ بیداری میں جسم کے ساتھ ہوئی یا تنہا۔ رُوح کو معراج ہوئی یا روح و بدن کے ساتھ ہوئی۔ اور مسجدِ اقصیٰ تک محدود تھی یا آسمان تک ہوئی۔ اور بعض شیعہ متکلمین نے بھی ان اختلافات میں سے بعض کے ذکر میں ان کی متابعت کی ہے کہ ان دو جہتوں میں سے ایک جو مذکور ہوئی اور جو کچھ آیات کریمہ اور احادیثِ متواترہ خاصہ و عامہ سے ظاہر ہوتا ہے یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جنابِ رسولِ خدا کو ایک رات میں مکہ معظمہ سے مسجدِ اقصیٰ کی جانب جو شام میں ہے لے گیا پھر وہاں سے آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ تک لے گیا، اور عرش اعلیٰ کی سیر کرائی اور آسمانی عجائب آنحضرتؐ کو دکھائے اور پوشیدہ رازوں اور بے انتہا معارف سے حضرت کو سرفراز فرمایا اور آنحضرتؐ نے بیت المعمور میں اور عرش الٰہی کے نیچے عبادت میں قیام کیا اور ارواحِ انبیاء سے مع اُن کے جسموں کے ملاقات کی اور بہشت عنبر سرشت میں داخل ہوئے اور اہلِ بہشت کے منازل مشاہدہ کئے اور احادیث خاصہ و عامہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ آنحضرتؐ کا عروج بدن کے ساتھ تھا اور بیداری میں تھا عالمِ خواب میں نہ تھا قدیم علمائے شیعہ کے درمیان اس میں اختلاف نہ تھا۔ چنانچہ ابن بابویہ اور شیخ طوسی وغیرہ نے ان مراتب کی تصریح کی ہے اور اتفاق کیا ہے کہ معراج مشہور ہجرت سے پہلے واقع ہوئی اور احتمال ہے کہ مدینہ طیبہ میں ہجرت کے بعد بھی واقع ہوئی ہو جیسا کہ کچھ لوگ قائل ہوئے ہیں کہ معراج دو مرتبہ ہوئی۔

ابن بابویہ، صفار اور دوسرے محدثین نے بسند ہائے معتبر حضرت صادقؑ سے روایت کی ہے کہ خداوند تعالیٰ آنحضرتؐ کو ایک سو چوبیس مرتبہ آسمان پر لے گیا اور ہر مرتبہ امیر المومنینؑ اور تمام آئمہ طاہرینؑ کی ولایت و محبت کی تمام فرائض سے زیادہ تاکید کی اور حضرت صادقؑ سے منقول ہے

کہ وہ شخص ہم سے نہیں ہے جو ان چار چیزوں میں سے ایک کا بھی انکار کرے (۱) معراج (۲) قبر میں سوال ہونا (۳) بہشت و دوزخ کا مخلوق ہونا اور (۴) شفاعت۔ حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص معراج پر ایمان نہ لائے تو اس نے آنحضرت صلعم کی تکذیب کی ہے۔

نویں قسم۔ آنحضرتؐ کے فضائل و مناقب کا مختصر بیان۔ جاننا چاہیئے کہ آنحضرتؐ تمام انسانوں پر خواہ وہ عرب کے ہوں یا عجم کے ہوں اور جنوں پر بنص قرآن مبعوث ہوئے اور آپ کا دین تمام پیغمبروں کے دینوں کا منسوخ کرنے والا ہے۔ آنحضرتؐ کے بعد کوئی پیغمبر نہ ہوگا۔ اور آنحضرتؐ تمام انس و جن و ملائکہ وغیرہ ساری مخلوقات سے افضل ہیں اور امیرالمومنین اور تمام آئمہ علیہم السلام بھی افضل ہیں اور یہ جو بعض غلو کرنے والے کہتے ہیں کہ امیرالمومنینؑ جناب رسالت مآبؐ سے بھی افضل تھے کفر ہے۔ اور آنحضرتؐ تمام صفات کمالیہ بشری کے حامل تھے۔ آنحضرتؐ کے معجزات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایسے گروہ کے درمیان نشوونما پائی جو تمام اخلاقِ حسنہ سے عاری تھے۔ اور اُن کی زندگی کا دار و مدار عصبیت، کینہ، فساد، نزاع اور اپنی تعریف اور افتخار پر تھا۔ اور حج میں حیوانوں کی طرح ننگے ہو جاتے اور کعبہ کے گرد تالیاں اور سیٹیاں بجاتے اور اُچھلتے کودتے تھے۔ یہ تھی ان کی عبادت؟ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اور اُن کے تمام اطوار کیسے ہوں گے اور اس وقت جبکہ ہزار سال سے زیادہ حضرتؐ کی بعثت کو گذر چکے ہیں اور شریعت مقدسہ نے طوعاً و کرہاً اُن کی اصلاح کی ہے جو شخص صحرائے مکّہ میں ان کو دیکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ مختلف خصائل میں چوپایوں سے بدتر ہیں۔ ایسے گروہ کے درمیان آنحضرتؐ تمام اخلاقِ حسنہ و اطوارِ حمیدہ کے ساتھ پیدا ہوئے۔ جیسے علم، حلم، کرم، سخاوت، شجاعت اور مروّت وغیرہ تمام صفاتِ کمالیہ سے آراستہ کہ علمائے خاصہ و عامہ نے اس باب میں کتابیں لکھی ہیں اور اُن سو حصّوں میں سے ایک حصہ کا بھی احصا نہ کر سکے اور عجز کا اعتراف کیا ہے میں نے ان میں سے بہت تھوڑا سا حیات القلوب میں لکھا ہے۔

ایضاً۔ اس پر امامیہ کا اجماع ہے کہ آنحضرتؐ اور آئمہ اطہارؑ کے باپ دادا آدمؑ تک سب کے سب مسلمان رہے ہیں۔ بلکہ سب انبیاء و اوصیاء تھے۔ کوئی ایک کافر نہ تھا اور آذر جو کافر تھا حضرت ابراہیمؑ کا باپ نہ تھا۔ بلکہ چچا تھا چونکہ اُس نے حضرت ابراہیمؑ کی پرورش کی تھی اس لیے حضرت اُس کو باپ کہتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کے والد بزرگوار تارخ تھے۔ جو حدیثیں اس کے خلاف دلالت کرتی ہیں وہ تقیہ پر محمول ہیں۔ جنابِ عبداللہ اور حضرت آمنہ دونوں مسلمان تھے اور جنابِ عبدالمطلبؑ حضرت ابراہیمؑ کے اوصیا میں سے تھے۔ اسی طرح آپ کے آبا و اجداد حضرت اسمٰعیلؑ تک سب اوصیاء تھے اور حضرت ابوطالب علیہ السلام پدر جناب امیر علیہ السلام حضرت عبدالمطلبؑ

کے بعد وصی تھے۔ اور کبھی آپ نے بتوں کی پرستش نہیں کی اور نہ کافر تھے۔ لیکن مصلحت کی بناء پر اپنا ایمان اپنی قوم سے پوشیدہ رکھتے تھے تاکہ آنحضرتؐ کی رعایت و اعانت بہتر طریقہ سے کر سکیں اور وصیتیں اور تبرکات جناب ابراہیمؑ و اسماعیلؑ اور تمام انبیاءؑ و اوصیاءؑ کی کتابیں ان کے پاس تھیں اور اپنی وفات کے وقت جناب رسولِ خدا کو سپرد کیں۔ اور اسی وقت اظہارِ اسلام کیا۔ لہذا احادیث میں وارد ہوا ہے کہ وہ اصحابِ کہف کے مانند تھے جو اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتے تھے اور تقیہ کی بناء پر کفر کو ظاہر کیا تھا۔ تو خداوندِ عالم نے ان کے ثواب کو بہت زیادہ کر دیا۔ اس بارے میں احادیث متواترہ اہلبیت علیہم السلام سے وارد ہوئی ہیں اور اسلام ابوطالب اور آنحضرتؐ کے آباؤ اجداد کا ایمان ضروریاتِ دینِ شیعہ سے ہے۔ احادیث متواترہ میں وارد ہوا ہے کہ وہ ہمارا شیعہ نہیں جو ابوطالبؑ کے اسلام کا قائل نہیں ہے۔ ان حضرتؐ کے باپ دادا اور آئمہ علیہم السلام کی مائیں سب عفیفہ، نجیبہ اور مکرمہ تھیں اور کسی برائی سے متہم نہ تھیں۔ جس وقت ان کا نطفہ یا ان کے باپ داداؤں کا نطفہ ان کے رحموں میں قرار پایا وہ مسلمان رہی ہیں۔ لیکن لازم نہیں ہے کہ ہمیشہ مسلمان رہی ہوں۔ جیسے شہربانو۔ مادرِ علی بن الحسین علیہما السلام اور اکثر آئمہ کی مائیں جو کنیزیں تھیں کیونکہ حالتِ کفر میں ان کا نطفہ ان کے رحم میں نہ تھا۔ بخلاف ان کے اجداد کے۔ جب تک ان کا پاک نطفہ ان کے صلب میں رہا ہے چاہیئے کہ ہرگز کافر نہ رہے ہوں۔ اور یہ بات عقلی و نقلی دلیلوں سے ظاہر و باہر ہے۔ لیکن اکثر اس بارے میں متعرض نہیں ہوتے ہیں واللہ الموفق۔

دسویں قسم ۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا آپ فرشتوں پر مبعوث تھے یا نہیں۔ اس امر میں توقف زیادہ بہتر ہے۔ لیکن بہت سی حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کی اور آپ کے اوصیا کی ولایت کی میثاق خدا نے تمام فرشتوں سے لی تھی اور تمام فرشتے آپ حضرات کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ فرشتوں نے ان کے انوارِ مقدسہ سے خدائے تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس و تنزیہ سیکھی اور کوئی فرشتہ زمین پر کسی ضرورت سے نہیں آتا۔ مگر یہ کہ پہلے امام علیہ السلام کی خدمت میں آتا ہے۔ اس کے بعد اس کام کے لیے جاتا ہے اور جبرئیل علیہ السلام آنحضرتؐ کی اجازت کے بغیر آپ کے گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے۔ اور جب داخل ہوتے تھے تو غلاموں کی طرح ادب سے جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھتے تھے۔

گیارھویں قسم ۔ اس میں اختلاف ہے کہ جناب رسولِ خدا بعثت سے پہلے آیا کسی سابقہ شریعت پر عمل کرتے تھے یا نہیں۔ بعضوں کا اعتقاد یہ ہے کہ کسی شریعت سے الگ نہیں تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ تھے اور بعض نے توقف کیا ہے۔ فرقہ دوم میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ حضرت نوحؑ کی شریعت پر عمل کرتے تھے۔ بعض شریعت ابراہیمؑ کہتے ہیں۔ بعض جناب موسیٰؑ کی شریعت اور

بعض حضرت عیسیٰؑ کی شریعت پر عمل پیرا ہونا کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ تمام شریعتوں پر عمل کرتے تھے۔ لیکن میرے نزدیک یہ ہے کہ بعثت کے بعد آنحضرتؐ اپنی شرع کے علاوہ کسی دوسرے کی شریعت پر عمل نہیں کرتے تھے۔ اور آنحضرتؐ کی شریعت تمام شریعتوں کی ناسخ تھی لہٰذا آپ سے جس امر کے بارے میں لوگ سوال کرتے تھے۔ جب تک وحی نازل نہیں ہوتی تھی آپ جواب نہ دیتے تھے اور کسی امر میں سابقہ کتابوں سے متمسک نہیں ہوتے تھے اور زناکار کے بارے میں سنگساری کا حکم جو توریت سے حضرت نے بتایا تھا یہودیوں پر حجت کے لیے تھا اور اُن کے قول (انکار) کو جھٹلانے کی غرض سے تھا اور اُن کی کتابوں پر اپنے علم کا اظہار تھا اور جن آیتوں سے انبیاء کی متابعت کا اظہار ہوتا ہے وہ اصولِ دین میں ہے جو تمام دینوں میں متفق علیہ ہے۔ اور تبلیغ رسالت میں ان کی موافقت اور امور شاقہ میں تحمل وصبر کے بارے میں ہے۔ لیکن بعثت سے پہلے بہت سی دلیلیں ہیں کہ آنحضرتؐ عبادات میں اور مکارم اخلاق میں تتبع اور محرمات سے پرہیز اور برائیوں کے آداب میں ہر شخص سے زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔ کیسے ممکن ہے کہ تمام خلق سنِ بلوغ میں شرائع میں مکلّف ہوتے ہیں۔ اور خدا کی عبادت کرتے ہیں اور جو اشرف مخلوقات ہو چالیس سال تک کسی عبادت کا مطلق مکلّف نہ ہو اور اپنے دین کا راستہ نہ جانتا ہو۔ باوجودیکہ اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ طرح طرح سے عبادت کرتے تھے اور ہجرت سے پہلے پوشیدہ طور سے بیس حج بجالائے تھے اور آدابِ حسنہ مثل تسبیح وتحمید وتسلیم کے اور ترک محرمات ومکروہات اور روزہ اور انواع عبادات آنحضرتؐ سے صادر ہوتے تھے اور نہیں ممکن ہے کہ یہ سب دوسروں کی شریعت کی متابعت میں بجالائے ہوں۔ کئی وجہوں سے ایسا ممکن نہیں ہے۔

پہلی وجہ : اگر دوسرے پیغمبر کی شریعت پر عمل کرتے تو اس کی رعایا میں سے ہوتے۔ پھر اس پیغمبر کو آپ سے افضل ہونا چاہیئے تھا اور یہ ضروریاتِ دین کے خلاف ہے۔

دوسری وجہ : یہ کہ چاہیئے کہ اُس پیغمبر کی شریعت جانتے ہوں تاکہ اُس کی شرع پر عمل کریں۔ اگر وحی کے ذریعے سے جانا تو پیغمبر ہوئے اور اپنی شریعت پر عمل کیا جو دوسرے پیغمبر کی شریعت کے موافق ہوگی۔ اگر بغیر وحی کے جانا تو چاہیئے کہ اُن کے علماء سے اخذ کیا ہو اور آپ کے معجزوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ لکھتے پڑھتے نہ تھے اور علمائے کتاب کے ساتھ رہتے نہ تھے اور انبیاء کے حالات جس طرح ان کی کتابوں میں تھے بیان کیا تو کس طرح اُن سے حاصل کیا۔ ایضاً۔ اُس زمانہ میں اکثر علمائے اہلِ کتاب فاسق وفاجر تھے تو کس طرح اُن کے کہنے پر اعتماد کیا جاسکتا تھا۔

تیسری وجہ : یہ کہ بہت سی حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ دُنیا میں کوئی زمانہ حجتِ خدا سے خالی نہیں ہوتا اگر جنابِ رسولِ خدا تکلیف کی ابتداء میں پیغمبر نہ تھے تو چاہیئے کہ وصیٔ عیسیٰؑ یا

وصئ ابراہیمؑ کی پیروی کریں اور اُن پہ ایمان لائیں اور اُن کے تابع ہوں لہٰذا چاہیئے کہ اس بات
کو اکثر اہلِ مکہ جانتے ہوں اور بیان کیا ہو قطع نظر اس کے لازم آتا ہے کہ آنحضرتؐ کا مرتبہ اس وصی
سے پست ہو۔ حالانکہ تمام خلق پر آنحضرتؐ کی افضلیت دینِ اسلام کی ضروریات سے ہے۔ لہٰذا ہم
کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی پیغمبری ہمیشہ سے رہی ہے اور ہمیشہ حضرت وحی و الہام الٰہی کے ذریعہ
سے اپنی شریعت پر عمل فرماتے تھے۔ اور چالیس سال کے بعد رسول ہوئے اور مامور ہوئے کہ
لوگوں کو خدا کی جانب دعوت دیں۔ اس کی کئی وجہیں ہیں۔ (پہلی وجہ) یہ کہ خاصہ و عامہ نے
خود آنحضرتؐ سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اُس وقت پیغمبر تھا۔ جبکہ آدمؑ آب و
گل کے درمیان تھے۔ بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں کہ رُوحِ آنحضرتؐ کو عالمِ ارواح میں انبیاء
کی رُوحوں پر مبعوث کیا اور سب آپؐ پر ایمان لائے اور فرشتوں نے خدا کی تسبیح و تقدیس حضرت
اور آپ کے اہلبیتؑ سے سیکھی۔ (دوسری وجہ) یہ کہ امیرالمومنین علیہ السّلام نے خطبۂ قاصعیہ
میں فرمایا کہ خداوندِ عالم نے اپنے پیغمبرؐ کے ساتھ ایک سب سے بڑے فرشتے کو کیا تھا جب کہ
آنحضرتؐ کا دُودھ چھوڑایا گیا تھا۔ وہ فرشتہ آپ کو مکارم افعال اور محاسن اخلاق کے راستہ کی
شب و روز رہنمائی کرتا تھا۔ یہی پیغمبری کے معنی ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت اپنے دین کے
طریقے فرشتے سے حاصل کرتے تھے۔ (تیسری وجہ) یہ کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے کہ
خداوندتعالیٰ نے جنابِ ابراہیمؑ کو اپنا بندۂ خاص قرار دیا، قبل اس کے کہ ان کو پیغمبر قرار دے۔
اور پیغمبر بنایا، قبل اس کے کہ اُن کو رسول بنائے۔ اور رسول قرار دیا، قبل اس کے کہ اُن کو خلیل قرار
دے اور خلیل قرار دیا، قبل اس کے کہ اُن کو امام بنائے۔ اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ نبی وہ ہے
جو خواب میں دیکھتا ہے، جیسے خواب ابراہیمؑ اور جیسے کہ آنحضرتؐ اسباب پیغمبری دیکھتے تھے،
قبل اس کے کہ جبرئیلؑ رسالت کی وحی اُن کے لیے لائیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ پیغمبری رسالت سے ہوئی۔
(چوتھی وجہ) بہت سی صحیح حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ رسولِ خدا اور ائمہ ہدیٰ صلوات اللہ علیہم
ابتدائے عمر سے آخر عمر تک روح القدس سے تائید یافتہ تھے۔ جو ان کو تعلیم دیتی اور صحیح راستہ
پر قائم رکھتی اور سہو و نسیان و خطا سے محفوظ رکھتی تھی۔ (پانچویں وجہ) قرآن اور احادیث معتبرہ
کی نص سے ثابت ہے کہ حضرت رسولِ خدا افضل انبیاء ہیں اور ہر فضیلت و کرامت جو دوسرے
پیغمبروں کو دی گئی ہیں آنحضرتؐ کو اُن سب سے زیادہ کرامات ہوئی ہیں۔ کیسے ممکن ہے کہ حضرت
عیسیٰ علیہ السّلام گہوارہ میں پیغمبر ہوں اور حضرت یحییٰؑ بچپن میں شرفِ نبوت سے فائز ہوں اور
جنابِ رسولِ خدا باوجود اس قدر بلندئ مرتبت کے چالیس سال تک خلعت نبوت سے محروم رہیں
ایضاً بہت سی حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ ائمہ صلوات اللہ علیہم وقتِ طفولیت میں بلکہ ولادت کے

وقت اُن سے آثار علم و کمال ظاہر ہوتا تھا اور حضرت قائم علیہ السّلام نے بچپن میں اپنے پدر بزرگوار کی گود میں مشکل اور مبہم مسائل کا جواب دیا اور حضرت جواد علیہ السّلام نے نو سال کی عمر میں تین روز میں تیس ہزار مشکل مسائل کو حل کیا اور نہایت واضح طور پر بیان فرمایا تو کیسے ہو سکتا ہے کہ جناب رسالتؐ مآب اُن سے کمتر ہوں ۔ (چھٹی وجہ) اس میں اختلاف ہے کہ حضرت اقدس الٰہی نے آنحضرتؐ کا نام امّی کیوں رکھا ہے ۔ اکثر لوگوں نے کہا ہے کہ یہ اس سبب سے تھا کہ آنحضرتؐ پڑھتے لکھتے نہ تھے اور حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ حضرت کا اُمّی نام ام القریٰ کی نسبت سے وارد ہوا ہے جو مکّہ مشرفہ میں ہے اور اس میں اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرتؐ نے بعثت سے پہلے کسی سے لکھنے پڑھنے کی تعلیم نہیں حاصل کی تھی ۔ چنانچہ قرآنی نص اس پر دلالت کرتی ہے ۔ اختلاف اس میں ہے کہ بعثت کے بعد حضرت لکھ پڑھ سکتے تھے یا نہیں حق یہ ہے کہ آپ اس پر قادر تھے چنانچہ وحی الٰہی کے ذریعے ہر چیز کو جانتے تھے اور بقدرت خدا جن کاموں سے دوسرے عاجز تھے حضرت کر سکتے تھے لیکن مصلحتاً خود نہیں لکھتے تھے اور خدا کی وحی کو دوسروں سے لکھواتے تھے اور زیادہ تر دوسروں کو خطوط پڑھنے کے لیے فرماتے تھے ۔ اور حضرت صادقؑ سے منقول ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خط پڑھتے تھے اور لکھتے نہ تھے اور بسند معتبر منقول ہے کہ ایک شخص نے امام محمد تقیؑ سے پوچھا کہ کیوں جناب رسولؐ خدا کو امّی کہا گیا ۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ غیر کیا کہتے ہیں ۔ عرض کی کہتے ہیں کہ کچھ لکھ نہ سکتے تھے ۔ فرمایا کہ جھوٹ کہتے ہیں اُن پر خُدا کی لعنت ہو خدا کی قسم آنحضرت بہتر زبانوں میں پڑھتے اور لکھتے تھے ۔ بلکہ خدا نے ان کو امّی اس لیے کہا کہ حضرت اہلِ مکّہ سے تھے اور مکّہ کا ایک نام امّ القریٰ ہے ۔

دوم ۔ آنحضرتؐ کے بہت سے خصوصیات تھے جن میں دوسرے شریک نہ تھے ۔ پہلی خصوصیّت یہ کہ نمازِ شب و نمازِ وتر آنحضرتؐ پر واجب تھی ۔ (دوسری خصوصیّت) آنحضرتؐ پر قُربانی واجب تھی ۔ (تیسری خصوصیّت) بعضوں نے کہا کہ مسواک کرنا حضرت پر واجب تھا ۔ (چوتھی خصوصیت) اصحاب سے مشورہ کرنا بعضوں نے کہا ہے کہ واجب تھا ۔ (پانچویں خصوصیت) ہر برائی جو مُلاحظہ فرماتے ضرور اُس سے انکار کرتے ۔ (چھٹی خصوصیت) عورتوں کو اختیار دینا جو کتاب طلاق میں مذکور ہے ۔ (ساتویں خصوصیّت) زکوٰۃ واجب کا آنحضرتؐ اور آپ کی ذرّیّت پر حرام ہونا اور زکوٰۃ سنّت و صدقات کی حرمت میں اختلاف ہے ۔ (آٹھویں خصوصیّت) اُس شخص کے قرض کا ادا کرنا واجب تھا جو مرجائے اور فقیر ہو ۔ (نویں خصوصیّت) کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کو لہسن و پیاز سے رغبت نہ تھی ۔ بعضوں نے کہا ہے کہ حضرت پر وہ چیزیں حرام تھیں ۔ (دسویں خصوصیت) یہ کہ پہلو پر تکیہ کرکے کھانا پسند نہ فرماتے تھے ۔ بعضوں نے کہا ہے کہ اس طرح کھانا حضرت پر حرام تھا ۔ (گیارھویں خصوصیت)

بعضوں نے کہا کہ خط لکھنا اور شعر کہنا حضرتؐ پر حرام تھا۔ (اور یہ) ثابت نہیں ہے۔ (بارھویں خصوصیت) روزہ میں وصال آنحضرتؐ کے لیے جائز تھا۔ اور دوسروں پر حرام تھا۔ وصال اُس کو کہتے ہیں کہ دو روزوں کے درمیان افطار نہ کرے یا افطار کرنا سحر تک بالقصد ملتوی رکھے۔ (تیرھویں خصوصیت) آنحضرتؐ کے لیے دائمی عقد چار سے زیادہ عورتوں سے جائز تھا اور دوسروں پر حرام (چودھویں خصوصیت) آنحضرتؐ کے لیے وہ عورت بغیر نکاح حلال تھی جو اپنا نفس آپ کو بخش دے (پندرھویں خصوصیت) آنحضرتؐ کی عورتیں دوسروں پر آپ کی حیات و ممات دونوں حالتوں میں حرام تھیں خواہ آپ نے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ (سولھویں خصوصیت) حرام تھا کہ آنحضرتؐ کو آپ کا نام لے کر پکاریں کہ یا محمدؐ اور یا احمدؐ کہیں اور خداوند عالم نے بھی قرآن مجید میں کسی جگہ آنحضرتؐ کا نام لے کر نہیں پکارا ہے۔ بلکہ یا ایہا النبی اور یا ایہا الرسول اور یا ایہا المزمل اور یا ایہا المدثر فرمایا ہے۔ (سترھویں خصوصیت) لوگوں کے لیے حرام تھا کہ بات کرنے میں آنحضرتؐ کی آواز سے اپنی آواز بلند کریں۔ (اٹھارھویں خصوصیت) لوگوں پر حرام تھا کہ آپ کو حجروں کے پیچھے سے آواز دیں۔ ان کے علاوہ دوسرے خصوصیات بھی ذکر کیے گئے ہیں جو میرے نزدیک ثابت نہیں ہیں۔ اور اس رسالہ میں ذکر کے قابل نہیں ہیں اور نہ مناسب ہے۔ حیات القلوب میں اگر چاہیں ملاحظہ کریں

پانچواں باب

امامت کا بیان

امام سے مراد وُہ شخص ہے جو اُمت کا دین و دُنیا کے تمام امور میں مقتدا اور پیشوا ہو جس طرح پیغمبر عمل کرتے تھے پیغمبر کی نیابت و جانشینی کی حیثیت سے نہ کہ استقلال کی صورت سے اور اس میں چند مقصد ہیں۔

پہلا مقصد نصب امام کا واجب ہونا۔ واضح ہو کہ اُمت نے اختلاف کیا ہے اس میں کہ امام کا اُسی معنی میں جو مذکور ہوا نصب کرنا ضروری اور واجب ہے یا نہیں۔ اور واجب ہونے کی صورت میں خدا پر واجب ہے یا امت پر؟ نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس کے وجوب پر عقل حکم کرتی ہے یا شرع سے معلوم ہوا ہے اُن کے اختلاف کے ذکر سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ جس پر فرقہ ناجیہ نے اتفاق کیا ہے یہ ہے کہ عقلاً و سمعاً امام کا نصب کرنا خدا پر واجب ہے۔

چند عقلی وجوہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

پہلی وجہ - ہر وہ دلیل جو انبیاء کے بھیجنے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے نصب امام پر بھی دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ معلوم ہے کہ لوگوں کو ان کے دین و دُنیا کے امور کے انتظام کے لیے ایک رئیس اور سرکردہ کا ہونا ضروری ہے، جو مختلف امور میں اُن کو راہِ راست کی ہدایت کرے اور ان کی معاشرت میں ضرورةً جو نزاع، جھگڑے اور فسادات پیدا ہوں اُن کو حق و انصاف کے ساتھ طے کرے۔ تمام عقلیں اس معنی پر متفق ہیں اور ایسا شخص یا نبی ہے یا امام ہے جو اُس کا جانشین ہے خصوصاً جناب رسولِ خدا کے بعد جو خاتمِ پیغمبراں ہیں کسی دوسرے پیغمبر کی بعثت کی اُمید نہیں ہے۔

دوسری وجہ - یہ کہ نصب امام لطف ہے اور لطف خدا پر عقلاً واجب ہے، نیز اصلح خدا پر واجب ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ بندوں کے لیے تمام احوال میں اور وجوہ کے زمانہ سے اصلح ایک رئیس و حاکم ہے جس کے اختیار میں مطلقاً اُن کا دین و دُنیا ہو اور ایسا رئیس یا پیغمبر ہے یا امام جس زمانہ میں کہ پیغمبر نہ ہو اُن کے تمام حالات امام پر منحصر ہیں۔

تیسری وجہ - یہ کہ بعثتِ رسولؐ انہی حضرتؐ کے زمانہ تک مخصوص و محدود نہ تھی۔ بلکہ حضرتؐ تمام خلق پر قیامت تک کے لیے مبعوث ہوئے ہیں اور ان کے لیے ایک کتاب لائے۔ اور ایک شریعت خدا کی جانب سے مقرر ہوئی اور ہر امر میں یہاں تک کہ کھانے پینے اور جماع کرنے اور بیت الخلا جانے کے آداب و طریقے اُن کے لیے مقرر کیے اور فرائض اور وراثت اور مقدمات و معاملات میں احکام واقعہ حقہ وحیِ الٰہی کے ذریعہ مقرر کیے اور آنحضرتؐ کی مدت بعثت قلیل مدت تھی۔ اور اس مدت میں بظاہر قلیل جماعت نے اسلام کا اقرار کیا اور ان میں بہت سے باطن میں منافق تھے، پھر کون عاقل یہ تجویز کرتا ہے کہ خدا اور رسول ایسے امرِ عظیم کو ناتمام چھوڑ دیں گے۔ اور اس شریعت اور ملت اور کتاب و سنت کا جو کذب و سہو و تبدل سے محفوظ و مصئون ہیں کوئی محافظ نہ مقرر کریں گے اور مجمل امرِ مبہم اور ظاہر و باطن مطالب کی حامل کتاب ان میں چھوڑ دیں گے جبکہ ابھی اس کتاب کی ترتیب اور وہ جمع بھی نہ ہوئی ہو، اور جو کچھ اس میں ہو انتہائی اجمال کے ساتھ ہو کہ جو جس طرح چاہے سمجھے اور کسی کو اُس کا مفسر نہ معین کیا ہو۔ یا یہ کہ ہزاروں احکام میں سے ایک ضروری حکم ظاہر میں اس میں نہ ہو۔ اور احادیث سُنت میں نہایت اختلاف و تشویش ہو اور چند نومسلموں کو جن میں سے ہر ایک فاسد غرضیں رکھتا ہو امت کا امیر قرار دیں جو جس باطل امر کو چاہیں اپنے لیے معین کریں اور وہ باطل پرداز ناواقف ہر امر میں صحابہ کو جمع کر کے اور خود دلدل میں پھنسے ہوئے گدھے کے مانند ہو اور اس سے اور اُس سے دریافت کرے تاکہ اپنے باطل اغراض کے مطابق ایک کو ترجیح دے۔ جو شخص تھوڑی عقل بھی رکھتا ہے ایسے امرِ شنیع کو خُدا اور رسُول کے لیے جائز نہیں

قرار دیتا۔ اور خداوند تعالیٰ باوجود اُس رافت و رحمت کے جو بندوں کے ساتھ خصوصاً اس امت کے ساتھ رکھتا ہے اور پیغمبرؐ باوجود اس مہربانی اور شفقت کے جو امت سے ہے، کس طرح ایسی حیران کن اور گمراہی کا باعث ان کے لیے ہوں گے۔ ایسا بزرگ پیغمبر جس نے وہ تمام اذیتیں اور تکلیفیں اپنے بدن شریف اور روحِ اقدس پر اُمت کی ہدایت کے لیے برداشت کیں کیسے ممکن ہے کہ اُس نے یکبارگی ہاتھ اُن سے اُٹھالیا اور کوئی رئیس اُن کے لیے قرار نہ دیا۔ حالانکہ ایک دہقان جب گاؤں میں بیمار ہوتا ہے تو اپنی رعایا اور زمین کے لیے کسی ایک شخص کو مقرر کرتا ہے اور اُن کے بارے میں وصیت کرتا ہے اور کچھ قواعد و ضوابط اپنی متروکات کے لیے معین کرتا ہے۔ پیغمبرؐ آخر الزمان دُنیا سے جاتے ہیں اور کتاب و سنت اور اپنی رعایا اور اُمت کے لیے کسی کی تعیین نہیں کرتے۔ اگر اس بارے میں عقل حکم نہیں کرتی تو کسی بدیہی معاملہ میں حکم نہ کرے گی۔

چوتھی وجہ — یہ کہ مخالفین بھی معترف ہیں کہ آدمؑ سے خاتمؐ تک تمام انبیاء کے ساتھ خدا کا یہی طریقہ اور معمول رہا ہے۔ جب تک اُن کے لیے اُن کا خلیفہ مقرر نہیں کرتا تھا۔ وہ دنیا سے رحلت نہیں فرماتے تھے۔ اور سُنت جناب رسالت مآبؐ تمام غزوات اور جزوی سفروں میں جبکہ حضرت مدینہ منورہ سے فرماتے تھے یہ تھی کہ کسی کو رئیس اور اپنا خلیفہ مقرر فرماتے اور تمام اسلامی شہروں اور قریوں میں بھی یقیناً خود حاکم مقرر فرماتے تھے۔ اور اُن کے معاملہ کو انہی پر نہیں چھوڑتے تھے۔ لہٰذا ایسی لامتناہی جدائی اور لا انتہا سفر میں اُن کے حالات کو بیکار اور معطل کیسے چھوڑ دیا۔

پانچویں وجہ — امامت کا مرتبہ جیساکہ آپ کو معلوم ہوا منصب جلیل نبوت کے مثل ہے اگر امام کو لوگ اختیار کر سکتے تو نبی کو بھی اختیار کر سکتے ہیں اور یہ بالاتفاق باطل ہے۔ ایضاً عام بندوں کی مصلحتوں کے بارے میں امت کی ناقص عقل کب حکم کر سکتی ہے۔ صاحب تدبیر عقلاء بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو کسی شہر یا حکومت کے انتظام کے لیے مقرر کرتے ہیں اور تھوڑی مدت میں ظاہر ہوتا ہے کہ غلطی کی ہے اور اس کو بدل دیتے ہیں لہٰذا عام مخلوق کی دین و دنیا کی ریاست و حکومت کے لیے لوگوں کی عقلیں کیونکر وفا کر سکتی ہیں۔ ایضاً اس عہدہ کے لیے عصمت شرط ہے جیساکہ معلوم ہوگا اور کوئی شخص سوائے خدا تعالیٰ کے اس پر مطلع نہیں ہو سکتا۔ اس بارے میں عقلی دلیلیں بہت ہیں۔ جن کی گنجائش اس رسالہ میں نہیں ہے۔ لیکن جو آیتیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ امام خدا کی جانب سے منصوب ہوتا ہے۔ ان میں چند آیتوں کے ذکر پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔ آیۃ وافی ہدایہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی یعنی آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کیا اور تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ امام ارکانِ دین میں سب سے بڑی نعمت ہے اور کوئی نعمت اُمت کی دنیا و دین کی بہتری کے لیے امام سے بڑھ کر نہیں ہے۔ لہٰذا

چاہیئے کہ خداوندِ عالم نے اُمّت کے لیے امام نصب کیا ہو باوجود اس کے احادیث مستفیضہ جو عامہ وخاصہ کے طریقوں سے وارد ہوئی ہیں کہ یہ آیۂ شریفہ امیرالمومنینؑ کو امام و حاکم امت غدیر خم میں مقرّر کرنے کے بعد نازل ہُوا۔

دوسری دلیل — اِس آیہ کریمہ کے بارے میں وقالوا لولا نزل هذا القران علی رجل من القریتین عظیم اهم یقسمون رحمة ربك نحن قسمنا بینهم معیشتهم فی الحیوة الدنیا ورفعنا بعضهم فوق بعض درجات لیتخذ بعضهم بعضا سخریا ورحمة ربك خیر مما یجمعون ۔ مفسران خاصہ وعامہ نے کہا ہے کہ بعض کفارِ قریش کہتے تھے کہ یہ قرآن کیوں نہ دو بڑے رئیس مردوں پر جو اہلِ مکّہ و طائف سے ہیں نازل ہوا جیسے ولید بن مغیرہ جو مکّہ میں تھا اور عروہ بن مسعود جو طائف میں تھا۔ ان دونوں کے پاس بہت دولت اور باغات وغیرہ تھے۔ خداوندِ عالم نے ان کے باطل قول کی ردمیں فرمایا کہ کیا وہ تمھارے پروردگار کی رحمت تقسیم کرتے ہیں یعنی تمھاری پیغمبری کو جس کو چاہیں دیں۔ ہم نے ان کو دنیاوی زندگی میں ان کی معیشت میں بعض سے بعض کو دنیاوی حیثیت سے بہت سے درجوں میں بلند کیا ہے تاکہ ایک دوسرے کے محتاج رہیں تاکہ ان میں سے بعض بعض کو اپنے کام میں لگائے رکھیں۔ اس سبب سے احوال عالم منظم ہو۔ حالانکہ تمھارے پروردگار کی رحمت دنیا کے فانی اموال سے جو کچھ وہ جمع کرتے ہیں بہتر ہے یعنی جبکہ دنیاوی اموال و زیورات جن کی ہمارے نزدیک کوئی قدر و منزلت نہیں۔ ان کی تقسیم ہم نے ان پر نہیں چھوڑی۔ بلکہ خود تقسیم کرتے ہیں تو نبوّت کو باوجود شان کی اس بلندی کے کیسے ان کے اختیار میں چھوڑ دیں اور جبکہ تم کو معلوم ہو چکا کہ مرتبۂ نبوّت مثل مرتبۂ امامت کے ہے اور نبوّت کے بعد کوئی نعمت امامت تک نہیں پہنچتی لہٰذا چاہیئے کہ اس کو بھی لوگوں کے اختیار میں نہ چھوڑے اور خود نصب و تعین فرمائے اور یہ مطلب اس آیہ کریمہ سے نہایت واضح ہے اگر تعصب وعناد کی پرآشوبی مخالفین کی آنکھوں میں نہ ہو۔

تیسری دلیل ۔ خداوندِ عالم فرماتا ہے کہ وربك یخلق مایشاء ویختار ماکان لهم الخیرة سبحان الله عما یشرکون؛ یعنی تمھارا پروردگار جو چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اختیار کرتا ہے اور ان کو (مخلوق کو) کوئی اختیار نہیں ہے۔ اور خدا پاک ہے اُس سے جو وہ لوگ اس کا شریک قرار دیتے ہیں۔ اس آیت کی دلالت بھی ظاہر ہے —— کہ دین و دنیا کے لیے اختیار کرنا خدا کے قبضہ میں ہے نہ کہ خلق کے اختیار میں۔ عامہ کے مفسروں نے روایت کی ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کی رد میں نازل ہوئی ہے جو کہتے تھے کہ کیوں خدا نے دوسرے کو پیغمبری نہ دی۔

چوتھی دلیل ۔ بہت سی آیتیں ہیں جو اِس پر دلالت کرتی ہیں کہ خدا نے تمام چیزوں کو قرآن میں

بیان فرمایا ہے جیسے ما فرطنا فی الکتب من شیٔ یعنی کتاب (قرآن) میں کسی شئے کو چھوڑا نہیں ہے۔ وکل شیٔ فصّلنا تفصیلا ہر چیز کی تفصیل کردی جو تفصیل کا حق ہے ولا رطب ولا یابس الّا فی کتاب مبین اور کوئی خشک و تر نہیں جو ظاہر کرنے والی کتاب میں نہ ہو۔ لہٰذا جب خداوندِ عالم نے قرآن مجید میں سب چیزوں کو بیان فرمایا ہو تو کیسے ممکن ہے کہ تعین امام کو جو اہم امور ہے نہ بیان فرمایا ہوگا۔

پانچویں دلیل ـ فرمایا ہے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم یعنی خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی، اور ان کی اطاعت کرو جو تم میں صاحبانِ امر ہیں۔ تو جس طرح خدا و رسول کی اطاعت عام ہے چاہیے اولی الامر کی اطاعت بھی عام ہو اور یہ معلوم ہے کہ خداوندِ عالم ہر صاحب امر و ہر صاحب حکم کی ہر معاملہ میں اطاعت کا حکم نہیں کرتا ہے۔ لہٰذا چاہئے کہ اولی الامر بھی مثل رسول ہو جس سے غلطی و خطا جھوٹ و گناہ اور سہو نہ صادر ہو۔ ورنہ لازم آئے گا کہ حق تعالیٰ لوگوں کو ان باتوں کا حکم دیتا ہے جس سے منع کیا ہے اور ایسا شخص امام ہو جس کو حق تعالیٰ نے نصب کیا ہو اور وہ معصوم ہو۔ اور بالاتفاق سوائے ائمہ اثنا عشر کے اس شان کا کوئی نہیں ہے۔

دوسرا مقصد

شرائط امامت کا بیان۔ قول متکلمین کی بنا پر مشہور یہ ہے امامت کی تین شرطیں ہیں۔

پہلی شرط ـ یہ کہ چاہیئے کہ امام ہر حیثیت سے تمام امت سے افضل ہو خاص کر علم میں ورنہ تفصیل مفضول اور ترجیح مرجوح لازم آئے گی۔ اور یہ عقلاً قبیح ہے۔ ایضاً حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ افمن یھدی الی الحق ان یتبع امن لا یھدی الا ان یھدی فما لکم کیف تحکمون یعنی جو شخص کہ خدا تعالیٰ کی جانب ہدایت کرتا ہے زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی لوگ کریں یا وہ جو خود ہدایت یافتہ نہیں ہے اور دوسرے لوگ اس کی ہدایت کریں تو تم کو کیا ہو گیا ہے کہ نہیں سمجھتے اور عدم افضلیت امام کا تم کیسے حکم کرتے ہو۔ پھر فرمایا ہے کہ ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون انما یتذکر اولوا الالباب یعنی کیا باہم برابر ہیں جو صاحب علم و رائے ہیں اور وہ جو صاحب علم نہیں ہیں نصیحت تو بس صاحبانِ عقل ہی حاصل کرتے ہیں۔ ایضاً فرماتا ہے فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون یعنی دریافت کرو۔ اہل علم اور اہل قرآن سے اگر تم نہیں جانتے۔ اور جب حق تعالیٰ نے فرشتوں سے خطاب کیا انی جاعل فی الارض خلیفۃ یقیناً میں چاہتا ہوں کہ زمین میں (اپنا) خلیفہ و جانشین قرار دوں۔ یہ سن کر فرشتوں نے کہا کیا تو ایسے شخص کو قرار دے گا جو زمین میں فساد برپا کرے، اور لوگوں کا خون بہائے اور ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ پھر خدا نے آدمؑ کو اسماء تعلیم کئے اور اس کے ذریعہ سے فرشتوں پر حجت تمام کی کہ چونکہ وہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے اس لیے خلافت کا زیادہ سزاوار ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ اعلم ہونا

خلافت کے حق کا باعث ہے۔ ایضاً اور جب بنی اسرائیل نے طالوت کی بادشاہی قبول نہیں کی تو خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اس کو علم و جسم میں زیادتی دی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ معیارِ ریاست و بادشاہی علم و شجاعت ہے کیونکہ جسم کی زیادتی قوت و شجاعت ہوتی ہے نہ کہ جسم کا بڑا اور بھاری ہونا شرط ہے۔

دوسری شرط۔ امامت کی شرائط سے عصمت ہے اور اجماع علمائے امامیہ اس پر منعقد ہے کہ امام بھی مثلِ پیغمبر ابتدائے عمر سے آخر عمر تک تمام صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے پاک و معصوم ہوتا ہے اور اس مضمون پر احادیثِ متواترہ بہت ہیں۔ ایضاً امام لوگوں کے دین و دنیا پر خدا کا امین ہوتا ہے تو اگر خود خدا کے احکام میں خیانت کرے تو کیا وہ قابلِ امامت ہوگا۔ (ہرگز نہیں) بلکہ بقولِ خدا قابلِ ملامت ہوگا۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب افلا تعقلون یعنی کیا تم لوگوں کو تو نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنی ذات کو بھول جاتے ہو باوجودیکہ کتابِ خدا کی تلاوت کرتے ہو کیا عقل نہیں رکھتے ہو اور اس بات کی قباحت نہیں سمجھتے۔ پھر فرمایا ہے کہ اے مومنین کیوں ایسی بات کہتے ہو جس کو خود نہیں کرتے۔ حق تعالیٰ اس بات کو بہت دشمن رکھتا ہے کہ وہ بات کہتے ہو جو خود نہیں کرتے اور ظاہر ہے کہ جو شخص ان ملامتوں کا مستحق ہو قابلِ خلافت و امامت نہیں ہے۔ ایضاً۔ جب خدا نے جنابِ ابراہیمؑ سے خطاب کیا کہ میں نے تم کو لوگوں کا امام بنایا۔ جنابِ خلیل خدا کی اس عطا و بخشش سے بہت خوش ہوئے اور اپنی اولاد کے لیے بھی یہ عہدہ طلب کیا اور کہا کہ میری ذریت میں سے بھی امام قرار دے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا۔ لاینال عہدی الظالمین یعنی امامت کا میرا عہد ظالموں اور گناہ کرنے والوں کو نہیں پہنچے گا۔ جو اپنے نفس پر ظلم کرتا اور اپنی عمر کے اوقات میں گناہ کرتا ہے۔ اُس پر (ظلم) صادق ہوگا۔ کہ عہد امامت اُس کو نہیں پہنچے گا۔ **ایضاً**۔ سب سے بہتر فائدہ نصبِ امام کا یہ ہے کہ وہ شریعت کی حفاظت کرتا ہے اور محافظِ شریعت ہوتا ہے اور جب گناہ اور معصیت اس کے لیے جائز ہوگی تو دوسرا امام چاہیے کہ اس کو معصیت سے منع کرے اور جو خطا اُس سے سرزد ہوئی ہے اُس سے زائل کرے تو وُہی امامِ کل ہوگا نہ کہ پہلا خاطی امام **ایضاً**۔ اُمت پر واجب ہے کہ امام کی قول و فعل میں اطاعت کرے جیسا کہ آیۂ اولی الامر سے معلوم ہوا۔ اگر وہ معصیت کا حکم دے اور اُمت اطاعت نہ کرے تو ایک امر چاہیئے کہ واجب بھی ہو اور حرام بھی ہو۔ **ایضاً**۔ آئمہ پر منکر کی ممانعت کرنا واجب ہے اب اگر عوام امرِ منکر کو انجام دیں تو امام کی اطاعت و رعایت کے ساتھ ساتھ مخالفت بھی ہوگی اور اگر امام منکر کی ممانعت نہ کریں تو ایک امرِ واجب کے ترک کے مرتکب ہونگے اور اگر امام کی اطاعت صرف حلال میں ہے اور امام نہی عن المنکر نہیں کرتا تو ضروری ہے کہ ان کا امام کوئی دوسرا بھی ہو جس سے وہ حلال و حرام کے احکام اخذ کریں۔ اس صورت میں دو امام کے محتاج ہوں گے اگر وہ بھی معصوم نہ ہو تو دوسرے امام کے محتاج ہوں گے لہٰذا یا تو

تسلسل لازم آئے گا یا امام معصوم پر انتہا ہوگی اور یہ دلیل کئی دلیلوں کی طرف پلٹتی ہے اور غور و فکر سے معلوم ہوگی۔

تیسری شرط۔ امامت کی شرائط میں سے امامیہ کے نزدیک امام کا ہاشمی ہونا ہے اور وہ اُن نصوص کے سبب جو ائمہ میں سے ہر ایک کے لیے خاص طور سے وارد ہوئے ہیں معلوم ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ اور مخالفین ان تینوں شرطوں میں سے کسی ایک کے قائل نہیں ہیں اور ان تین صفتوں کو متکلمین نے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ چاہیئے کہ جو صفتیں پیغمبروں کے لیے مذکور ہوئیں اس میں موجود ہوں اسی کے ساتھ شبہ اُس کے نسب میں نہ ہو۔ اور اُن کی ماں غیر عفیفہ نہ ہو، اور جو عیوب خلق کی نفرت کا باعث ہیں اُن سے وہ مبرا ہو جیسے خورہ، برص، اندھا ہونا، گونگا ہونا، بدمزاجی، کج خلقی، بخل، نفس کی دنایت و دنایت پیشہ جیسے حجامی وغیرہ اور ایسے افعال جو عقل کی کمزوری پر دلالت کرتے ہوں۔

اور سلطان المحققین نصیر الملۃ والدین رحمہ اللہ نے اپنے کسی رسالہ میں لکھا ہے کہ امامؑ میں آٹھ شرطیں معتبر ہیں۔ (شرطِ اول) صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے اس کا معصوم ہونا۔ ان میں سے بعض مذکور ہوئے۔ (دوسری شرط) یہ کہ وہ عالم ہو اُن تمام امور کا جن کی امامت میں احتیاج ہوتی ہے۔ جیسے علوم دینی و دنیوی مثل احکام شرعیہ، سیاست مدینہ، آداب حسنہ دشمنانِ دین کا دفع کرنا اور ان کے شبہات کا برطرف کرنا۔ کیونکہ امامت کی غرض ان کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ (تیسری شرط) شجاعت دشمنوں اور فتنوں کو دفع کرنے، اہل باطل کو مغلوب کرنے اور حق کو غالب کرنے کے لیے بعض سپاہیوں کے برخلاف۔ اگر وہ جو سردار ہے بھاگ جائے دین میں نقصانِ عظیم پیدا ہو جائے گا۔ (چوتھی شرط) یہ کہ تمام صفاتِ کمال میں جیسے شجاعت، سخاوت، مروّت، کرم، علم اور جو کچھ صفاتِ کمال سے ہو ہر ایک میں اپنی تمام رعایا سے کامل تر ہو۔ ورنہ تفضیل مفضول لازم آئے گی اور عقلاً وہ قبیح ہے (پانچویں شرط) یہ کہ ان عیبوں سے پاک ہو جو لوگوں کی نفرت کا باعث ہے خواہ وہ خلقت میں ہو جیسے نابینا ہونا۔ خورہ اور برص وغیرہ، خواہ خُلق میں ہو۔ جیسے بخل، حرص، کج خلقی خواہ اصلیت میں جیسے نسب میں ذلیل ہونا ولد الزنا ہونا اور نسب میں متہم ہونا یا اس کے باپ دادا کے نسب میں کسی خرابی کا ہونا خواہ فرع میں ہو جیسے پست و ذلیل پیشہ ور ہونا کیونکہ یہ سب لطف کے منافی ہیں۔ (چھٹی شرط) یہ کہ خدا کے نزدیک اس کی قدر و منزلت تمام اشخاص سے زیادہ ہو۔ (ساتویں شرط) یہ کہ اُس سے معجزات ظاہر ہوں جن سے دوسرے لوگ عاجز ہوں تاکہ ضرورت کے وقت اس کی حقیقت کی دلیل ہوں۔ (آٹھویں شرط) یہ کہ اُس کی امامت عام ہو، اور اسی میں منحصر ہو۔ ورنہ رعایا کے درمیان فساد کا باعث ہوگا اور ان باتوں کا ثبوت یا جماع اور احادیث متواترہ سے بدرجہ اولیٰ ہے۔

تیسرا مقصد امام کے صفات و خصائص کا بیان جو احادیثِ معتبرہ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ہماری

حدیثوں میں بہت ہیں اور حیات القلوب میں مذکور ہیں۔ لیکن اس رسالہ میں بھی بعض کا ذکر کیا جاتا ہے۔ کلینی نے بسند معتبر امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ امام کی دس علامتیں ہیں۔ وہ پاکیزہ ناف بریدہ ختنہ شدہ پیدا ہوتا ہے (۲) جب ماں کے شکم سے زمین پر آتا ہے ہاتھوں کو زمین پر رکھ کر شہادتین زبان پر جاری کرتا ہے (۳) محتلم نہیں ہوتا (۴) جنابت کی نجاست اُس کو نہیں پہنچتی (۵) اُس کی آنکھیں سوتی ہیں مگر اس کا دل نہیں سوتا یعنی اُس حال میں جو کچھ واقع ہوتا ہے وہ جانتا ہے اور (۶) جمائی اور انگڑائی نہیں لیتا (۷) پشت سر سے بھی اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح سامنے سے دیکھتا ہے۔ (۸) فضلہ جو اُس سے جدا ہوتا ہے اُس سے بوئے مشک آتی ہے۔ زمین کو خدا نے موکل کیا ہے کہ اس کو اپنے اندر چھپا لیتی ہے (۹) جب حضرت رسالت مآبؐ کی زرہ پہنتا ہے اس کی قامت پر درست اور ٹھیک ہوتی ہے اور جب کوئی دوسرا پہنتا ہے تو ایک بالشت اُس کی قامت سے زیادہ ہوتی ہے اور (۱۰) فرشتہ اُس کے آخر ایام تک اُس سے گفتگو کرتا ہے۔

ابن بابویہ نے حضرت امام رضا علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ امام حکمت میں داناترین مردم ہوتا ہے اور حکمت اور امور کی گہرائی کے علم میں سب سے زیادہ ہوتا ہے اور پرہیز گار و بُرد بار، سخی، اور شجاع تمام لوگوں میں سب سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ اس کی عبادت سب سے بلند و زیادہ ہوتی ہے۔ اور اُس کے جسم کا سایہ نہیں ہوتا۔ شاید اس سے مُراد یہ ہو کہ سایہ کا نہ ہونا کبھی کبھی ہوتا ہے اور جناب رسولِ خدا کا سایہ کبھی نہ ہوتا تھا اور امام کے پیشاب و پاخانے کو کوئی نہیں دیکھتا جو کچھ خارج ہوتا ہے زمین اُس کو اندر چھپا لیتی ہے تاکہ لوگوں پر ظاہر نہ ہو اور اُس میں مُشک سے بہتر خوشبو ہوتی ہے۔ اور امام لوگوں کی جانوں سے اولیٰ ہوتا ہے کہ چاہیئے کہ لوگ اس کو اپنی ذات پر مقدم رکھیں اور ہر موقع پر اپنی جان اُس پر فدا کر دیں یا یہ کہ لوگ اس حالت کو بے اختیار اُس کی نسبت بہم پہنچائیں۔ وہ اُن پر اُن کے باپ ماں سے زیادہ شفیق اور مہربان ہوتا ہے۔ اور خدا کے سامنے اُس کی تواضع و فروتنی تمام لوگوں سے بہت زیادہ ہوتی ہے اور وہ لوگوں کو جس بات کا حکم دیتا ہے خود دوسروں سے زیادہ عمل کرتا ہے اور جن باتوں کی اُن کو ممانعت کرتا ہے خود دوسروں سے زیادہ اُس کے ترک میں اہتمام کرتا ہے۔ اس کی دعا مقبول و مستجاب ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر پہاڑ کے لیے دعا کرے تو وہ دو ٹکڑے ہو جائے۔ جناب رسولؐ خدا کے اسلحے اور حربے سب اُس کے پاس ہوتے ہیں خصوصاً شمشیر ذوالفقار جو آسمان سے نازل ہوئی تھی۔ اُس کے پاس ایک نوشتہ ہوتا ہے جس میں قیامت تک کے شیعیانِ اہل بیت کے نام لکھے ہوتے ہیں اور ایک نوشتہ اور بھی ہوتا ہے جس میں قیامت تک ہونے والے دُشمنوں کے نام تحریر ہوتے ہیں۔ اور امام کے پاس ایک جامعہ ہوتا ہے۔ وہ ایک خط ہے جس کی لمبائی ستر گز اور چوڑائی ایک گوسفند کے چمڑے کے برابر ہے جب لپیٹا جاتا ہے تو اُس کی موٹائی اونٹ کے ران کے برابر ہو جاتی ہے

اُس میں وہ تمام احکام درج ہیں کہ آدم کی اولاد جن کی محتاج ہوتی ہے اور اُس کے پاس جفرِ بزرگ و جفرِ خورد ہوتا ہے۔ ایک بکری کی کھال پر ہے اور دوسرا بھیڑ کی کھال پر۔ اُن میں احکامِ حدود وغیرہ درج ہیں یہاں تک کہ ایک خراش کا قصاص بھی مرقوم ہے جو کوئی شخص کسی کے بدن پر ڈالتا ہے اور ایسے گناہ بھی درج ہیں جن کی سزا ایک تازیانہ یا نصف تازیانہ یا تہائی تازیانہ ہے۔ اُس کو جنابِ رسولِ خدا نے ارشاد فرمایا اور امیرالمومنینؑ نے خود اپنے دستِ مبارک سے لکھا ہے۔ اور مصحفِ حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا اُس کے پاس ہے جس میں قیامت تک کے بادشاہوں کے نام اور اُن کے حالات مرقوم ہیں۔ اُن معصومہؑ سے اس کی نسبت اس لیے دیتے ہیں کہ جب جنابِ رسولِ خداؐ نے اِس دُنیا سے رحلت فرمائی جنابِ فاطمہؑ کو آنحضرتؐ کی جُدائی سے اور منافقین کے مظالم سے بے انتہا صدمہ عارض ہوا، تو خداوندِ عالم نے اُن معصومہ کی تسلّی کے لیے حضرتِ جبرئیلؑ کو بھیجا جو آئندہ قیامت تک کی خبریں اُن معظمہ سے بیان کرتے اور جنابِ امیر علیہ السّلام لکھتے تھے۔ اور دوسری حدیث میں فرمایا کہ امام اور حق تعالیٰ کے درمیان نور کا ایک ستون ہے جس میں امام بندگانِ خدا کے حالات دیکھتا ہے اور جو کچھ اس پر مشتبہ ہوتا ہے اُس میں نظر کرتا ہے اور معلوم کر لیتا ہے۔

بسندِ معتبر امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام سے منقول ہے کہ امام کو چند خصلتوں سے پہچانا جا سکتا ہے (خصلت اوّل) یہ کہ اُس سے پہلے کا امام اُس پر نص کرتا ہے۔ جیسا کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے امیرالمومنینؑ کی خلافت پر نص کی۔ (خصلت دوم) یہ کہ جو کچھ اُس سے پوچھا جاتا ہے اس کا شافی جواب دیتا ہے اور اگر لوگ نہیں پوچھتے تو وہ خود بتلانے میں ابتدا کرتا ہے۔ (تیسری خصلت) لوگوں کو آئندہ کی خبر دیتا ہے۔ (چوتھی خصلت) یہ کہ تمام دُنیا کی زبانیں جانتا ہے اور ہر ایک کو اُس کی زبان میں جواب دیتا ہے۔ (پانچویں خصلت) یہ کہ کسی پرند و چرند کی زبان اُس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ ہر ایک کی زبان جانتا ہے۔

احادیثِ مستفیضہ بلکہ متواترہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرات معجزہ کے اظہار میں جبکہ مصلحت ہوتی تھی مُردہ کو زندہ کر دیتے تھے جیسا کہ امیرالمومنین علیہ السّلام نے مکرر مردہ کو زندہ کیا ہے۔ اور حضرت امام محمّد باقر و جعفر صادق علیہما السّلام نے ابوبصیر کو بینا کیا اور صاحب خورہ و مبروص کو شفا دی۔

احادیثِ معتبرہ میں وارد ہوا ہے کہ وُہ تمام معجزات جو خدا نے علیحدہ علیحدہ پیغمبروں کو دیئے تھے سب جنابِ رسُولِ خداؐ اور ائمہ ہدیٰ علیہم السّلام کو عطا فرمائے ہیں۔ وہ حضرات زمین طے کرنے پر قادر تھے کہ بہت دُور کے فاصلوں کو نہایت تھوڑے وقت میں طے کرتے تھے۔ بلکہ ایک روز سے کم میں تمام دُنیا کے گرد کئی بار گھومے ہیں اور تمام پیغمبروں کی کتابوں کو جیسے توریت، انجیل اور زبور اور

صحفِ آدمؑ صحفِ شیث وادریس وابراہیم والواح موسیٰ علیہم السّلام سب اُن کے پاس تھیں اور تمام پیغمبروں کے آثار جیسے عصائے موسیٰ، پیراہن ابراہیم ویوسف اور جناب موسیٰ کا وہ پتھر جس سے بارہ چشمے جاری ہوئے اور جنابِ سلیمان کی انگشتری اور بساط اور انبیاء کے تمام تبرکات ان کے پاس تھے اور اب وہ تمام تبرکات حضرت صاحب الامر علیہ السّلام کے پاس ہیں اور حق تعالیٰ نے ابر کو ان کا مسخر فرمایا تھا جس پر سوار ہو سکتے تھے تاکہ ملکوت سماوات و زمین کی سیر کریں اور وہ خدائے تعالیٰ کے بہتر اسمِ اعظم جانتے تھے کہ جس امر کے لیے پڑھتے تھے یقیناً وہ دُعا مستجاب ہوتی تھی۔ اُن میں سے ایک اسم آصف بن برخیا جانتے تھے جس کے ذریعہ سے تختِ بلقیس دو مہینے کی راہ کے فاصلہ سے اُنہوں نے ایک چشمِ زدن میں جناب سلیمان کے پاس حاضر کر دیا۔ اُن کے علوم کئی طرح کے تھے۔ کبھی صدائے ملک سُنتے تھے اور کبھی روح القدس جو ایک مخلوق جبرئیل و میکائیل سے بہت بڑی ہے اُن کے رُوبرو آکر اُن کو بتاتی تھی اور کبھی خدا کی جانب سے الہام کے ذریعہ القا ہوتا تھا اور فرشتوں کی آواز زنجیر کی آواز کے مانند جو کسی طشت میں ٹکراتی ہے اُن کے کان میں پہنچتی تھی۔ بہت سی احادیث میں وارد ہوا ہے کہ ہمارا سب سے بہتر علم وہ ہے جو ہر وقت اور ہر آن خدا کے لا انتہا علم سے ہم پر فائض ہوتا ہے اور فرشتے اور روح جو فرشتوں سے عظیم ہے شب قدر میں امامِ زمانؑ پر نازل ہوتی ہے اور اُن حضرت کو سب سلام کرتے ہیں اور اُس سال میں جو کچھ مقرر ہوا ہے سب کچھ اُن کو بتاتے ہیں۔ اُن اماموں کے پاس علومِ گذشتہ و آئندہ سب ہوتا ہے اور جو علم آسمان سے زمین پر آیا ہے ان کے پاس ہے۔ وہ تمام پیغمبروں کے علوم کے وارث ہیں اور وہ متوسمین ہیں کہ جس شخص کے چہرے کو دیکھتے ہیں اس کی پیشانی سے ایمان و کفر و نفاق جان لیتے ہیں اور جس درخت، پتے، ذرّے اور پتھر کو امام دیکھتا ہے اُس کا علم اُس پر ظاہر ہوتا ہے اور تمام قرآن اور اُس کا ظاہری و باطنی علم ستر بطن تک امام سے مخصوص ہے اور جناب رسولؐ کے مثل اسلحوں، زرہوں، سواریوں (گھوڑے، خچر وغیرہ) انگوٹھیوں کے تمام ظاہری و باطنی تبرکات جناب امیرؑ کو ملے اور تمام ائمہؑ اطہار تک پہنچے (اور اب امام آخرؑ کے پاس ہیں) اور چمڑے کا ایک صندوق ان کے پاس ہے جس میں پیغمبرؐ اور اوصیا اور تمام گذشتہ علماء کے علم اس میں درج ہیں۔ اس کو جفر ابیض کہتے ہیں اور ایک دوسرا صندوق بھی ان کے پاس ہے جس میں رسولِ خداؐ کے تمام اسلحے محفوظ ہیں اور اس کو جفرِ احمر کہتے ہیں اور جناب صاحبؑ الامر اس کو کھولیں گے۔

بہت سی معتبر حدیثوں میں منقول ہے کہ ہر شب جمعہ جناب رسولِ خدا کی مقدس روح اور گذشتہ اماموں کی مطہر رُوحیں اور امامِ زمانہ کی روح کو اجازت ہوتی ہے کہ آسمانوں پر بلند ہوں۔

وہ عرشِ اعظم الٰہی تک پہنچتے ہیں اور اُس کے گرد سات مرتبہ طواف کرتے ہیں اور عرش کے ہر پائے کے پاس دو رکعت نماز پڑھتے ہیں اُس کے بعد اپنے جسموں کی جانب نہایت فرحت اور بے انتہا علوم کے ساتھ پلٹتے ہیں۔ اور اس اُمّت میں سے ہر ایک نیک و بد کے اعمال ہر صبح و شام اور ہر ہفتہ اور ہر مہینے جناب رسولِ خدا اور گذشتہ اماموں اور امامِ زمانہ کی روحوں کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ دروازے، دیواریں، پہاڑ اور دریے ان کے علم کے مانع نہیں ہوتے اور عالم کے مشرق و مغرب میں جو کچھ واقع ہوتا ہے وہ حضرات خدا کی جانب سے اُس پر مطلع ہوتے ہیں اور جنابِ رسولِ خدا نے وفات کے وقت اپنے تمام علوم کو امیرالمومنین علیہ السلام کے سپرد کیا۔ امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں کہ حضرتؐ نے اُس وقت ہزار باب مجھے تعلیم فرمائے۔ جس کے ہر باب سے دوسرے ہزار باب مجھ پر منکشف ہو گئے۔ اور حضرتؐ نے فرمایا کہ جب مجھ کو غسل، کفن اور حنوط دینا مجھ کو بٹھا دینا اور جو کچھ چاہنا مجھ سے پوچھنا۔ میں نے ایسا ہی کیا اور اُس وقت بھی علم کے ہزار باب تعلیم فرمائے کہ جن کے ہر باب سے دوسرے ہزار ہزار باب واضح ہو گئے۔ اسی طرح ہر امام تمام علوم اپنے بعد کے امام کو سپرد کرتا ہے۔ اور امام کو بغیر امام کے کوئی دفن و کفن نہیں کرتا اور نہ نماز پڑھتا ہے۔ اگر کوئی امام مشرق میں دُنیا سے جاتا ہے۔ اور اس کے بعد دوسرا امام مغرب میں اگر ہوتا ہے تو بیشک اُس وقت اعجازِ امامت سے وہ اُس کے پاس آتا ہے اور اُس سے علوم حاصل کرتا ہے اور اُس کی تجہیز کرتا ہے اس طرح کہ دوسرے لوگ اُس سے آگاہ نہیں ہوتے جیسا کہ حضرت امام رضا علیہ السلام بغداد میں پہنچے اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام خراسان میں پہنچے۔ اس کی تفصیل میں نے جلاء العیون میں درج کی ہے۔

اور اکثر و بیشتر حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ ان کی روحیں خدا کے انوارِ مقدسہ سے خلق ہوئی ہیں اور اُن کے بدن اور دل عرش کی طینت سے پیدا ہوئے ہیں۔ جب خداوند عالم چاہتا ہے کہ امام کو خلق کرے۔ ایک فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ زیرِ عرش کے پانی کا شربت لے کر امام کے پدر بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ وہ اس کو پیتے ہیں۔ وہ پانی سے زیادہ رقیق۔ مسکہ سے زیادہ نرم۔ شہد سے زیادہ میٹھا اور دودھ سے زیادہ سفید ہوتا ہے۔ وہ فرشتہ امام سے جماع کا حکم دیتا ہے اور امام کا نطفہ اُس سے منعقد ہوتا ہے۔ جب رحم میں اُس کو چالیس روز گزر جاتے ہیں۔ روح اس میں پھونک دی جاتی ہے۔ اور دوسری روایت کے مطابق چار ماہ کے بعد رُوح پھونکی جاتی ہے۔ اُس وقت وہ لوگوں کی آواز سنتا ہے اور سمجھتا ہے پھر ایک فرشتہ اُس کے بازو پر یہ آیت لکھتا ہے۔ وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا لا مبدل لکلماتہ وھو السمیع العلیم۔ وہ ماں کے شکم میں حق تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور سورۂ انا انزلناہ اور تمام آیتوں کی تلاوت کرتا ہے۔ جب

پیدا ہوتا ہے تو چاروں ہاتھوں پیروں کے بل بیٹھتا ہے اور پیر کی جانب سے پیدا ہوتا ہے۔ جب زمین پر آتا ہے قبلہ کی جانب رُخ کرتا ہے اور ہاتھوں کو زمین پر رکھ کر سر آسمان کی جانب بلند کرتا ہے اور کلمۂ شہادت باآواز بلند پڑھتا ہے۔ پھر وہ فرشتہ اس کی دونوں آنکھوں اور دونوں شانوں کے درمیان مو ہی آیت نقش کرتا ہے۔ پھر اس کو عرش کی جانب سے آواز آتی ہے کہ حق پر ثابت قدم رہنا کیونکہ میں نے تجھ کو ایک امرِ عظیم کے لیے خلق کیا ہے۔ تو خلق میں میرا برگزیدہ میرے راز کا محل و مقام، میری وحی کے لیے میرے علم کا صندوق اور زمین میں میرا خلیفہ ہے۔ اور تیرے اور اس کے لیے جو تجھ کو دوست رکھتا ہے میں نے اپنی رحمت واجب قرار دی ہے اور اس کو اپنی بہشت عطا کی ہے اور اپنے عزت و جلال کی قسم کھاتا ہوں کہ جو شخص تجھ سے دشمنی کرے۔ اُس کو اپنے بدترین عذاب (جہنم) میں جلاؤں گا۔ اگرچہ میں نے دنیا میں اس کی روزی فراخ کی ہوگی۔ جب یہ آواز تمام ہوتی ہے امام آیۂ شہد اللہ کو آخر تک اس آواز کے جواب میں پڑھتا ہے۔ اُس وقت خداوندِ عالم اُس کو علمِ اوّلین و آخرین عطا فرماتا ہے اور وہ اس کا مستحق ہوتا ہے یعنی روح القدس شبِ قدر اور اس کے علاوہ دوسری راتوں میں اُس کی زیارت کرتی ہے۔ جب وہ مرتبۂ جلیل امامت پر فائز ہوتا ہے تو خداوندِ عالم نور کا ایک علم اور ایک منارہ ہر شہر میں اس کے لیے بلند کرتا ہے تاکہ اُس میں بندوں کے اعمال دیکھے۔ ایک روایت کے مُطابق جس رات وہ پیدا ہوتا ہے ایک نور اس کے گھر میں چمکتا ہے کہ اُس کے باپ اور ماں اس کو دیکھتے ہیں۔ جب زمین پر آتا ہے قبلہ کی جانب رُخ کرتا ہے اور تین مرتبہ چھینکتا ہے اور تمجید میں اُنگلی بلند کرتا ہے۔ ناف بریدہ اور ختنہ شدہ دُنیا میں آتا ہے۔ اور تمام دانت موجود ہوتے ہیں۔ اس کے ہاتھوں سے ایک شبانہ روز ایک زرد نور ساطع ہوتا رہتا ہے۔ بہت سی حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ ان کے مکاناتِ مقدس ملائکہ کے نازل ہونے کے مقام ہیں اور ان کے مکانوں میں بار بار نازل ہوتے ہیں۔ حضرت صادقؑ نے فرمایا کہ۔

فرشتے ہمارے بچوں پر ہم سے زیادہ مہربان ہیں اور آپ نے اپنے مکان کے تکیوں میں سے ایک تکیہ پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ فرشتوں نے ان پر بہت تکیہ کیا اور بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ہم ان کے پر چن چن کر جمع کرتے ہیں اور اپنے لڑکوں کے تعویذ بناتے ہیں۔ ائمہؑ تمام جنوں پر حجتِ خدا ہیں۔ جنوں کی فوجیں ان کی خدمت میں آتی ہیں اور اپنے دین کے احکام اور حلال و حرام ان سے معلوم کرتے ہیں اور ائمہ علیہم السلام ان کو خدمتیں سپرد کرتے ہیں اور پیغام دے کر دوسرے مقامات پر بھیجتے ہیں۔ ایک جن ایک عظیم اژدہے کی صورت میں مسجدِ کوفہ میں حضرت امیرالمومنینؑ کی خدمت میں آیا جس وقت کہ آنحضرتؑ منبر پر جلوہ افروز تھے۔ حضرت نے اُس سے پوچھا تو کون ہے، اُس نے عرض کی عمرو بن عثمان جس کے باپ کو ..... آپ نے جنوں پر خلیفہ مقرر فرمایا تھا اور وہ اس

وقت فوت ہوگیا۔ یہ سُن کر حضرتؑ نے اُس کو اُس کے باپ کی جگہ خلیفہ مقرر فرمایا۔ یہ ظاہری مجمل حالات ہیں جن تک اکثر لوگوں کی عقلیں پہنچ سکتی ہیں۔ لیکن ان عجیب و غریب حالات اور پوشیدہ اسرار کو نہیں جانتی ہیں اور نہ اُن کے سُننے کی طاقت رکھتی ہیں۔ سوائے کوئی مقرب فرشتہ یا پیغمبر مرسل یا مومن کامل کے۔ کیونکہ حق تعالےٰ ان کے دلوں کا امتحان کرچکا ہوتا ہے اور نورِ ایمان سے منور کئے ہوتا ہے۔

حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ ہم کو خدا کا شریک مت قرار دو اور ہماری پروردگاری کے قائل نہ ہو۔ ان کے علاوہ جس قدر فضائل و کمالات ہمارے لیے ثابت کرو کم ہے۔ اور خداوندِ عالم نے فرمایا ہے۔ قل لوکان البحر مداداً لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددا۔ یعنی اے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہہ دو کہ اگر میرے پروردگار کے کلمات لکھنے کے لئے سمندر روشنائی ہو تو یقیناً ختم ہوجائے قبل اس کے کہ میرے پروردگار کے کلمات تمام ہوں اگرچہ ہم ویسا ہی روشنائی کا سمندر اور تیار کردیں اور احادیث میں وارد ہوا ہے کہ ہم ہیں کلمات خدا کہ ہمارے فضائل کا احصا نہیں ہوسکتا۔ جیسا کسی شاعر نے کہا ہے کہ؎

کتابِ فضل تو را آب بحر کافی نیست
کہ ترکنی سرِ انگشت و صفحہ بشماری

آپ کے فضائل لکھنے کے لیے سمندر کا پانی کافی نہیں ہے۔ کیونکہ فضائل کا دفتر اس قدر زیادہ ہے کہ سمندر سے انگلیاں تر کرکے اُس کے صفحات گنتے گنتے سمندر تمام ہوجائیں گے اور دفتر کے صفحات گننے کے لیے کافی نہ ہوں گے۔

چوتھا مقصد۔ امام کے پہچاننے کے بیان میں۔ امام کو چند وجوہ سے پہچان سکتے ہیں۔

(پہلی وجہ) یہ جو سب سے زیادہ ظاہر اور سب سے زیادہ آسان اور لطف و مرحمت و حکمت الٰہی کے مناسب ہے جیسا کہ تم کو معلوم ہوا جنابِ رسولِ خدا کی جانب سے امت کے کسی فرد کے لیے امامت پر نص ہے اور سابق امام کی نص آنے والے امام پر جیسا کہ معلوم ہوگا کہ ائمہ اثنا عشر صلوات اللہ علیہم اجمعین خدا و رسولؐ اور امامِ سابق کی جانب سے منصوص ہیں۔

(دوسری وجہ) امام کا تمام اُمت مع اُس گروہ کے جو امامت کے مدعی ہوئے ہیں افضل ہونا اور باجماع امت امامت اُن سے باہر نہیں ہے۔

(تیسری وجہ) جو معجزہ کہ دعویٰ امامت سے وابستہ ہو۔ اور یہ جو حضرات اہلسنت کہتے ہیں کہ امامت تھوڑے لوگوں کی بیعت سے حاصل ہوجاتی ہے اگرچہ ایک ہی شخص ہو جیسا کہ ابوبکر عمر کے بیعت کرنے سے خلیفہ ہوگئے بعضوں نے کہا ہے کہ چاہیئے کہ پانچ اشخاص بیعت کریں جیسا کہ عمر نے شوریٰ میں پانچ شخصوں کے اجتماع پر اکتفا کی اور پانچ سے زیادہ نہیں کہا ہے۔ یہ ایسی بات

ہے جس کو کوئی صاحب انصاف عاقل تجویز نہیں کرتا کہ خلق کے بارے میں باطل اغراض اور فاسد خیالات رکھنے کے باوجود پانچ افراد یا ایک شخص کسی جاہل کی بیعت کرلیں۔ چاہیئے کہ تمام خلق امور دین و دُنیا میں اُس کی اطاعت کرے اور اگر نہ کریں تو ان کا قتل حلال بلکہ واجب ہو۔ اگرچہ وہ مخالفت کرنے والے علی بن ابی طالب علیہ السّلام یا امام حسنؑ علیہ السّلام یا امام حسین علیہ السّلام ہوں اور لوگوں پر یزید پلید کی اطاعت واجب ہو۔ اور اُس ظالم و جابر، ولدالزنا، شراب خور، اور دنیا بھر کے عیوب سے ملوث ملعون کی مخالفت کی وجہ سے امام حسینؑ جگر گوشۂ رسولؐ سردار جوانان بہشت کا قتل جائز بلکہ واجب ہو اور ایسی بیعت جو خفیہ طور سے سقیفۂ بنی ساعدہ میں چند منافقین دشمن امیرالمومنینؑ کے اتفاق سے امیرالمومنینؑ و حسنین علیہما السّلام اور بنی ہاشم میں سے کسی ایک شخص کی موجودگی کے بغیر اور سلمانؓ و ابوذرؓ و مقدادؓ و عمارؓ و زبیر و اسامہ بلکہ تمام صحابہ کی اطلاع کے بغیر واقع ہو اس کا نام اجماع رکھا ہے۔ اور جبر و تشدد سے امیرالمومنینؑ اور تمام صحابہ کو کھینچ کر بیعت کے لیے لائیں تو اس کا نام اہلِ حل و عقد کا اتفاق رکھیں اور اپنی کتابوں میں لکھیں۔ آیا کسی عاقل کی عقل تجویز کرتی ہے کہ حق تعالیٰ ریاست دین و دُنیا جو نبوت کی جانشینی ہے، ایسے کھیل و تماشہ پر بنا کرے گا۔ اگر کسی رئیس کو کسی گاؤں میں مقرر کرتے ہیں تو جب تک اُس قریہ کے اکثر لوگ کسی شخص پر اتفاق نہ کریں اُس کا تقرر پسند نہیں کرتے۔ اس بحث کی تفصیل انشاء اللہ اس کے بعد مذکور ہوگی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ امام کا تعین ان تین امور میں سے ایک کے ساتھ وابستہ ہے اور ان تینوں میں سے ہر ایک کے بارے میں ائمہ معصومینؑ کے اخبار متواترہ سے ہم پر ثقات و معتمدین رُوات شیعہ امامیہ کے ذریعہ سے جن کی صداقت و صلاح و دیانت کا علم ہم کو ہے ثابت ہوا ہے اور ہم عین الیقین کے ساتھ اُن کی حقیقت جانتے ہیں۔ لیکن اگر ہم چاہیں کہ مخالفین پر حجت تمام کریں تو چاہیئے کہ ان کی معتبر کتابوں کی حدیثوں سے ہم ان پر حجت قرار دیں اسی لیے ہمارے علماء رحمہم اللہ نے ہمیشہ ان کی معتبر کتابوں سے اُن پر حجت تمام کی ہے۔ کیونکہ اگر ہم اپنی کتابوں سے اُن پر حجت تمام کریں تو وہ انکار کریں گے۔ اسی طرح اگر وہ اپنی وضعی احادیث کو جو خلفائے جور کے غلبہ کے زمانہ میں منافق صحابہ نے منصب و عہدہ اور مال و زر کی طمع میں وضع کی ہیں ہمارے اوپر حجت قرار دیں تو اُن کو قبول کرنا ہم پر لازم نہ ہوگا۔ لہٰذا چاہیئے کہ ہم اُن حدیثوں سے جو متواتر اور فریقین میں مقبول ہیں یا اُن کی معتبر کتابوں میں مذکور ہیں اپنے مذہب کا حق ہونا ثابت کریں اور اُن کو بھی چاہیئے کہ اُن حدیثوں سے جو متواتر ہیں یا ہماری معتبر کتابوں میں مذکور ہیں استدلال کریں نہ کہ اُن وضعی حدیثوں سے جو اُن کی کتابوں سے مخصوص ہیں اور جن کے متعلق اُن کے علما کے ایک گروہ نے بھی اقرار کیا ہے کہ موضوع ہیں استدلال کریں اور چونکہ اس زمانہ میں اُن کے تعصب کی شدت سے اکثر کتابیں جو سابق

زمانہ میں اُن کے درمیان رائج تھیں اور جن میں اہلبیت کے فضائل اور خلفائے جور کے عیوب و نقائص درج تھے متروک ہیں۔ لہٰذا میں اس رسالہ میں ان کی معتبر اور رائج کتابوں سے بیان کرتا ہوں جس سے انکار نہیں کر سکتے۔ جیسے صحیح بخاری و صحیح مسلم جن کو قرآن مجید کا ثانی مانتے ہیں اور جامع الاصول ابن الاثیر جو ان کے سب سے بڑے عالموں میں سے ہیں اور ان کی تمام صحاح ستہ کی حدیثیں جن سے مراد صحیح بخاری، صحیح مسلم، موطائے مالک، سنن نسائی، جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد سجستانی ہیں۔ ان کتابوں میں جمع کیا ہے۔ اور مثل مشکوٰۃ کے جس کے مؤلف اُن کے مشہور علماء میں سے ہیں اور طیبی وغیرہم نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔ اور اس زمانہ میں ان کے تمام شہروں میں وہ کتابیں رائج ہیں اور پڑھی جاتی ہیں۔ وہ اپنی کتاب کی ابتدا میں کہتے ہیں کہ میں نے ان حدیثوں کو چند کتابوں سے نقل کیا ہے کہ جب میں حدیث کو ان کی طرف نسبت دیتا ہوں ایسا ہے کہ جناب رسولِ خدا کی جانب نسبت دی ہے اور کتاب استیعاب ابن عبدالبر کہ وہ بھی ان کے مشہور علماء میں سے ہیں اور اُن کی کتاب بھی اُن میں رائج ہے اور کتاب شرح ابن ابی الحدید نہج البلاغہ کی جو ان کے بڑے علماء میں سے ہیں اور کتاب درمنثور سیوطی جو اُن کے مشہور فضلاء میں ہیں اور تفسیر ثعلبی جس سے مضامین اخذ کرنے پر ان کی تفسیروں کا دارومدار ہے۔ اور تفسیر فخر رازی جو اُن کے امام ہیں اور تفسیر کشاف و تفسیر نیشاپوری و تفسیر بیضاوی و تفسیر واحدی اور انہی جیسی کتابوں سے جو ہمارے پاس موجود ہیں اور ان کے درمیان متداول اور معتمد ہیں اور احادیث اہل بیت علیہم السّلام کتاب حیات القلوب میں بیان کر چکا ہوں۔

جاننا چاہیئے کہ فرقۂ ناجیہ کا مذہب یہ ہے کہ جناب رسولِ خداؐ کے بعد اور رسولؐ کی نص سے بغیر کسی واسطے کے خلیفہ علی بن ابی طالب علیہ السّلام ہیں اور اہل سُنّت کہتے ہیں کہ لوگوں نے ابوبکر کو جناب رسولِ خداؐ کے بعد مقرر کیا ہے اور خلیفۂ اوّل وہ ہیں۔ ابوبکر نے عمر کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کیا اور وہ دوسرے خلیفہ ہیں۔ اور عمر نے اپنی وفات کے وقت شوریٰ چھ آدمیوں کے درمیان قرار دیا اور امیرالمومنینؑ کو ان چھ اشخاص کے درمیان داخل کیا اور یہ تدبیر کی کہ یا امیرالمومنینؑ قتل ہوں یا مجبوراً عثمان کی بیعت کریں۔ کیونکہ امیرالمومنین کو عثمان، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن وقاص کے ساتھ ضم کیا اور کہا کہ اگر سب ایک شخص پر اتفاق کر لیں تو وہی خلیفہ ہوگا اور اگر اختلاف کریں اور ایک طرف زیادہ ہوں تو جو کم ہوں ان کو قتل کر دیں اور اگر دونوں طرف برابر ہوں اور دو دو اشخاص ایک ایک شخص کو اختیار کریں تو عبدالرحمٰن جس کی طرف ہوں اس کو اختیار کریں اور دوسرے تینوں اشخاص کو قتل کر دیں۔ اگر وہ (عبدالرحمٰن کے گروہ سے) اتفاق نہ کریں عمر کے پاس سے جب باہر نکلے تو امیرالمومنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ اپنی تدبیر و کوشش مجھے قتل

کرنے کی پوری کر دی کیونکہ عبدالرحمٰن سعد کا چچا زاد بھائی ہے اور عثمان عبدالرحمٰن کے داماد ہیں اور یہ تینوں اشخاص ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہو سکتے۔ آخر میں یہ کہ طلحہ و زبیر میرے ساتھ ہوں۔ چونکہ عبدالرحمٰن دوسری طرف ہوں گے تو چاہیئے کہ میں قتل ہو جاؤں یا ان تینوں میں سے کسی کی بیعت کروں اور آخر روزِ شوریٰ ایسا ہی ہوا اس کے بعد جبکہ جناب امیرؑ نے اپنے تمام فضائل و مناقب ان کو گنوائے اور سب نے تصدیق کی۔ اس کے باوجود عبدالرحمٰن نے حضرت امیرالمومنینؑ سے کہا کہ میں آپ کی بیعت اس شرط سے کرتا ہوں کہ کتابِ خدا سُنّت رسولؐ اور ابوبکر و عمر کی سیرت پہ آپ عمل کریں گے۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ میں کتاب خدا و سنتِ رسولؐ خدا پر عمل کروں گا۔ سیرت شیخین پر نہیں کروں گا اور یہ بات اس لیے کہی کہ وہ جانتے تھے کہ جناب امیر علیہ السّلام ان کی سیرت پر عمل کرنا منظور نہیں کریں گے۔ پھر یہی بات عثمان سے کہی اور انھوں نے قبول کر لیا تو عبدالرحمٰن اور سعد دونوں نے عثمان کی بیعت کر لی اور لوگوں نے بھی جبراً بیعت کی۔ اس طرح خلیفۂ سوم ان کو مانتے ہیں۔ جب عثمان کے مظالم اور بدعتیں حد سے گذر گئیں تو صحابہ نے اتفاق کیا اور ان کو قتل کر دیا اور خلیفۂ برحق امیرالمومنینؑ سے بیعت کی۔ لہٰذا اُن حضرت کو خلیفۂ چہارم جانتے ہیں اور بعض منافقوں نے خلفائے عباسی کی خوشامد میں اختراع کیا ہے کہ جناب رسولِ خداؐ کے بعد آپ کے چچا عباس نے دعوائے خلافت کیا اور وہ خلیفہ ہیں اور اس قول کا باطل ہونا بخوبی ظاہر ہے۔ اور اس کے قائل لوگ سب ختم ہو گئے۔ کوئی باقی نہیں ہے۔ اور جناب امیرؑ کی خلافت ثابت ہونے سے بھی اس قول کا باطل ہونا ظاہر ہے۔

پانچواں مقصد - بعض اُن آیتوں کا بیان جو امیرالمومنینؑ کی امامت و فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔ (اوّل) آیۂ وافی ہدایہ انما ولیکم اللّٰہ و رسولہ والذین اٰمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ و یؤتون الزکوٰۃ و ھم راکعون) یعنی تمھارے حاکم تو بس خدا و رسول ہیں اور وہ ایمان والے جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اس حال میں جبکہ رکوع میں ہوتے ہیں۔ عامہ و خاصہ نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ یہ آیت انھی حضرتؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ جامع الاصول میں صحیح نسائی کے حوالہ سے عبداللہ بن سلام سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں جناب رسولِ خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ چونکہ ہم نے خدا و رسولؐ کی تصدیق کی ہے۔ لوگ ہم سے کنارہ کش ہو گئے اور ہم سے دشمنی کرتے ہیں اور قسم کھائی ہے کہ ہم سے بات نہ کریں گے اُسی وقت خدا نے یہ آیت نازل کی۔ بلالؓ نے نمازِ ظہر کے لیے اذان دی۔ لوگ اُٹھے اور نماز میں مشغول ہو گئے۔ بعض سجدہ میں بعض رکوع میں تھے اور بعض مسواک کر رہے تھے۔ ناگاہ ایک سائل نے سوال کیا۔ امیرالمومنینؑ نے رکوع میں اپنی انگوٹھی اُس کو دی اور سائل نے رسولِ خداؐ

کو خبر دی کہ علی علیہ السّلام نے رکوع میں یہ انگوٹھی مجھ کو دی۔ جناب رسولِ خداؐ نے اس آیت کو بعد کی آیت کے ساتھ پڑھا۔ اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے کہ ایک روز عباس چاہِ زمزم کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے اور حدیث ذکر کر رہے تھے ناگاہ ابوذر رضی اللہ عنہ آئے اور کہا ایہا الناس میں ابوذر غفاری ہوں۔ میں نے رسولِ خداؐ سے اپنے انہی دونوں کانوں سے سُنا ہے اگر میں جھوٹ کہتا ہوں تو میرے یہ کان بہرے ہو جائیں اور اپنی انہی دونوں آنکھوں سے دیکھا ہے اگر جھوٹ ہو تو میری یہ دونوں آنکھیں اندھی ہو جائیں کہ علی نیکوکاروں کے پیشوا، کافروں کے قتل کرنے والے ہیں اور امداد یافتہ ہے وہ جو اُن کی مدد کرے اور ذلیل و گمراہ ہے وہ جو اُن کی مدد نہ کرے۔ یقیناً میں نے ایک روز جناب رسولِ خداؐ کے ساتھ نمازِ ظہر ادا کی۔ ایک سائل نے اُسی وقت مسجد کے ایک دروازہ سے سوال کیا کسی نے اُس کو کچھ نہ دیا تو سائل نے آسمان کی طرف ہاتھ بلند کر کے کہا خداوندا گواہ رہنا کہ میں نے رسول خداؐ کی مسجد میں سوال کیا اور کسی نے مجھ کو کچھ نہ دیا۔ اُس وقت علی علیہ السّلام رکوع میں تھے۔ آپ نے اُسی حالت میں سائل کی طرف اپنے داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے اشارہ کیا۔ آپ ہمیشہ اُس ہاتھ میں انگشتری پہنے رہتے تھے سائل آیا اور اُن حضرت کی انگلی سے انگوٹھی اُتار لی۔ جناب رسولِ خدا بھی نماز میں تھے اور یہ صورت مشاہدہ فرمائی جب نماز سے فارغ ہوئے سر آسمان کی جانب بلند کیا اور کہا خداوندا میرے بھائی موسیٰؑ نے تجھ سے سوال کیا اور کہا تھا کہ پالنے والے میرے اہل میں سے میرے بھائی ہارونؑ سے میرا سینہ کشادہ فرما اور میرے کاموں کو آسان کر اور میری زبان کی گرہ (لکنت) کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھیں اور اُن کو میرا وزیر قرار دے۔ میرے بازو اُن سے قوی فرما اور میرے کاموں میں اُن کو میرا شریک قرار دے تو اے خدا تُو نے ان کی دُعا مستجاب فرمائی اور اُن سے خطاب فرمایا کہ عنقریب تمہارے بھائی کے ذریعہ تمہارے بازو قوی کر دوں گا اور تم دونوں کو غلبہ اور قوت دُوں گا۔ خداوندا میں تیرا بندہ محمدؐ تیرا پیغمبر برگزیدہ ہوں۔ میرا سینہ بھی کشادہ فرما۔ اور میرے کام بھی آسان فرما اور میرے اہل میں سے میرا وزیر علیؑ بن ابی طالب کو قرار دے اور ان سے میری پُشت قوی کر دے۔ ابوذرؓ نے کہا کہ ابھی آنحضرتؐ کا کلام تمام نہیں ہوا تھا کہ جبرئیل علیہ السّلام خدا کی جانب سے نازل ہوئے اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ آیت علیؑ کو سُنا دیجیے۔ آنحضرتؐ نے سُنایا۔ سیوطی نے بہت سی سندوں کے ساتھ اور فخر رازی نے دو سندوں سے اور زمخشری، بیضاوی، نیشاپوری، ابن البطریق واحدی، سمعانی، بیہقی، نطنزی، صاحب مشکوٰۃ مؤلف مصابیح اور تمام مفسرین و محدثین خاصہ و عامہ مثل سدی، مجاہد، حسن بصری، اعمش، عتبہ بن ابی حکم، غالب بن عبداللہ، قیس بن ربیعہ، عبایہ بن ربعی، ابن عباسؓ، ابوذرؓ اور جابر ابنِ عبداللہ

انصاری وغیرہم نے روایت کی ہے اور حسان شاعر اور اُس کے علاوہ دُوسرے شاعروں نے اِس واقعہ کو نظم کیا ہے اور جو وجہ آنحضرتؑ کی امامت پر دلیل ہے یہ ہے کہ انما کلمۂ حصر ہے اور ولی کے لغت میں چند معنی آئے ہیں یاور، دوست، صاحبِ اختیار، اولیٰ بتصرف۔ آخری دونوں معنی ایک دوسرے سے نزدیک ہیں اور پہلے دونوں معنی ظاہر ہے کہ اس آیت میں مراد نہیں ہیں کیونکہ مومنین کے یاور اور دوست مخصوص خدا و رسولؐ اور بعض مومنین جو اس صفت سے موصوف ہوتے ہیں نہیں ہیں بلکہ تمام مومنین آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں جیسا کہ خداوندِ عالم نے فرمایا ہے۔ والمومنون والمومنات بعضہم اولیاء بعض اور فرشتے بھی مومنین کے محب و یاور ہیں جیسا کہ فرمایا ہے کہ نحن اولیاؤکم فی الحیٰوۃ الدنیا۔ بلکہ بعض کفار بعض مومنین کے محبّ و یاور ہوتے ہیں۔ اگر کہیں کہ آیت میں لفظ جمع وارد ہوا ہے۔ کیونکہ آنحضرتؑ سے مخصوص ہوگا۔ تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ عرب و عجم میں جمع کا اطلاق واحد پر باعتبار تعظیم کے عام ہے یا دوسرے نکات آیاتِ کریمہ میں بہت ہیں یا یہ کہ ہم اختصاص کا دعوےٰ نہیں کرتے ہیں۔ کیونکہ ہماری حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ اس آیت میں تمام ائمہ داخل ہیں اور ہر امام قرب امامت میں یقیناً اس فضیلت سے فائز ہوتا ہے اور صاحبِ کشاف نے کہا ہے کہ اس آیت سے مُراد اگرچہ وُہی حضرتؑ ہیں۔ لیکن لفظ جمع اس لیے لایا گیا ہے کہ دُوسرے بھی اُن حضرت کی متابعت کریں۔ اس کی تائید کہ یہ آیت اُنہی حضرت کی شان میں ہے اور اس آیہ سے مُراد اُنہی حضرتؑ کی ذات ہے اور مُراد ولایت و امامت ہے۔ صحیح مسلم اور صحیح ترمذی میں عمر و بن حصین سے روایت کی ہے کہ جناب رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک لشکر کہیں بھیجا اور امیرالمومنینؑ کو اُس لشکر کا امیر مقرر کیا۔ حضرتؑ نے فتح کیا اور غنیمت میں سے ایک کنیز لے لی۔ اہلِ لشکر کو یہ امر پسند نہ آیا۔ صحابہ میں سے چار اشخاص نے یہ طے کیا کہ جب رسُولِ خداؐ کی خدمت میں پہنچیں گے تو اس کی شکایت حضرتؐ سے کریں گے۔ قاعدہ یہ تھا کہ جب مسلمان جنگ سے واپس آتے تھے پہلے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور سلام کرتے تھے۔ اس کے بعد اپنے اپنے گھروں کو جاتے تھے۔ جب آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچے اور سلام کیا۔ اُن چار افراد میں سے ایک شخص نے کھڑے ہوکر کہا کہ امیرالمومنینؑ نے ایسا کیا ہے۔ یہ سُن کر جناب رسُول خداؐ نے اُس کی طرف سے مُنہ پھیر لیا۔ دوسرے شخص نے کھڑے ہوکر یہی بات کہی۔ حضرتؐ نے اُس کی طرف سے بھی مُنہ پھیر لیا۔ تیسرے نے بھی کہا۔ حضرتؐ نے اُس کی جانب سے بھی مُنہ پھیر لیا۔ جب چوتھے نے بھی کہا تو حضرتؐ نے اُن سب کی طرف رُخ کیا اور غضب حضرتؐ کے چہرۂ مبارک سے ظاہر تھا اور تین مرتبہ فرمایا کہ علیؑ سے کیا چاہتے ہو۔ بیشک علیؑ مجھ سے ہے اور میں اُس سے ہوں اور وہ ہر مومن اور مومنہ کا ولی ہے۔ ابن عبدالبر نے استیعاب

میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے علیؑ ابن ابی طالب سے فرمایا کہ میرے بعد تم ہر مومن کے ولی ہو۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ولایت وہ امر ہے جو اُن حضرتؑ سے مخصوص ہے۔ ولی جو اس آیت میں ہے انہی کی شان میں ہے اور حدیث اوّل کے فقرہ اوّل سے معلوم ہے کہ جو خصوصیت اُن حضرتؑ کو جناب رسولِ خداؐ سے تھی کسی دوسرے کو نہیں تھی۔ ایضاً جناب رسولؐ کے ارشاد کے مطابق آپ کے بعد ولی ہونے کی خصوصیت دونوں دلیلوں میں خلافت پر ہے۔ کیونکہ محبت اور نصرت حیات کی حالت میں بھی تھی اور ہر عاقل جانتا ہے کہ ایسا شخص ابوبکر و عمر و عثمان کی رعایا اور اُن کے حکم کا تابع نہیں ہوسکتا تھا۔

(دُوسری آیت) یاایها الذین امنوا اتقوا الله وکونوا مع الصادقین یعنی اے وہ گروہ جو ایمان لائے ہو چاہیئے کہ اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ ہر معاملہ میں خصوصاً کردار و گفتار سے (یعنی اپنے قول و عمل سے) اپنے ایمان کے دعوے میں۔ اور ظاہر ہے کہ اُن کے ساتھ ہو جانے سے مُراد قول و عمل میں اُن کی اطاعت و پیروی ہے نہ یہ کہ جسم اور بدن سے اُن کے ساتھ ہونا۔ کیونکہ وہ محال ہے اور بے فائدہ اور امامت کے معنی یہی ہیں۔ چونکہ باتفاق امت قرآن مجید میں خطابات عام ہیں اور تمام اُمت اور ہر زمانہ کے ساتھ شامل ہیں۔ لہٰذا چاہیئے کہ ہر زمانہ میں ایک صادق کا ہونا ضروری ہے تاکہ اُمت اُس کے ساتھ ہو اور معلوم ہے کہ فی الجملہ صادق سے یہی مُراد ہے ورنہ لازم آئے گا کہ ہر شخص صادق ہو اور اُس کی متابعت واجب ہو، اور یہ امر باتفاق باطل ہے لہٰذا چاہیئے کہ صادق جمیع افعال و اقوال میں مراد ہو، اور وہ معصوم ہے اس لیے ہر زمانہ میں امام کا وجود ثابت ہوا۔ اور اُس کی اطاعت و پیروی بھی، اور بالاتفاق سوائے جناب رسولِ خداؐ اور بارہ اماموں کے کوئی معصوم نہیں ہے۔ الغرض اُن کے مذہبوں کا حق ہونا اور اُن کے ائمہ کی امامت معلوم ہُوئی کہ (کیا حقیقت رکھتی ہے) اسی کے ساتھ سیوطی نے تفسیر درمنثور میں اور ثعلبی نے تفسیر مشہور میں ابن عباسؓ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ آیت میں صادقوں سے مراد حضرت علی بن ابی طالب علیہ السّلام ہیں اور ابراہیم بن محمد الثقفی اور خرکوشی نے کتاب شرف النبی میں اسمعی سے اُسی کی سند سے حضرت باقر علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ صادقین سے مراد محمد و علی علیہما السّلام ہیں اور امیر المومنین سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ صادقون ہم ہیں اور حضرت صادقؑ سے منقول ہے کہ صادقون آلِ محمدؐ ہیں اور بعض روایتوں میں وارد ہوا ہے کہ صادقین وہ ہیں جن کی شان میں خدا نے فرمایا ہے۔ من المومنون رجال صدقوا ما عاهدوا الله علیه فمنهم من قضی نحبه ومنهم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا ۵ یعنی مومنین میں وہ چند مرد ہیں جنھوں نے سچ کہا ہے۔ ان باتوں کو جن پر خدا سے عہد و پیمان کیا تھا کہ

رسولؐ کے ساتھ ثابت قدم رہیں گے اور دشمنانِ دین سے جنگ کریں گے اور میدان سے نہ بھاگیں گے یہاں تک کہ قتل ہو جائیں اور آنحضرتؐ کی متابعت دل و زبان سے کریں گے۔ لیکن بعض نے اُن میں اپنے عہد کو وفا کیا یہاں تک کہ شہید ہوئے۔ اور بعض شہادت کا انتظار کر رہے ہیں اور انھوں نے اپنے عہد کو نہیں بدلا، جو نہ بدلنے کا حق ہے اور عامہ و خاصہ کی حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ یہ آیت اہلبیتؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اس سے مُراد حضرت حمزہ، جعفر طیار اور امیرالمومنین علیہم السلام ہیں جنھوں نے عہد کیا تھا کہ جب تک قتل نہ ہو جائیں جنابِ رسولِ خداؐ کی مدد و نصرت سے ہاتھ نہ اُٹھائیں گے۔ اور اُنھوں نے اِس عہد کو پُورا کیا اور جو شہید ہُوئے وہ حمزہ اور جعفر تھے اور جو شہادت کا انتظار کر رہے تھے امیرالمومنینؑ تھے۔ وہ لوگ جنگ سے کبھی نہ بھاگے مثل ابوبکر و عثمان و انہی کے ایسے لوگوں کے۔ اور اُن لوگوں نے دینِ خدا میں کوئی تغیّر و تبدل نہیں کیا ہے۔ اسباب النزول میں عامہ کے طریقہ سے روایت کی ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ میں شہادت کا انتظار کر رہا ہوں۔ اور میں نے خدا سے اپنے عہد کو تبدیل نہیں کیا جو نہ کرنے کا حق ہے۔

اس آیت میں دو استدلال اس مدعا استحکام پر نقل کرتا ہوں۔ ایک مشاہیر علمائے عامہ اور ایک اعاظم علمائے خاصہ کا۔

(پہلا استدلال) یہ ہے کہ امام فخر رازی نے جو حضرات اہلسنّت کے امام ہیں اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں مومنوں کو حکم دیا ہے کہ سچّوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ لہٰذا چاہیئے کہ صادقین موجود ہوں کیونکہ ہونا کسی چیز کے ساتھ مشروط ہے، اُس چیز کے ہونے پر۔ لہٰذا لازم ہے کہ ہر زمانہ میں صادقین ہوں۔ اور چاہیئے کہ تمام امت باطل پر نہ جمع ہوں اور یہ دلیل ہے اس پر کہ یہ اجماع حجت ہے اور یہ زمانۂ رسول سے مخصوص نہیں ہے کیونکہ بتواتر ثابت ہے کہ قرآن کے خطابات قیامت تک تمام مکلّفین سے ہیں۔ ایضاً۔ آیت کے الفاظ تمام اوقات کو شامل ہیں۔ اور کسی زمانہ سے تخصیص کرنا جو آیت سے معلوم نہیں ہوتا حکم کو معطل کرنے کا باعث ہے۔ ایضاً خدائے تعالیٰ نے اوّل اُن کو تقویٰ کا حکم دیا ہے اور یہ حکم ہر شخص کے شامل ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ متقی نہ ہو اور خطاب اُس سے جائز ہو۔ لہٰذا آیۂ کریمہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ جب کوئی شخص جائز الخطا ہے اُس پر واجب ہے کہ اُس کی پیروی کرے جس کی عصمت خطا سے واجب ہو (یعنی خطا سے محفوظ رہنا واجب ہو) اور وہ وُہی ہیں جن کو خدا نے صادق فرمایا ہے اور۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حکم کی ترتیب اس بارے میں اِس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جائز الخطا پر اس لیے واجب ہے کہ وہ صادق کی اقتدا و پیروی کرے کہ وہ اس کو خطا سے باز رکھے اور یہ مطلب ہر زمانہ سے متعلق ہے لہٰذا چاہیئے کہ معصوم بھی ہر زمانہ میں ہو، اور ہم اس کو قبول کرتے ہیں۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ معصوم ساری

اُمت ہے اور شیعہ کہتے ہیں کہ اُمت میں سے صرف ایک شخص ہے اور ہم کہتے ہیں کہ یہ قول باطل ہے کیونکہ اگر ایسا ہے تو چاہیئے کہ ہم پہچانیں کہ وہ شخص کون ہے تاکہ اُس کی ہم متابعت کریں اور ہم وُہ ہیں کہ اُس شخص کو اُمت میں نہیں پہچانتے ۔ یہاں تک فخر رازی کا کلام تھا ۔ اور خداوند تعالیٰ نے اُن کے ہاتھ اور زبان پر نہایت یقین کے ساتھ دلیل تمام کرنے کے بعد جاری کر دیا۔ انھوں نے ایسا کمزور جواب دیا جس سے اپنی عصبیت اور عناد تمام عالم پر ظاہر کر دیا ۔ اور کسی صاحب عقل پر اس جواب کا ضعف مخفی نہیں ہوگا ۔

ہم وضاحت کے لیے چند وجوہ سے اُن کا جواب دیتے ہیں ۔

وجہ اوّل ۔ جب کہ انہوں نے تصریح کر دی کہ ہر زمانہ میں معصوم کی لوگوں کو خطا سے محفوظ رکھنے کے لیے ضرورت ہے تو کوئی عاقل تجویز کرتا ہے کہ ان زمانوں میں جبکہ جناب رسالت مآبؐ کی اُمت عالم کے مشرق و مغرب میں پھیلی ہوئی ہے ۔ کسی ایک شخص کے لیے ممکن ہو سکتا ہے کہ تمام علمائے اُمت کے اقوال کا علم حاصل کرے کہ کسی نے اِس مسئلہ میں مخالفت نہیں کی ہے باوجود اس اختلاف آراء اور خواہشات کے جو درمیان امت موجود ہے ۔ یہ فاضل جو دعوے کرتے ہیں کہ اُن کا تبحر تمام علمار سے زیادہ ہے اُن کو علم نہیں کہ وہ مسئلہ امامیہ کو جانتے چہ جائیکہ تمام اسلامی فرقوں کے مسائل ۔ اگر بفرض محال سب کو دیکھیں اور سب کی باتیں سُنیں تو کہاں سے معلوم ہوگا کہ اُس نے اپنے واقعی اعتقاد اُن سے بیان کئے ہیں جبکہ ممکن ہے کہ تقیہ کیا ہو جیسا کہ مذہب امامیہ میں جائز ہے ۔ ایضاً یہ کہاں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مرنے کے وقت تک اس مذہب پر باقی رہے ہیں ۔ کیونکہ یہ بھی اجماع کی تحقیق میں اکثر کے قول کی بنا پر شرط ہے ۔

دوسری وجہ ۔ مان لیا جائے کہ ایسا اجماع ممکن ہے اور اس کا علم تحقیق سے بہم پہنچایا جا سکتا ہے مگر قلیل مسائل میں ممکن ہے پھر خطا تمام مسائل میں کیسے رفع ہو سکتی ہے ۔

تیسری وجہ ۔ یہ کہ ظاہراً بلکہ صریحاً یہ ہے کہ کونوا مع الصادقین یعنی صادقین کے ساتھ ہونے پر مامور لوگ صادقین کے علاوہ ہوں گے اس وجہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے لیے عین صادق ہیں ۔

چوتھی وجہ ۔ یہ کہ جو کچھ مذہب شیعہ کی نفی میں کہا ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو چاہیئے تھا کہ ہم جانتے کہ صادق کون ہے اُس کے مثل ہے کہ اہل کتاب کہیں کہ رسُول کی نبوت باطل ہے کیونکہ اگر حق ہوتی تو چاہیئے تھا کہ ہم اس کو پہچانتے اور اس کی حقیقت جانتے اور کہیں کہ عیسیٰ پیغمبر ہوتے تو ہم ان کی حقیقت جانتے اور حق یہ ہے کہ یہ اُن ہی کی تفسیر کی جانب راجع ہے ۔ چاہیئے کہ تعصب کو برطرف کر کے از روئے انصاف دلائل و اخبار و آثار کی جانب رجوع ہوں تاکہ بمقتضائے والذین جاھد

۵ فینا لنھدینّھم سبلنا حق اُن پر ظاہر ہو اگر سچ کہتے ہیں کہ حق اُن پر واضح نہیں ہوا ہے اور غالب گمان یہ ہے کہ حق اُن پر ظاہر ہو چکا ہے۔ لیکن حبِ دُنیا اور خواہشِ نفسانی کی پیروی میں اظہار نہیں کرتے اگر وہ یہ وجہ بیان کریں کہ اجماع کی تحقیق کی نفی میں جو تم نے کہی تو تمہارے علماء پر بھی وارد ہوتی ہے تو ہم جواب میں کہیں گے کہ وہ اجماع کو معصوم کے داخل ہونے کے اعتبار سے حجت مانتے ہیں۔ اگر دو افراد اتفاق کرلیں کہ جانتے ہیں اور ان میں سے ایک معصوم ہے تو حجت جانتے ہیں اور اگر ایک لاکھ اشخاص اتفاق کریں اور معصومؑ ان کے درمیان داخل نہ ہو تو حجت نہیں جانتے۔ کیونکہ اگر ہر ایک پر خطا و غلطی جائز ہے تو ان کے مجموعے پر بھی جائز ہے اور معصومؑ کے داخل ہونے کا علم علمائے شیعہ کے اقوال سے جو آئمہ معصوم علیہم السّلام کے زمانہ میں اور ان کے زمانہ سے قریب تھے ہیں ممکن ہے جو ان کے لیے حاصل ہوا ہوگا۔ اس رسالہ میں اس امر کی تحقیق کی گنجائش نہیں ہے۔

(دوسرے یہ کہ) جناب شیخ سید مفید علیہ الرحمہ سے لوگوں نے اس آیت کی تفسیر دریافت کی اور یہ کہ یہ آیت کس کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ شیخ قدس اللہ روحہ نے جواب میں فرمایا کہ یہ آیت جلیل الدلالۃ حضرت امیرالمومنینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اس کا حکم ان کی اولاد امجاد میں جو پیشوائے دین اور ائمہ صادق ہیں جاری ہوا ہے اور اس باب میں حدیثیں بہت وارد ہوئی ہیں۔ اور آیت کے اسلوب سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جناب مقدس الٰہی نے اس آیت میں لوگوں کو حکم دیا ہے کہ صادقین کی متابعت کریں اور ان سے جدا نہ ہوں اور چاہیے کہ جن کو خطاب کیا اور حکم دیا ہے ان کے علاوہ ہوں جو ان کے ساتھ رہنے پر مامور ہوئے ہیں۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ کسی شخص کو حکم دیں کہ اپنے ساتھ رہیں اور اپنے حکم کی پیروی کریں۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ صادقوں سے مراد یا تمام سچے ہوں یا ان میں سے بعض ہوں اور پہلا قول باطل ہے کیونکہ ہر مومن باعتبار ایمان صادق ہے اور سب اِس دعوے میں سچے ہیں لہٰذا لازم آتا ہے کہ سب مومنین اپنی متابعت پر مامور ہوں اور یہ محال ہے اور اگر اُن میں سے بعض مراد ہیں یا بعض معہود و معلوم مراد ہیں کہ الف ولام (آیت پر) عہدِ خارجی کے لیے ہو یا یہ کہ بعض غیر معہودی مراد ہیں بنا برقولِ اوّل تو چاہیئے کہ یہ جماعت معلوم و معروف ہو اور مخاطب لوگ ان کو پہچانتے ہوں اور آیتیں ان کے نام و نسب کے ساتھ وارد ہوئی ہوں اور ان لوگوں نے سُنی ہوں اور جو شخص ایک شخص کے بارے میں دعوےٰ کرے بغیر اُس جماعت کے جن کے بارے میں ہم دعوےٰ کرتے ہیں تو باطل ہے کیونکہ معلوم ہے کہ دوسرے کے حق میں یہ مراتب تحقیق شدہ نہیں ہیں اور وہ معہود نہیں ہیں اور خود معترف ہیں کہ جنابِ رسولِ خداؐ کے زمانہ میں اُن کی خلافت پر تعیین نہیں ہوئی اور قول دوم کی بنا پر بعض غیر معہود مُراد ہوں گے۔ لہٰذا یقیناً اُس کے بعد اس بعض کی تعیین و تخصیص ہو ورنہ امرِ مجہول کی تکلیف ہوگی کہ مثل اُس کے نہیں کرسکتا اور وہ محال ہے اور معلوم ہے کہ ہمارے

آئمہ کے سوا کسی نے تعیین و تخصیص کا دعویٰ نہیں کیا ہے اور نہ کر سکتا ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ مُراد وہی حضرات ہیں۔ نیز اس پر کہ وہی حضرات مراد ہیں ہم عقلی و نقلی دلیل رکھتے ہیں۔

دلیل عقلی۔ چونکہ اس آیۂ کریمہ میں حکم ہوا ہے کہ امت مطلق ان کی متابعت کرے اور ایک حکم کے علاوہ دوسرے کسی حکم کی تخصیص نہیں ہوئی ہے لہٰذا چاہیئے کہ وہ معصوم ہوں ورنہ لازم آئے گا کہ اُمت خطا و معصیت میں اُن کی متابعت پر مامور ہوئی ہے اور یہ محال ہے۔ چونکہ عصمت ایک امرِ باطنی ہے جس کو سوائے خداوند تعالیٰ کے کوئی نہیں جان سکتا۔ لہٰذا چاہیئے کہ نص ان کی امامت اور عصمت پر ہوئی ہو اور بالاتفاق ان کے سوا دوسروں پر نص نہیں ہوئی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ وہی مُراد ہیں۔

دلیل نقلی۔ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں صادقین کی چند صفتوں کے ساتھ تعریف کی ہے جو حضرت امیر المومنینؑ کے سوا کسی میں جمع نہیں ہوئی ہیں۔ کیونکہ فرمایا ہے۔ لیس البر ان تولّوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب یعنی یہ نیکی نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق اور مغرب کی جانب کرلو۔ ولکن البر من امن باللہ والیوم الاخر والملئکۃ والکتاب والنبیین لیکن نیک انسان وہ ہے جو خدا و روزِ قیامت اور فرشتوں اور خدا کی کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے واتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمسٰکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب اور وہ اس کی محبت میں اپنے قرابت داروں یا رسولؐ کے قرابت داروں پر اور یتیموں اور مسکینوں پر اور مُسافروں پر جو اپنے گھر واپس نہیں جا سکتے اور سوال کرنے والے گداؤں پر اور غلاموں کو آزاد کرنے میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں واقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ والموفون بعھدھم اذا عاھدوا والصابرین فی الباساء والضرآء وحین الباس اولئک الذین صدقوا واولئک ھم المتقون۔ وہ نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ جب کوئی عہد کرتے ہیں تو اس کو پُورا کرتے ہیں اور وہ تکلیف و پریشانیوں میں صبر کرتے اور ثابت قدم رہتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے سچ کہا اور اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہیں اور یہی لوگ پرہیز گار ہیں۔ اس کے بعد شیخؒ نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس آیۂ شریفہ میں ان خصلتوں کو جمع کیا پھر اُس شخص کے لیے شہادت دی جس میں یہ اوصاف سچائی اور تقویٰ کے ساتھ کامل طور پر مطلقاً موجود ہیں۔ بلکہ صدق و تقویٰ کو ان میں منحصر کر دیا ہے۔ جیسا کہ علم معانی و بیان میں مقرر ہے۔ پھر پہلی آیت کو اس میں ضم کریں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ صادقین کی متابعت کرو جن میں یہ خصلتیں کامل اور جمع ہوں اور ہم کو جنابِ رسولِ خدا کے صحابہ میں امیر المومنینؑ کے سوا کوئی نہیں ملتا جس میں یہ خصلتیں جمع ہوں۔ لہٰذا چاہیئے کہ پہلی آیت میں صادقین سے مراد وہی ہوں اور ساری امت تمام احکام میں ان کی اطاعت پر مامور ہو۔ کیونکہ آیت میں ایک حکم کے

ساتھ دوسرے حکم کی تخصیص نہیں ہوئی ہے۔ اور اُن حضرت کی ذات اقدس میں ان اوصاف کا کمال واجتماع یہ ہے کہ آیت کی ابتدا میں خدا، روزِ قیامت، ملائکۂ خدا کی کتابوں اور روزِ قیامت پر ایمان لانا مذکور ہوا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ حضرت تمام لوگوں سے پہلے اُن چیزوں پر ایمان لائے اور خاصہ وعامہ کی متواتر حدیثوں کے مطابق وہ مردوں میں سب سے پہلے شخص تھے کہ آنحضرتؐ کی اجابت کی۔ چنانچہ جناب رسولِ خداؐ نے حضرت فاطمہ علیہا السلام سے فرمایا کہ میں نے تم کو اُس شخص سے تزویج کی جو اسلام و اطاعت خدا و رسولؐ میں تمام صحابہ سے بہت پہلے ہے اور علم میں سب سے زیادہ ہے۔ اور یہ خبر بھی متواتر ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ میں خدا کا خالص بندہ اور رسولؐ خدا کا بھائی ہوں اور مجھ سے پہلے کسی نے یہ بات نہیں کہی ہے اور نہ میرے بعد کوئی کہہ سکتا ہے۔ لیکن وہی جو بہت جھوٹا اور افترا کرنے والا ہو، اور میں نے دوسروں سے سات سال پہلے نماز پڑھی اور فرماتے تھے کہ خداوندا میں اس امت میں سے کسی کے بارے میں نہیں کہتا کہ اُس نے مجھ سے پہلے تیری عبادت کی ہو اور جب خوارج سے آپ کی گفتگو ہوئی جب وہ کہتے تھے علی جھوٹ کہتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں اُس کو جھوٹ کی نسبت دے کر خدا کو (معاذاللہ) جھوٹا کہوں حالانکہ میں وُہ ہوں جس نے خدا کی عبادت کی اور کیونکر رسولؐ پر افترا کیا ہے جب کہ میں سب سے پہلے ان پر ایمان لایا ہوں اور ان کی تصدیق اور مدد کی ہے۔ اور حضرت امام حسن علیہ السلام نے اُس رات فرمایا جس رات دُنیا سے جناب امیرؑ نے رحلت فرمائی کہ آج رات وُہ دنیا سے رُخصت ہوا کہ اگلے لوگ اس سے کمالات میں آگے نہیں بڑھے اور نہ آنے والے لوگ بڑھ سکتے ہیں۔ اس پر بہت دلیلیں ہیں جن کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا۔ خداوندِ عالم نے ایمان کے بعد آیت میں اموال اور تصدقات کا ذکر فرمایا ہے۔ اور نصوص قرآنی اور احادیث متواترہ کے مطابق حضرت امیرالمومنینؑ ان اوصاف میں بھی سب سے زیادہ ہیں۔ حق تعالیٰ سورہ "ہل اتی" میں فرماتا ہے۔ ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا یعنی خدا کی محبت میں مسکین و یتیم و اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔ عامہ وخاصہ کے مفسروں اور راویوں نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ یہ آیت بلکہ پورا سورہ علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کی شان میں نازل ہوا ہے۔ پھر فرمایا ہے الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار سرًّا وعلانیۃ فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ یعنی وہ لوگ جو رات اور دن میں چھپا کر اور علانیہ طور پر اپنا مال (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں تو اُن کے خدا کے پاس اُن کا (بہترین) اجر ہے اور نہ ان کے لیے آخرت میں کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ محزون ہوں گے۔ شیخ نے فرمایا ہے کہ روایت مستفیضہ وارد ہوئی ہے کہ یہ آیت امیرالمومنین علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اور اس میں اختلاف نہیں ہے

کہ اُن حضرتؑ نے اپنے قوّتِ بازو کی محنت سے کثرت سے غلاموں کو آزاد کیا جس کا احصا نہیں ہو سکتا اور بہت سے کھیتوں اور باغوں کو جن کو اپنے دستِ حق پرست سے لگایا اور تیار کیا تھا فقرا و مساکین کے لیے وقف کر دیا تھا۔

اِس کے بعد خداوندِ عالم نے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا ذکر فرمایا ہے اور وہ انھی حضرت کی شان میں آیۂ کریمہ انما ولیکم اللہ کی دلالت سے ہے جس پر اہلِ نقل نے اتفاق کیا ہے کہ حضرتؑ نے رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ مؤلف کہتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ شیخ نے اس آیت کو اِس معنی پر محمول کیا ہو یا یہ کہ واتوا الزکوٰۃ کو واوِ حالیہ قرار دیا ہو۔ اس قرینہ سے کہ پہلے اس آیت میں مال کا خرچ کرنا مذکور ہوا۔ اور تاکید سے تاسیس زیادہ بہتر ہے۔ لہٰذا شیخ نے کہا کہ اس کے بعد خدا نے ایفائے عہد کا ذکر فرمایا اور اصحاب میں سے کوئی شخص نہیں جس سے نقض ظاہر نہ ہوا ہو۔ یا اس کو اس کی نسبت نہ دی گئی ہو۔ لیکن جنابِ امیرؑ وُہ ہیں جن کے بارے میں کسی کو احتمال بھی نہیں ہوتا ہے کہ آپؑ نے جو عہد رسولِ خداؐ سے آنحضرتؐ کی حمایت و نصرت و جانفشانی کے لیے کیا ہو اُسے توڑا ہوگا لہٰذا یہ صفت بھی اُنھی حضرتؑ سے مخصوص ہے۔

اِس کے بعد حق تعالٰی نے بلاؤں، سختیوں اور جہادوں میں ثابت رہنے اور صبر کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ آپ کے علاوہ کسی شخص نے لڑائیوں اور سختیوں میں صبر نہیں کیا اور نہ ثابت قدم رہا ہے۔ وہ فقط آپ کی ذات ہے کہ باتفاق دوست و دُشمن کسی جنگ میں پیٹھ نہیں پھیری اور نہ کسی (بڑے سے بڑے سُورما) سے خوف کیا۔ خدا نے ان تمام خصلتوں کے ذکر کے بعد فرمایا۔ کہ یہی لوگ ہیں جو سچے اور راستگو ہیں۔ اُن کے علاوہ دُوسرے نہیں ہیں اور یہی لوگ ہیں جو پرہیزگار ہیں۔ یعنی جس صادق کی اطاعت و پیروی کا ہم نے حکم دیا ہے کہ یہ صفات اس میں مجتمع ہوں گے وُہ امیرالمومنینؑ ہیں۔ اور لفظ جمع سے ان کی تعبیر تعظیم و عظمت کے لیے ہے کیونکہ اہلِ عرب لفظ جمع واحد پر اطلاق کرتے ہیں جبکہ اُس کی بلندی اور رفعتِ شان کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ لفظِ جمع اِس اشارہ کے لیے لاتے ہیں کہ کچھ دُوسرے لوگ بھی اس امر میں شریک ہیں اور اس جگہ یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ تمام ائمہ اطہار اس مرتبہ اور ان جلیلہ صفتوں میں اُن حضرت کے شریک ہیں [۱]

---

[۱] مؤلف فرماتے ہیں کہ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں مجاہد سے اُس نے ابنِ عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت امیرالمومنینؑ کے پاس چار درہم تھے۔ ان کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ آپ نے ایک درہم پوشیدہ طور سے خیرات کیا۔ ایک علانیہ طور سے۔ ایک رات کو دیا اور ایک دن کو دیا۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار سراً و علانیۃً الخ

(بقیہ اگلے صفحے پر)

(تیسرے) یہ کہ مخالفین موافقین کے طریقہ سے بہت سی حدیثیں آپ کے صدق اور صدیق ہونے کی آیتوں کی تفسیر میں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ ابنِ مردویہ و حافظ ابونعیم نے حلیہ میں اور سیوطی نے تفسیر درمنثور میں اسی طرح دوسرے مفسرین نے ابنِ عباس اور مجاہد سے روایت کی ہے خدا کے اس قول کی تفسیر میں کہ والذی جآء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون یعنی وہ شخص جو سچائی لایا اور اس کے ساتھ تصدیق کی، ایسے ہی پرہیزگار ہیں۔ کہتے ہیں کہ جو سچائی لایا، . . .

وہ جناب رسولِ خدا ہیں اور جس نے اُن کی تصدیق کی وہ حضرت علی بن ابی طالبؑ ہیں اس بنا پر موصول اُس میں صدق مقدر ہے۔ اور عربی دان کوفیوں نے موصول کو حذف کیا ہے۔ پھر حق تعالیٰ فرماتا ہے والذین امنوا باللہ ورسلہ اولئک ھم الصدیقون والشھدآء عند ربھم لھم اجرھم ونورھم احمد بن حنبل اور دوسری جماعت نے ابنِ عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت امیرالمومنین علیہ السّلام کی شان میں نازل ہوئی ہے جو خدا اور رسولؐ پر ایمان لائے۔ اور وہ بہت راستگو ہیں، اور تصدیق کرنے والے اور پیغمبروں کے گواہ ہیں اس کے کہ اُن پیغمبروں نے تبلیغ رسالت کی ہے جنابِ رسولِ خداؐ کی تصدیق پر اُن کے لیے ان کا اجر ہے اور اُن کا نور صراط پر ساتھ ہوگا۔ پھر خداوندِ عالم نے فرمایا ہے۔ ومن یطع اللہ والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھدآء والصالحین وحسن اولٰئک رفیقا۔ یعنی وہ لوگ جو خدا و رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں وُہ روزِ قیامت اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔ جن پر خدا نے انعام فرمایا ہے اور وہ پیغمبرانِ خدا اور صدیقین اور شہدا وصالحین ہیں اور وہ اچھے رفیق ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ پیغمبروں کے بعد شہیدوں اور صالحوں سے صدیقین زیادہ بلند مرتبہ ہیں اور یہ امامت و وصایت کے مصداق ہیں۔ اور خاص و عام نے بطریق متواترہ روایت کی ہے کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ اس امت کے صدیق ہیں۔ اور فخر رازی، ثعلبی اور احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اور ابن شہرویہ نے فردوس میں اور ابنِ مغازلی اور دوسروں نے جنابِ رسولِ خداؐ سے روایت کی ہے کہ صدیق تین اشخاص ہیں۔ حبیب بن نجار جو مومنِ آلِ یٰسین ہیں۔ حزقیل جو مومنِ آلِ فرعون ہیں اور علیؑ ابن ابی طالب جو ان میں افضل ہیں اور ثعلبی نے بسندِ دیگر روایت کی ہے کہ اُمتوں میں سب سے سبقت لے جانے والے تین اشخاص ہیں جو ایک چشم زدن کے لیے بھی خُدا کے منکر (کافر) نہیں ہوتے تھے۔ علی بن ابی طالبؑ اور صاحبِ آلِ یٰسین اور مومنِ آلِ فرعون۔ یہی حضرات صدیق ہیں اور علی بن ابی طالب ان میں سب سے افضل ہیں۔ حافظ ابونعیم

(بقیہ حاشیہ گزشتہ) جو شیخ مفید کے کلام میں گذر چکی۔ اور زید بن رومان سے روایت ہے کہ کسی شخص کی شان میں قرآن مجید کی اتنی آیتیں نہیں نازل ہوئیں جس قدر حضرت امیرالمومنینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ ۱۲

نے عبادبن عبداللہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے سُنا کہ امیرالمومنینؑ فرماتے تھے کہ میں صدیق اکبر ہوں میرے بعد کوئی یہ دعویٰ نہ کرے گا۔ مگر وہ جھوٹا ہوگا۔ میں نے دوسروں سے سات سال پہلے نماز پڑھی ہے۔ اور صدیق لغت اور عرف میں معصوم کے مترادف ہے یا اُس کے قریب اور صاحب صحاح نے کہا ہے کہ صدیق ہمیشہ تصدیق کرنے والا ہوتا ہے اور وہ وہ ہے جو اپنے قول کی اپنے کردار سے تصدیق کرے۔ خداوندِ عالم نے اس صفت سے پیغمبروں کی تعریف کی ہے حضرت ادریسؑ کی شان میں فرمایا ہے۔ انّہ کان صدیقا نبیا حضرت یوسفؑ کے حق میں فرمایا ہے۔ یوسف ایھا الصدیق) اور جو شخص ان آیات کا مصدق اور ان صفات کا مالک ہوگا، یقیناً امامت وخلافت کا اُس سے زیادہ حق دار ہے جس میں یہ صفت نہ ہو۔ پھر اُس کو افترا کے ساتھ صدیق کہتے ہیں جیسا کہ برعکس نہند نام زنگی کافور (زنگی سیاہ فام اپنا نام کافور رکھتے ہیں)۔

(چوتھے) خداوندعالم فرماتا ہے افمن کان علی بینۃ من ربہ ویتلوہ شاھد منہ یعنی وہ شخص جو اپنے پروردگار کی جانب سے حجت و برہان پر ہو اور اس کے پیچھے اُس کا گواہ ہو، کیا اُس کے مانند ہے جو ایسا نہ ہو؟ جو دلیل وحجت پر ہیں وہ جنابِ رسولِ خداؐ ہیں اور شاہد میں اختلاف ہے۔ حدیث معتبرہ میں وارد ہوا ہے کہ مراد شاہد سے امیرالمومنینؑ ہیں جو آنحضرتؐ کی حقیت پر گواہ ہیں۔ ابن ابی الحدید اور ابن مغازلی اور سیوطی نے درمنثور میں اور طبری اور اکثر عامہ نے متعدد طرق سے عبادہ بن عبداللہ اور عبداللہ بن حارث سے روایت کی ہے کہ ایک روز امیرالمومنینؑ نے فرمایا کہ قریش میں کوئی ایسا نہیں جس کی مدح یا مذمت میں ایک آیت یا دو آیت نہ نازل ہوئی ہو۔ ایک شخص نے پوچھا آپ کی شان میں کون سی آیت نازل ہوئی ہے۔ حضرت یہ سُن کر غضبناک ہوئے اور فرمایا کہ سورۂ ہود میں یہ آیت کیا تو نے نہیں پڑھی ہے۔ کہ رسولِ خدا حق تعالیٰ کی جانب سے حجت و برہان پر ہیں اور میں ان کا گواہ ہوں۔ فخررازی نے جب اِس روایت کو ذکر کیا، کہا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس گواہ کی شرافت کے لیے فرمایا ہے کہ اُسی سے ہے (یعنی رسولِ خداؐ سے) یعنی اُن سے مخصوص ہیں اور ان کے جسم کے ٹکڑے کے مانند ہیں۔ اِس تفسیر کی بنا پر چاہیئے کہ جنابِ امیرؑ رسولِ خداؐ کے تالی (پیچھے آنے والے) ہوں اور اُن کے بعد بلا فاصلہ خلیفہ ہوں۔ اور اگر فضل میں تالی مراد ہوں تو وہ امامت پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ تفضیل مفضول قبیح ہے۔ ایضاً اُن حضرت کی عصمت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ گواہی میں ایک شخص جب تک معصوم نہ ہو مدعا ثابت نہ ہوگا۔

(پانچویں) آیۂ انّما انت منذر ولکل قوم ھاد، یعنی اے رسولؐ تم نہیں ہو مگر اس گروہ کو عذاب الٰہی سے ڈرانے والے اور ہر قوم کے لیے ایک ہدایت کرنے والا ہے بعضوں نے کہا ہے کہ تمُ ہر گروہ کے ہدایت کرنے والے ہو اور جو آیت کے اسلوب میں غور کرے تو اس کو معلوم

ہوگا کہ معنی اوّل زیادہ واضح ہے اور اس پر شیعوں کے طریقہ سے احادیث مستفیضہ وارد ہوئی ہیں اور عامہ نے بھی بطریق متعدد روایت کی ہے چنانچہ شواہد التنزیل میں ابی بردہ اسلمی سے روایت کی ہے کہ ایک روز جناب رسولِ خداؐ نے آبِ وضو طلب فرمایا۔ جب وضو سے فارغ ہوئے تو حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینہ حقائق دفینہ پر پھیرا اور فرمایا انما انت منذر پھر اپنا ہاتھ علی مرتضیٰؑ کے سینہ ...... پر رکھا اور فرمایا۔ ولکل قوم ھاد پھر فرمایا تم ہی نور بخش خلائق اور علامت راہِ ہدایت ہو اور قاریانِ قرآن کے امیر اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ایسے ہی ہو اور حافظ ابونعیم اصفہانی جو عامہ کے محدثین میں مشہور محدث ہیں، اپنی کتاب "ما نزل من القرآن فی حق علی علیہ السلام" میں کئی سندوں سے ابن عباس سے یہ روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی جناب رسولِ خداؐ نے اپنا دستِ مبارک علی علیہ السلام کے کاندھے پر رکھا اور فرمایا اے علیؑ تم ہی ہادی ہو اور تم سے میرے بعد ہدایت پانے والے ہدایت پائیں گے۔ ثعلبی نے بھی ابنِ عباس کی تفسیر میں روایت کی ہے۔

اور ابونعیم نے دوسری سند سے جناب رسولِ خداؐ سے روایت کی ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ میں منذر (ڈرانے والا) اور علیؑ ہادی ہیں۔ اے علیؑ تم سے ہدایت پانے والے ہدایت پائیں گے۔ اور دوسری روایت کے مطابق جناب امیرؑ سے روایت کی ہے کہ منذر رسول اللہؐ ہیں اور ہادی بنی ہاشم میں سے ایک مرد ہے اور معلوم ہے کہ مرد سے مراد خود اپنی ذات لی ہے۔ چنانچہ ثعلبی نے اُس کے بعد جبکہ یہ روایت دو سندوں سے حضرت امیرؑ سے روایت کی ہے کہا ہے فی نفسہ یعنی حضرتؑ نے بنی ہاشم میں سے ایک مرد سے خود اپنی ذات مراد لی ہے۔ عبداللہ بن احمد و ابن حنبل نے بھی اپنی مسند میں اس حدیث کی روایت کی ہے اور یہ آیہ کریمہ اس تفسیر کی بنا پر جو خاصہ و عامہ کی روایاتِ مستفیضہ میں وارد ہوئی ہے، اُس پر دلالت کرتی ہے جو کچھ فرقہ ناجیہ امامیہ رضوان اللہ علیہم قائل ہیں کہ کوئی زمانہ بندوں پر حجت خدا سے خالی نہیں رہتا۔ یا کوئی پیغمبر یا وصیِ پیغمبر یا کوئی امام جو لوگوں کی دینِ خدا کی اور عبادت کے طریقہ کی ہدایت کرتا ہے، لوگوں کو ضلالت و گمراہی سے محفوظ رکھتا ہے۔ جیسا کہ عقل بھی اس پر شاہد عدل ہے۔ والحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدینا اللہ (اُس خدا کا شکر ہے جس نے اس طریقہ کی ہم کو ہدایت کی اگر خدا ہماری ہدایت نہ کرتا تو ہم ہدایت نہ پاتے)۔

(چھٹی) ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد یعنی لوگوں میں ایک شخص وہ بھی ہے جو اپنی جان خدا کی خوشنودی کے عوض فروخت کرتا ہے، اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔

عامہ وخاصہ کے طرق سے احادیث مستفیضہ بلکہ متواترہ وارد ہوئی ہیں کہ یہ آیت مولائے مومنین کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ جس رات کو کفارِ قریش نے جنابِ رسولِ خداؐ کے قتل پر اتفاق کیا تھا اور آنحضرتؐ خدا کی جانب سے مامور ہوئے کہ اُن سے پوشیدہ ہو جائیں اور غار میں چلے جائیں۔ کفارِ قریش نے اس رات آنحضرتؐ کے خانۂ اقدس کا محاصرہ کر لیا تھا اور صبح کا انتظار کر رہے تھے اور آنحضرتؐ کو خدا کا حکم ہوا کہ امیر المومنینؑ کو اپنی جگہ (اپنے بستر پر) سلا دیں تاکہ کفارِ قریش کو گمان ہو کہ خود جناب رسول صلعم ہیں۔ اور حضرتؐ باہر چلے جائیں۔ جب آنحضرتؐ نے یہ خوشخبری جناب امیرؑ کو پہنچائی وہ حضرت خوش ہو گئے اور اس نعمت کے شکریہ میں کہ اپنی جان شیریں کو حضرت سرورِ عالمینؐ کی جان اقدس پر فدا کریں گے، سجدۂ شکر ادا کیا اور آنحضرتؐ کے بستر پر سو گئے اور مشرکین کی سو برہنہ تلواروں میں اپنی جان پر خرید فرمائی۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور ان حضرت کی شان میں اس آیت کے نزول کی مخالفین نے اپنی تفسیر کی کتابوں میں متعدد طریقوں سے روایت کی ہے۔ جیسے فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اور نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں اور حافظ ابو نعیم نے نزولِ آیات میں اور احمد نے مسند میں اور سمعانی نے فضائل میں اور غزالی نے احیاء العلوم میں اور تمام مورخین و محدثین و شعراء نے۔

ہم اس رسالہ میں ثعلبی اور ابو نعیم کی چند روایتوں پر اکتفا کرتے ہیں ثعلبی نے اپنی مشہور تفسیر میں سدی سے اُس نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اُس رات کو جبکہ جنابِ رسولِ خداؐ نماز میں تشریف لے گئے اور علیؑ ابن ابی طالب کو اپنے بستر پر سلا دیا تھا۔ نیز روایت کی ہے کہ جب جنابِ رسولِ خداؐ نے مدینہ کی جانب ہجرت کا ارادہ کیا، حضرت امیر علیہ السلام کو مکہ میں چھوڑا تاکہ آنحضرتؐ کے قرض ادا کریں اور لوگوں کی امانتیں جو آنحضرتؐ کے پاس تھیں، ان کو واپس دے دیں۔ اُس رات جب کہ آنحضرتؐ نے چاہا کہ غار میں جائیں اور مشرکین نے آنحضرتؐ کے مکان کا محاصرہ کر لیا تھا۔ حضرتؐ نے جنابِ امیرؑ کو حکم دیا کہ آپؑ کے بستر پر سو رہیں اور فرمایا وہ سبز چادرِ حضرمی جو راتوں کو اوڑھا کرتا ہوں اوڑھ لو اور میرے بستر پر سو رہو۔ اگر خدا نے چاہا تو تم کو کوئی ضرر نہ پہنچے گا۔ جنابِ امیرؑ نے ایسا ہی کیا۔ اُس وقت خدائے تعالیٰ نے جبرئیل و میکائیل علیہما السلام کو وحی کی کہ میں نے تمہارے درمیان برادری قرار دی ہے اور تمہاری دونوں کی عمریں ایک دوسرے سے دراز کی ہیں۔ تم میں سے کون دوسرے کو اپنی جان کے عوض طولِ زندگی کے لیے اختیار کرتا ہے۔ لیکن اُن دونوں فرشتوں میں سے کسی ایک نے اپنی طول زندگی سے ہاتھ نہیں اُٹھایا اور دوسرے کی زندگی کی درازی اپنے اوپر اختیار نہیں کی۔ اُس وقت خداوند عالم نے ان کو وحی کی کہ کیوں تم مثلِ علیؑ ابن ابی طالب کے نہ ہوئے کہ میں نے اُن کو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

کا بھائی قرار دیا ہے۔ وہ محمدؐ کے بستر پر اُن پر اپنی جان فدا کرکے سو رہے ہیں اور محمدؐ کی زندگی کو اپنی زندگی پر اختیار کیا ہے۔ اب زمین کی جانب جاؤ اور اُن کی دشمنوں کے شر سے حفاظت کرو۔ یہ حکم ملتے ہی وہ دونوں فرشتے زمین پر آئے اور جبرئیلؑ جناب امیرؑ کے سرہانے بیٹھے اور میکائیل آپ کے پائنتی بیٹھے اور جبرئیل نے ندا دی کہ اے پسر ابوطالب تمہارے مثل کون ہے کہ خدا تم پر فرشتوں سے مباہات کرتا ہے۔ اور یہ آیت علیؑ کی شان میں آنحضرتؐ کے پاس بھیجی جس وقت کہ حضرتؐ مدینہ طیبہ کی جانب متوجہ تھے۔ اور حافظ ابونعیم نے بھی اس آیت کا علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہونا ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔

(ساتویں وجہ) آیۂ کریمۂ تطہیر انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا یعنی خدا نے ارادہ کیا ہے کہ اے اہلبیت پیغمبر تم سے شرک و گناہ و شک اور ہر بدی کو دُور رکھے اور تم کو پاک رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے۔ واضح ہو کہ خاصہ و عامہ کے طرق سے معتبر حدیثیں وارد ہوئی ہیں کہ یہ آیت امیرالمومنینؑ و جناب فاطمہؑ اور امام حسنؑ و امام حسینؑ علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے اور عامہ کی جمیع صحاح اور اُن کی معتبر تفسیروں میں مذکور ہے جیسا کہ ثعلبی نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ یہ آیت میری، علی و فاطمہ و حسن و حسین (علیہم السلام) کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ نیز ثعلبی وغیرہ نے ام سلمیٰ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ جناب رسولِ خدا میرے مکان میں تھے۔ فاطمہؑ آنحضرتؐ کیلئے حریرہ لائیں۔ حضرت چبوترہ پر بیٹھے تھے جو آنحضرتؐ کی خواب گاہ تھا۔ اُس پر خیبری چادر بچھا رکھی تھی اور میں حجرہ میں نماز پڑھ رہی تھی۔ جناب رسولِ خداؐ نے فاطمہؑ سے فرمایا کہ اپنے شوہر اور اپنے لڑکوں کو بلاؤ، تو علی و حسن و حسین علیہم السلام آئے۔ سب حضرات بیٹھ گئے اور حریرہ کھانے میں مشغول ہوگئے۔ اُس وقت حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ جناب رسولِ خداؐ نے عبا اپنی اُن حضرات پر بھی اوڑھا دی اور اپنے دستِ مبارک آسمان کی جانب بلند کرکے دُعا کی کہ خداوندا یہ میرے اہلبیت ہیں اور میرے مخصوص افراد ہیں لہٰذا ان سے رجس کو دُور رکھ۔ اور پاک رکھ ان کو جو پاک رکھنے کا حق ہے۔ امِ سلمہؓ کہتی ہیں کہ میں نے گھر میں اپنا سر داخل کیا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ کیا میں بھی اس شرف میں آپ حضرات کے ساتھ ہوں۔ حضرت نے دو مرتبہ فرمایا کہ تمہاری عاقبت بخیر ہے۔ اور مجھ کو اُن میں داخل نہیں کیا۔ نیز ثعلبی نے مجمع سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں اپنی ماں کے ساتھ عائشہ کے پاس گیا۔ میری ماں نے جنگِ جمل میں خروج کرنے کا سبب پوچھا تو انھوں نے کہا کہ خدا کی قضا و قدر کا ایک امر تھا۔ میری ماں نے کہا علیؑ کے بارے میں آپ کیا کہتی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ تم اس کے بارے میں پوچھتی ہو جو رسولِ خدا کے نزدیک مردوں میں سب سے زیادہ محبوب تھا

اور عورتوں میں سب سے محبوب خاتون کا شوہر تھا۔ یقیناً میں نے علی و فاطمہ اور حسن و حسین علیہم السلام کو دیکھا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو چادر کے اندر جمع کیا اور کہا خداوندا یہ میرے اہلبیت اور مخصوص افراد اور میرے دوست ہیں لہٰذا ان سے رجس کو دور رکھ اور ان کو پاک رکھ جو پاک رکھنے کا حق ہے۔ میں نے چاہا کہ چادر کے اندر میں بھی داخل ہوں تو فرمایا کہ دور رہو۔ نیز اُن حضرات کے حق میں آیت کے نازل ہونے کے بارے میں عبداللہ بن جعفر طیار سے روایت ہے کہ آنحضرت کی زوجہ حضرت زینب نے چاہا کہ داخل ہوں، حضرتؐ راضی نہ ہوئے۔ اور واثلہ بن اسقع سے روایت کی ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ میرے اہلِ بیت احق ہیں یعنی خلافت کے اور ہر چیز کے زیادہ حق دار ہیں اور ابنِ عباس سے روایت کی ہے اور صاحب جامع الاصول نے صحیح ترمذی سے روایت کی ہے کہ ام سلمہ نے کہا کہ یہ آیت میرے مکان میں نازل ہوئی۔ میں دروازہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی میں نے آنحضرتؐ سے عرض کی کیا میں اہلبیت میں سے نہیں ہوں۔ فرمایا کہ تمھاری عاقبت بخیر ہے تم ازواجِ رسول میں سے ہو۔ اُس مکان میں نزولِ آیت کے وقت جنابِ رسولِ خدا علی و فاطمہ و حسن و حسین صلوات اللہ علیہم اجمعین تھے۔ حضرت نے عبا اُن پر اُڑھائی اور فرمایا خداوندا یہ ہیں میرے اہلبیت ان سے رجس کو دور رکھ اور ان کو پاک رکھ جو پاک رکھنے کا حق ہے۔ اور جامع الاصول میں دوسری روایت کے مطابق کہا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ میرے اہلبیت اور میرے مخصوص افراد ہیں۔ اُمِ سلمہ رضؓ نے بھی التماس کیا کہ چادر میں ان کے ساتھ داخل ہوں جناب رسولِ خداؐ نے منظور نہ فرمایا، اور فرمایا کہ تمھاری عاقبت بخیر ہے۔ پھر صحیح ترمذی سے عمر بن ابی سلمہ سے اسی مضمون کی روایت کی ہے اور صاحب جامع الاصول اور صاحبِ مشکوٰۃ نے صحیح مسلم عائشہ سے روایت کی ہے۔ ایک روز جنابِ رسولِ خداؐ باہر نکلے آپ ایک سیاہ منقش چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ آپ نے علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کو اُس چادر کے اندر داخل فرما کر اس آیت کو پڑھا۔ اور ثعلبی نے بھی اس حدیث کو عائشہ رضؓ سے روایت کی ہے اور ابنِ حجر نے جو ان کے عالموں میں سب سے زیادہ متعصب ہیں کتاب صواعق محرقہ میں لکھا ہے کہ اکثر مفسروں کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ آیۂ مبارکہ علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے اِس اعتبار سے کہ ضمیر عنکم جمع مذکر ہے اور صحیح مسلم اور جامع الاصول میں روایت ہے کہ حصین بن سمرہ نے زید بن ارقم سے پوچھا کہ کیا آنحضرتؐ کی بیبیاں آپ کے اہل بیت میں داخل ہیں، زید نے کہا نہیں واللہ زوجہ ایک عرصہ تک شوہر کے ساتھ رہتی ہے۔ جب وہ طلاق دے دیتا ہے تو اپنے باپ کے گھر چلی جاتی ہے اور اپنی قوم سے مل جاتی ہے۔ بلکہ آنحضرتؐ کے اہلِ بیتؑ آپؐ کے قرابتدار ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ اور جامع الاصول میں صحیح ترمذی سے روایت کی ہے کہ انس بن مالک نے

کہا کہ جب آیۂ تطہیر اہلبیتؑ کی شان میں نازل ہوئی آنحضرتؐ تقریباً چھ ماہ تک جب نماز کے لیے حجرہ سے نکلتے تھے تو فاطمہؑ کے دروازہ پر کھڑے ہوکر فرماتے تھے والصلوٰۃ یا اھلبیتی اے میرے اہلبیت نماز کے لیے چلو۔ پھر آخر تک آیۂ تطہیر کی تلاوت فرماتے تھے۔ اور خاصہ و عامہ نے بہت سے طریقوں سے ابوسعید خدری اور انس بن مالک اور عائشہ اور ام سلمہ اور واثلہ وغیرہم سے روایت کی ہے کہ یہ آیت مبارکہ آلِ عبا کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ الغرض خاصہ و عامہ کے متواتر اخبار سے ظاہر ہوا کہ یہ آیت ان پانچ حضرات کے لیے مخصوص ہے اور آنحضرتؐ کی بیبیاں اور دوسرے اعزا اس میں داخل نہیں ہیں۔ لہٰذا آیت دلالت کرتی ہے کہ وہ حضرات کفر و نفاق، شک و شرک اور ہر گناہ سے معصوم ہیں۔ کیونکہ ارادہ کو چند معنی میں اطلاق کرتے ہیں (اوّل) وہ ارادہ جس کے بعد بلا فاصلہ مراد حاصل ہو جیسا کہ خداوندِ عالم نے فرمایا انّما امرہ اذا اراد شیئًا ان یقول لہ کن فیکون یعنی خدا کا ارادہ تو جس چیز کے لیے ہوتا ہے تو بس کہہ دیتا ہے کہ ہو جا۔ تو وہ ہو جاتی ہے۔ (دوسرے) ارادہ بمعنی عزم ہے اور وہ خدا کے لیے محال ہے کہ نہ ہو۔ آیۂ سابقہ بھی صریح ہے اس پر کہ ارادۂ الٰہی اُس کے مراد سے پیچھے نہیں رہتا۔ (تیسرے) ارادہ بمعنی تکلیف ہے اور اس معنی کا اس آیت میں چند وجوہ کی بنا پر احتمال نہیں ہے۔ وجہ اوّل یہ کہ کلمۂ انما باتفاق عربی داناں حصر پر دلالت کرتا ہے۔ اور اہلبیت سے رجس کے دُور ہونے کی تکلیف خصوصیت نہیں رکھتی ہے بلکہ تمام مکلّفین حتّٰی کہ کفار بھی اس امر میں مکلّف ہیں اور خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے جن و انس کو نہیں پیدا کیا مگر اپنی عبادت کے لیے۔ دوسری وجہ یہ کہ متواتر حدیثوں کے طرز و اسلوب سے معلوم ہے کہ یہ آیت مدح و ثنا میں نازل ہوئی ہے۔ لہٰذا جنابِ رسولِ خداؐ نے ان کو مخصوص قرار دیا اور چادر اُن پر اُڑھا دی اور فرمایا کہ یہی میرے اہلبیت اور میرے مخصوص افراد ہیں تو آیت عظیم تاکیدات سے موکّد نازل ہوئی۔ چنانچہ فخرالدین رازی نے باوجود تعصب کے کہا ہے کہ لیذھب عنکم الرجس یعنی تمام گناہوں کو تم سے زائل کرے ویطھرکم تطھیرا یعنی اپنی کرامتوں خلعتوں کو تمھیں پہنائے۔ اگر گناہوں کے ترک کی تکلیف مراد ہوتی جس میں کفار اور فاسقین سب شریک ہیں تو کون سی تکلیف اور کون سی شرافت اور کون سی کرامت اُس میں ہوتی۔ (تیسری وجہ) یہ کہ اکثر روایتوں میں مذکور رہا ہے کہ یہ آیت آنحضرتؐ کی دُعا اور استدعا کے بعد نازل ہوئی ہے اور جو حضرتؐ نے استدعا کی تھی وہ رجس کا زائل ہونا تھا نہ ارادہ جو حصول کا پیرو نہیں ہوتا۔ اگر یہ معنی مراد ہوتے تو آیت آنحضرت کی دعا کے رد پر ہوگی قبولیت پر نہ ہوگی۔ (چوتھی وجہ) یہ کہ اگر یہ معنی مراد ہوتے تو ام سلمہؓ کیوں اس قدر مبالغہ کرتیں کہ اپنے کو عبا میں داخل کریں اور حضرتؐ ان کے داخل کرنے سے کیوں انکار کرتے اِس معنی میں

کہ ہر شخص اُس میں داخل ہے۔ اور یہ جو بعض مخالفین نے کہا ہے کہ یہ آیت اُن آیتوں کے درمیان میں ہے جن میں آنحضرتؐ کی بیبیوں سے خطاب ہوا ہے۔ لہٰذا اس آیت میں بھی وہ مخاطب ہوں گی چند وجوہ سے باطل ہے۔

(وجہ اوّل) یہ کہ ضمیر مونث کا ضمیر مذکر میں تبدیل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ خطاب اُن بیبیوں سے نہیں ہے۔ اور جو شخص آیاتِ قرآنی میں غور و فکر کرتا ہے جانتا ہے کہ آیات میں اس طرح کے مواقع بہت ہیں کہ ایک قصہ کے درمیان دوسرا قصہ مذکور ہو جاتا ہے اور خطاب میں تبدیلی بہت ہوتی ہے جیسا کہ اِس سُورہ میں بھی اس طرح واقع ہوا ہے کہ ازواج سے خطاب کے درمیان مومنین کی جانب خطاب کا رُخ بدل گیا ہے۔ اُس کے بعد پھر اُن ہی (بیبیوں) سے خطاب ہُوا ہے باوجودیکہ اِس جگہ پُوری مناسبت ختم ہے اگر کوئی غور کرے کیونکہ اس جگہ کلام کا تبدیل ہونا عورتوں کی نسبت سے تبدیلی ہے کہ تمُ اور اہلِ بیت سب آنحضرتؐ کے ساتھ رہو۔ بلکہ تمھاری مُعاشرت اُن سے زیادہ ہے تو کیوں تم طہارت و نزاہت و آدابِ معاشرت کی رعایت میں ان کے مانند نہیں ہوتیں یا یہ کہ ایسا نہ ہو کہ کسی کو گمان ہو کہ باوجود اس اختصاص کے عورتوں کے ایسے اعمال صادر ہوتے ہیں تو ممکن ہے اہلبیت سے بھی ایسے ہی العیاذ باللہ صادر ہوں اور ان کی عصمت کے ذیل میں طہارت کے بیان کے لیے ان حضرات کو درمیان میں داخل کر دیا ہو گا۔ اور یہ دو وجہیں جو اس فقیر (علاّمہ مجلسیؒ) کے دل میں آئی ہیں اُن وجہوں سے ربط و نظم میں زیادہ واضح اور آسان ہیں جو مفسروں نے بیان کی ہیں

(وجہ دوم) یہ کہ یہ بات اُس صورت میں حجت ہوتی ہے جبکہ قرآن مجید سے کوئی چیز ساقط نہ ہُوئی ہوتی اور یہ معلوم نہیں۔ کیونکہ صاحب جامع الاصول نے زید بن ثابت سے نقل کیا ہے۔ کہ اس کے بعد جبکہ ہم نے قرآن جمع کر لیا تو آیہ رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ کو خزیمہ بن ثابت کے پاس پایا۔ پھر قرآن میں ملحق کیا۔ لہٰذا ممکن ہے کہ بہت سی آیتیں اس آیت کی سابق اور لاحق میں رہ گئی ہوں جو اس آیت میں شامل نہ کی گئی ہوں اور حضرت صادقؑ سے منقول ہے کہ سُورۂ احزاب میں قریش کے مردوں اور عورتوں کی مذمت میں آیتیں بہت تھیں وہ سُورۂ بقرہ سے زیادہ بڑی تھیں۔ ان لوگوں نے کم کر دیا اور تحریف کی۔

(وجہ سوم) یہ کہ یہ بھی معلوم نہیں کہ قرآن کی ترتیب تنزیل کے مُطابق ہو۔ کیونکہ بہت سی مکی سُوروں کے بارے میں تصریح کی ہے کہ بعض آیتیں مدنی ہیں اور اس کے برعکس بھی کہ ممکن ہے دوسرے وقت نازل ہُوئی ہو اور اس جگہ جان کر یا نادانستہ شامل کر دیا ہو۔

(وجہ چہارم) جبکہ خاصہ و عامہ کی احادیث صحیحہ متواترہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ آیت مخصوص

اہلبیت کی شان میں ہے۔ اگر ربطِ آیات کا سبب ہم پر ظاہر نہ ہو تو کوئی ضرر نہیں اور ان کے دوسرے اعتراضات کے جوابات میں نے اپنی بڑی کتابوں میں درج کیے ہیں جن کے ذکر کی اس رسالہ میں گنجائش نہیں ہے اور جب خداوندِ عالم نے رجس اُن سے زائل کر دیا ہے تو چاہیئے کہ اُس کے مخاطب تمام افراد اُس سے دُور ہوں خصوصاً جبکہ اس مُبالغہ کے بعد جو تطہیر میں واقع ہوا ہے جس کا واضح قرینہ عموم پر ہے۔ اس لیے چاہیئے کہ وہ حضرات تمام گناہوں سے پاک ہوں لہٰذا معصوم ہیں۔ اگر کہیں کہ آئندہ کی عصمت پر آیت دلالت نہیں کرتی تو ہم کہیں گے عصمت جو فی الجملہ حاصل ہے وہی کافی ہے کیونکہ اُمت میں سے کوئی قائل نہیں ہے کہ بعض اوقات معصوم رہے ہوں اور بعض وقت نہ رہیں اور یہ اجماع مرکب توڑنے والی بات ہے جس کو وہ لوگ جائز نہیں جانتے باوجودیکہ جس جگہ قرآن مجید میں اس صیغہ کے ساتھ ارادہ وارد ہوا ہے اس سے مراد حصول بالفعل اور دوامی ہے۔ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔ ویرید اللہ ان یخفف عنکم۔ ویریدون ان یبدلوا کلام اللہ۔ ویرید الشیطان ان یضلھم۔ اس کے مثل بہت سی آیتیں ہیں اور جب عصمت ثابت ہوئی تو امامت بھی ان کے مردوں میں ثابت ہوتی ہے۔ اُن دلائل سے جو اماموں کی عصمت میں مذکور ہوئیں اس لیے کہ باتفاق امت ان کے علاوہ معصوم نہیں ہیں۔

(آٹھویں وجہ) آیۂ مباہلہ ہے فمن حاجّک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم ثمّ نبتھل فنجعل لعنت اللہ علی الکاذبین ٥ اے رسولؐ جو شخص تم سے عیسٰیؑ کے بارے میں جھگڑا کرے اُس کے بعد جبکہ تمھارے پاس اس کا علم آچکا ہے تو اُن سے (نصارائے نجران سے) کہو کہ ہم بُلاتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور تم اپنے بیٹوں کو۔ ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو۔ ہم اپنی جانوں کو اور تم اپنی جانوں کو۔ پھر مُباہلہ کریں پھر خدا سے گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر لعنت کریں خاصہ وعامہ کے طریقہ سے بہت سی متواتر حدیثیں وارد ہوئی ہیں کہ یہ آیت آلِ عبا کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ صاحب مشکوٰۃ اور جامع الاصول اور دوسروں نے صحیح مسلم سے سعد بن وقاص سے روایت کی ہے کہ جب آیۂ مُباہلہ نازل ہوئی رسُولِ خداؐ نے علی، فاطمہ، حسن و حسین علیہم السّلام کو طلب فرمایا اور فرمایا اللّٰھم ھؤلاء اھلبیتی (خداوندا یہی میرے اہلبیت ہیں) نیز مشکوٰۃ و صحیح مسلم و جامع الاصول میں عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ جنابِ رسُولِ خداؐ ایک صبح ایک رنگین چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ اُن کے پاس حسنؑ آئے آپؐ نے اُن کو عبا کے اندر داخل کر لیا۔ پھر حسینؑ آئے اُن کو بھی داخلِ عبا کر لیا۔ پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی اور حافظ ابو نعیم اور دوسروں نے ابن عباس سے روایت کی

ہے کہ جب اہلِ نجران آئے حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تو رسولِ خداؐ علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السّلام کے ساتھ آئے اور اُن سے فرمایا کہ جب میں دُعا کروں تم آمین کہنا یہ دیکھ کر اہلِ نجران نے ایک دُوسرے پر لعنت بھیجنے سے انکار کیا۔ اور حضرتؐ سے جزیہ دینے پر صلح کرلی۔ صاحب کشاف نے روایت کی ہے کہ جب جناب رسُولِ خداؐ نے نصاریٰ کو مباہلہ کی دعوت دی تو اُن لوگوں نے کہا کہ ہم کو مہلت دیجیئے تاکہ ہم جاکر غور و فکر کرلیں تو کل مُباہلہ کے لیے آئیں گے۔ جب وہ آپس میں مل کر بیٹھے اپنے صاحبِ رائے سے کہا اے عبدالمسیح تم کیا مصلحت دیکھتے ہو۔ اُس نے کہا کہ اے گروہ نصاریٰ خدا کی قسم تم نے جان لیا ہے کہ محمدؐ پیغمبر مُرسل ہیں اور حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں حجتِ قاطعہ پیش کر دی ہے۔ خدا کی قسم کسی گروہ نے اپنے پیغمبر سے مُباہلہ نہیں کیا کہ اُن کا بزرگ زندہ رہا ہو اور ان کے لڑکے بڑے ہوئے ہوں۔ اگر مباہلہ کرو گے اسی وقت سب کے سب ہلاک ہوجاؤ گے۔ اگر بلاشبہ اپنے دین سے اُلفت رکھتے ہو اور چاہتے ہو کہ اُس سے جُدا نہ ہو تو آنحضرتؐ سے صلح کرلو اور اپنے شہر واپس چلو۔ الغرض وہ لوگ آنحضرتؐ کے پاس آئے۔ حضرت مُباہلہ کے لیے صبح ہی کو آگئے تھے حضرت امام حسینؑ کو گود میں لیے ہوئے۔ امام حسنؑ کا ہاتھ پکڑے ہُوئے تھے حضرت فاطمہؑ آپؐ کے پیچھے تھیں اور جناب علیؑ اُن کے پیچھے تھے۔ جنابِ رسولِ خداؐ اُن سے فرما رہے تھے کہ جب میں دُعا کروں تم لوگ آمین کہنا۔ یہ دیکھ کر نجرانی اسقف (عیسائیوں کے سب سے بڑے پادری) نے کہا کہ اے گروہ نصاریٰ میں چند ایسے چہرے دیکھتا ہوں کہ اگر خدا سے چاہیں کہ اس پہاڑ کو اپنی جگہ سے اُکھاڑ دے تو وہ رد نہ کرے گا۔ لہٰذا اگر ان سے مُباہلہ کرو گے تو سب کے سب ہلاک ہوجاؤ گے اور قیامت تک رُوئے زمین پر ایک نصرانی باقی نہ رہے گا۔ یہ سُن کر اُن لوگوں نے کہا اے ابوالقاسم ہماری رائے اس پر قرار پائی ہے کہ آپ سے مُباہلہ نہ کریں آپ اپنے دین پر رہیں اور ہم اپنے دین پر قائم رہیں۔ یہ سُن کر حضرتؐ نے فرمایا کہ جب تم مُباہلہ کرنے سے انکار کرتے ہو تو مسلمان ہوجاؤ تاکہ تمھارے لیے وہ تمام مراعات حاصل ہوں جو مسلمانوں کے لیے ہیں اور جو کچھ فرائض مُسلمانوں پر عائد ہیں وہ تمھارے لیے بھی ہوں گے۔ لیکن اِن لوگوں نے انکار کیا تو حضرتؐ نے فرمایا کہ میں تمھارے ساتھ جنگ کروں گا۔ ان لوگوں نے کہا ہم کو اہلِ عرب سے جنگ کی طاقت نہیں ہے۔ لیکن ہم آپ سے صلح کرتے ہیں۔ آپ ہم سے جنگ نہ کیجیئے اور نہ ہم کو ڈرائیے اور ہم کو ہمارے دین سے برگشتہ نہ کیجیئے۔ ہم اس شرط کے ساتھ صلح کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کو جزیہ میں ہر سال دو ہزار حلّے دیں گے۔ ماہ صفر میں ہزار حلّے اور ماہ رجب میں ہزار حلّے۔ اور تیس زرہ عادی فدیہ دیں گے۔ الغرض حضرتؐ نے اِس طرح ان سے صلح کرلی اور فرمایا کہ خدائے لایزال کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اہلِ نجران کی ہلاکت قریب آچکی تھی۔ اگر مُباہلہ کرتے

توسب مثل بندر اور سور کے مسخ ہوجاتے اور یہ وادی اُن کے لیے آگ ہوجاتی ۔ بیشک خدا نے عالم نجران اور اہلِ نجران کو فنا کر دیتا بلکہ درختوں پر طائروں کو بھی ۔ قبل اسکے کہ سال پورا ہوتا تمام نصاریٰ ہلاک ہوجاتے ۔ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں بھی یہی روایت بعینہا نقل کی ہے ۔ پھر صاحب کشاف نے عائشہؓ کی روایت کا ذکر کرکے آخر میں کہا ہے کہ جب آنحضرتؐ نے ان کو داخلِ عبا کیا ۔ فرمایا انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس الخ ۔ مُباہلہ کے واقعہ کا مضمون خاصہ و عامہ کے محدثین و مفسرین و مورخین کے درمیان متواتر ہے ۔ اگرچہ اُس کے بعض خصوصیات میں اختلاف ہے لیکن اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مباہلہ آلِ عبا کے ساتھ ہوا اور ان کے سوا کوئی عبا میں داخل نہ تھا ۔
بہرصورت یہ واقعہ پیغمبرؐ کی حقیقت اور علی مرتضیٰ کی امامت اور تمام آلِ عبا کی فضیلت پر متعدد صورتوں سے دلالت کرتا ہے ۔ اُن پر لاکھوں بار صلواۃ و سلام ہو ۔ **پہلی صورت** ۔ یہ کہ اگر جنابِ رسولِ خداؐ کو اپنی حقیقت پر کامل بھروسہ نہ ہوتا تو اس جرأت کے ساتھ مُباہلہ پر اقدام نہ فرماتے اور اپنے بہت زیادہ پیارے عزیزوں کو اُس گروہ کی سریع التاثیر دُعا کی شمشیر کی دھار کے مقابل نہ لاتے جو اپنی حقیقت کا گمان یا احتمال رکھتا تھا ۔ **دوسری صورت** ۔ یہ کہ آپ نے خبر دی کہ اگر تم لوگ میرے ساتھ مباہلہ کرتے تو تم پر خدا کا عذاب نازل ہوتا اور مباہلہ کرنے میں مبالغہ نہ فرماتے اگر اپنی حقیقت پر پورا یقین نہ رکھتے ہوتے اور یہ مُبالغہ کرنا اپنے کذب کی کوشش کے اظہار میں ہوتا اور کوئی غافل ایسا کام نہیں کرتا باوجود اس کے کہ تمام اہلِ ملل کا اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ ہر زمانہ کے عاقلوں سے بہت زیادہ صاحبِ عقل تھے ۔ **تیسری صورت** ۔ یہ کہ نصاریٰ نے مباہلہ سے انکار کیا ۔ اگر آنحضرتؐ کی حقیت کا علم نہ رکھتے ہوتے تو چاہیئے تھا کہ آنحضرتؐ اور آپ کے اہلبیت کے لعنت کرنے کی پرواہ نہ کرتے اور اپنی قوم کے سامنے اپنی عزت و رتبہ کی حفاظت کرتے اور جنگِ مہلکہ پر اقدام کرتے ، اپنی عورتوں ، بچوں اور مال کو قید و قتل و تکلیف میں مبتلا کرتے اور جزیہ دینے کی ذلت و خواری منظور نہ کرتے ۔ **چوتھی صورت** ۔ اکثر خبروں میں مذکور ہے کہ نصاریٰ ایک دوسرے کو آپس میں مُباہلہ سے منع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ آنحضرتؐ کی حقیت ہم پر ظاہر و واضح ہوچکی ہے کہ آپ ہی پیغمبر موعود ہیں اس سبب سے مُباہلہ سے روکتے تھے ۔ **پانچویں صورت** یہ کہ اس شریف واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیر المومنینؑ ، جنابِ فاطمہ اور حسن و حسین علیہم السلام جنابِ رسولِ خداؐ کے بعد خلقِ خدا میں سب سے اشرف و افضل اور آنحضرتؐ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب تھے ۔ چنانچہ ان کے تمام مخالفین و متعصبین مثل زمخشری ، بیضاوی اور فخر رازی وغیرہ نے اس کا اعتراف کیا ہے اور زمخشری نے جو سب سے زیادہ متعصب ہیں کشاف میں لکھا ہے کہ اگر تم کہو کہ مخالف کو مباہلہ کی دعوت دینا اس لیے تھا کہ ظاہر ہو کہ وہ جھوٹے ہیں تو یہ امر آنحضرتؐ اور مخالفین

کے درمیان مخصوص تھا۔ تو مباہلہ میں بچوں اور عورتوں کو شریک کرنے کا کیا فائدہ تھا تو ہم جواب میں کہیں گے کہ مُباہلہ میں اُن کا شامل کرنا اپنی حقیقت پر زیادہ وثوق و اعتماد کی دلیل تھی اس سے کہ خود تنہا مُباہلہ فرماتے۔ کیونکہ ان کا شامل کرنا اس جرأت کا اظہار تھا کہ خود کو اور اپنے جگر کے ٹکڑوں کو اور سب سے زیادہ محبُوب افراد کو مقامِ تعریض و ہلاکت میں لائے اور صرف تنہا اپنی ذات پر اکتفا نہ کی اور یہ ظاہر کیا کہ مخالفین کے دروغ گو ہونے پر پورا یقین رکھتے تھے کہ چاہا کہ مخالفین مع اپنے اعزا و احباب کے ہلاک اور فنا ہوں۔ اگر مُباہلہ اور مُباہلہ کے لیے بیٹوں اور عورتوں کو مخصوص کیا کیونکہ وہ سب سے زیادہ محبُوب ہیں اور دُوسروں سے زیادہ دل کو پیارے ہیں۔ زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ آدمی خود ہلاکت کی جگہ پر جاتا ہے تاکہ اُن کو کوئی تکلیف و صدمہ نہ پہنچے۔ اسی سبب سے لڑائیوں میں عورتوں اور لڑکوں کو لے جاتے تھے تاکہ نہ بھاگیں۔ اسی سبب سے خداوندِ عالم نے آیۂ مُباہلہ میں ان کو اپنی (رسُولؐ کی) جان پر مقدم رکھا تاکہ ظاہر کرے کہ وہ جان پر مقدم ہیں۔ اس کے بعد محدث زمخشری کہتے ہیں کہ یہ اصحابِ عبا اہلبیتؑ کی فضیلت پر وہ دلیل ہے جس سے زیادہ قوی دلیل نہیں ہو سکتی۔ کلام زمخشری ختم ہوا۔

ہم کہتے ہیں کہ جب معلوم ہوا کہ وہ حضرات آنحضرتؐ کے نزدیک خلائق میں سب سے زیادہ محبُوب تھے تو چاہیئے کہ اُس زمانہ میں خلق میں سب سے بہتر ہوں کیونکہ ہر دیانت دار عاقل پر ظاہر ہے کہ اُن سے آنحضرتؐ کی دوسروں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ محبت بشریت کے رابطوں کے سبب سے نہ تھی بلکہ جو خدا کے نزدیک زیادہ محبُوب ہوتا تھا آنحضرتؐ اُس کو زیادہ دوست رکھتے تھے کیونکہ بہت سی آیتوں اور حدیثوں میں محبت دینی نہ رکھنے والے اولاد و آبا و اجداد و رشتہ داروں سے محبت کی مذمت وارد ہوئی ہے۔ نیز آنحضرتؐ کی سیرت سے معلوم تھا کہ جو عزیز و اقربا خدا کے دوست نہ تھے ان کو اپنے پاس سے دُور کر دیتے تھے۔ (جیسے کہ ابولہب کو کیونکہ وہ کافر تھا) اور ان حضرات کی رعایت فرماتے تھے۔ اِس لیے کہ خدا کے دوست تھے۔ جیسے سلمان، ابوذر، مقداد اور اُن کے ایسے صاحبانِ ایمان۔ چنانچہ سید الساجدین امام زین العابدین علیہ السلام اُن حضراتؑ کی مدح میں فرماتے ہیں والی فیئث الابعدین عادی فیئث الاقربینا اور جب وہ حضرات خدا کے نزدیک بہترین و محبوب ترین خلق تھے اور بہترین اُمت تھے تو اُن پر امامت میں دُوسروں کو مقدم کرنا عقلاً قبیح ہوگا۔ چھٹی صورت فخر رازی نے جو علمائے اہلسنت کے سب سے بڑے عالم اور تعصب میں مشہور ہیں کہا ہے کہ شیعہ اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ علی بن ابی طالب علیہ السلام سوائے پیغمبر آخر الزمانؐ کے سب پیغمبروں اور تمام صحابہ سے افضل ہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم بلاتے ہیں اپنے نفسوں کو اور تمہارے نفسوں کو تو

نفسوں سے مراد نفسِ مقدّس محمدؐ نہیں ہے اس لیے کہ دعوت اپنی ذات سے غیر کی متقاضی ہے اور آدمی اپنے کو نہیں بلاتا۔ لہٰذا چاہیئے کہ دوسری ذات مُراد ہو۔ اور باتفاق مخالف و موافق عورتوں اور بیٹوں کے علاوہ جس کو اَنْفُسَنَا سے تعبیر کیا ہے وہ علیؑ بن ابی طالب کے سوا کوئی نہ تھا لہٰذا معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے نفسِ علیؑ کو نفسِ رسُولؐ کہا ہے اور دو نفس میں اتحادِ حقیقی محال ہے تو چاہیئے کہ مجاز ہو اور یہ اصول میں مقرر ہے کہ حمل لفظ سب سے قریب کے مجاز پر حقیقت میں سب سے دُور کے مجاز پر حمل کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ اور سب سے قریب کے مجاز کی تمام امور میں برابری اور تمام کمالات میں شرکت ہوتی ہے۔ سوائے اُس کے جو دلیل سے باہر ہو اور جو اجماع سے باہر ہو گئی وہ پیغمبریؐ ہے کہ علیؑ اُن کے ساتھ شریک نہیں ہیں۔ لہٰذا چاہیئے کہ دوسرے کمالات میں باہم شریک ہوں اور آنحضرتؐ کے تمام کمالات میں سے ایک کمال یہ ہے کہ وہ تمام پیغمبروں سے اور تمام صحابہ سے افضل ہیں لہٰذا جناب امیرؑ بھی چاہیئے کہ تمام صحابہ سے افضل ہوں۔ تمام دلیل نقل کرنے کے بعد یہ جواب دیا ہے کہ چونکہ اجماع اس پر منعقد ہوا ہے کہ محمدؐ علیؑ سے افضل ہیں اس لیے کہ اجماع اِس پر بھی منعقد ہوا ہے کہ پیغمبرانِ خدا غیر پیغمبروں سے افضل ہیں لیکن علیؑ کی صحابہ پر افضلیت کے بارے میں کوئی جواب نہیں دیا ہے کیونکہ اس جگہ کوئی جواب نہیں رکھتے تھے اور جو جواب کہ پیغمبروں کے بارے میں دیا ہے اُس کا باطل ہونا بھی ظاہر ہے۔ کیونکہ شیعہ اس اجماع کو قبول نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اگر تمام اُمت نے اجماع کر لیا ہے تو تسلیم نہیں ہے بلکہ اُس کا باطل ہونا واضح ہے کیونکہ اکثر شیعہ علماء کا اعتقاد یہ ہے کہ جناب امیرؑ اور تمام ائمہ اطہار سوائے پیغمبر آخر الزماںؐ کے تمام پیغمبروں سے افضل ہیں اور احادیثِ مستفیضہ بلکہ متواترہ اپنے آئمہ سے اس بارے میں روایت کی ہے اور تمام مقدمات چونکہ واضح ہیں، یہ فاضل جس کو امام المشککین کہتے ہیں وہ کوئی تصرف نہیں کر سکتا ہے۔ لہٰذا امامت حضرت امیر المومنینؑ بھی اسی دلیل سے ثابت ہوئی کیونکہ جنابِ رسُولِ خداؐ کے تمام کمالات میں سے امامت اور آپ کی اطاعت کا واجب ہونا ہے اور پیغمبری کے علاوہ ہے لہٰذا چاہیئے کہ وہ حضرت امام ہوں۔ نیز تمام انبیاء سے افضل ہونا اعلیٰ مرتبۂ امامت کے لیے لازم ہے قطع نظر اس کے کہ ترجیح مرجوح قبیح ہے اور اگر وہ کہیں کہ ممکن ہے دعوتِ نفس مراد ہو مجازاً اور ایک مجاز دوسرے مجاز سے اولیٰ و برتر نہیں ہے تو چند وجوہ سے جواب دیا جا سکتا ہے اور میں اس رسالہ میں دو جوابوں پر اکتفا کرتا ہوں۔

اوّل ۔ یہ کہ مجاز اطلاقِ نفس میں دُوسرے مجاز سے زیادہ آشکار ہے اور عرب و عجم میں شائع ہے کہ کہتے ہیں کہ تو میری جان کے برابر ہے۔ اور جنابِ امیرؑ کی خصوصیت میں یہ معنی خاصہ و عامہ کے

طریقوں سے بہت سی روایتوں میں وارد ہوا ہے۔ چنانچہ صحاح میں منقول ہے کہ جناب رسولِ خداؐ
نے جنابِ امیرؑ سے فرمایا انت منی وانا منک یعنی اے علیؑ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔
اور فردوس الاخبار میں روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ علیؑ میرے جسم سے، میرے سر کے
مانند ہیں اور دوسری روایت کے مطابق میری رُوح کے مانند ہیں۔ اور منافقوں کے ایک گروہ
سے خطاب کیا کہ نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو۔ ورنہ میں تمہاری طرف اُس مرد کو بھیجوں گا جو بمنزلہ
میرے نفس کے ہے یعنی علیؑ۔ اور اس بارے میں حدیثیں بہت ہیں۔ اور یہ سب اُسی مجاز کا قرینہ ہیں

دوم - یہ کہ یہ آیۂ کریمہ ہر احتمال کے ساتھ اُن حضرتؐ کی فضیلت اور امامت پر دلالت کرتی
ہے۔ کیونکہ ندع حق تعالیٰ نے صیغۂ متکلم مع غیر فرمایا ہے۔ وہ یا تو مخاطبوں کے داخل ہونے کے
اعتبار سے ہے یا تعظیم کے لیے ہے۔ جو ان مقامات پر ظاہر ہے یا امت کے داخل ہونے کے لیے
ہے۔ اور دونوں آخری احتمالات کی بنا پر کلام کا انداز یہ ہوگا - ندع ابنائنا وندع ابنائکم
اِس میں شک نہیں احتمال اوّل سب سے زیادہ واضح ہے اور یہ دو احتمالات بھی ہیں۔ (اول)
یہ کہ ہم بُلاتے ہیں اپنے اور تمہارے بیٹوں، عورتوں اور نفسوں کو (دوسرے) یہ کہ ہم میں اور تم
میں سے ہر ایک جانبین کے بیٹوں عورتوں اور نفسوں کو بلائیں۔ اول زیادہ واضح ہے۔ چنانچہ
بیضاوی اور اکثر مفسروں نے اُسی کی تصریح کی ہے۔ اگرچہ اکثر وجہیں مانحن فیہ میں کوئی
دخل نہیں رکھتی ہیں۔ لیکن احتمالات کی تکمیل کے لیے مذکور ہوئیں۔ اور ابناء، ونساء، والنفس کی جمعیت
پر احتمال ہے کہ تعظیم کے لیے ہو یا اُمت کے داخل کرنے یا مخاطبین کے لیے کلام کا انداز وہ ہو کہ
ندع ابنائنا وابنائکم میں ابناء کا اعادہ رعایتِ لفظی کے لیے ہو۔ چونکہ ضمیر مجرور پر عطف ہیں
اور اعادۂ جار بھی عربی داں لوگوں کے درمیان مرجوح ہے یا اس اعتبار سے ہو کہ ابتداءً بظاہر حال
سے محتمل ہو کہ وہ مُباہلہ میں ہر صنف کی جماعت سے داخل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور جبکہ کسی
کو اُن کے علاوہ نہ پایا جو اس امر کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس جماعت کو لائے اور خصوصیت سے
اس جماعت کا تعین مباہلہ کے تحقق سے قبل ضروری نہیں تھا۔ اسی طرح ابنائنا ونسائنا اور انفسنا
کی ضمیروں کا اکٹھا ہونا سوائے تیسرے احتمال کے تمام احتمالات رکھتا ہے اور وہ بھی اول میں
نہایت بُعید میں ہے۔ کیونکہ معلوم ہے کہ ہر ایک کی دعوت مخصوص اپنی جماعت سے تھی۔ لہٰذا ہم کہتے
ہیں کہ اگر جمعیت تعظیم کے لیے ہو اور نفس سے مراد وہ شخص ہو جو مباہلہ کا محرک ہو اور معلوم ہے کہ
مباہلہ کی تحریک جناب رسولِ خداؐ کی جانب سے تھی۔ اور روایات و اقوال پر اتفاق کی بنا، پہ
جنابِ امیرؑ مباہلہ میں داخل تھے لہٰذا اُن حضرتؐ کا داخل ہونا بے ضرورت ہوگا۔ اور نصاریٰ کہہ
سکتے تھے کہ ان کو کیوں لائے ہیں حالانکہ ہماری شرط میں یہ داخل نہیں تھا سوائے اس کے کہ کہیں کہ وہ

حضرتؐ اختصاص کی زیادتی کے لیے بمنزلہ نفس آنحضرتؐ تھے۔ گویا دونوں ایک شخص کے مانند تھے۔ اس لیے ان کو لائے اور یہ وجہ اس مقام پر باوجود اس کے نہایت بُعد رکھتی ہے ہمارے مطلب میں داخل ہوگی اور اُن کے لیے زیادہ ضرر کی حامل ہوگی۔

(دوسری وجہ) ہم کہتے ہیں کہ اگر اُمت یا صحابہ مُباہلہ میں داخل تھے تو کیوں اُن میں سے کم سے کم جو موجود تھے، مباہلہ میں نہ لے گئے سوائے اس کے کہ ہم کہیں سب کا حاضر کرنا عام شور و شغب اور آوازوں کے اختلاط کا باعث ہوتا اور اس بات کا توہم ہوتا کہ آنحضرتؐ اپنی حقیقت پر بھروسہ نہیں رکھتے کہ اس جمِ غفیر کو اپنے ساتھ لائے ہیں تاکہ اپنی کثرت و شوکت سے ڈرائیں یا اس بارے میں گروہ مردم کی دُعا پر بھروسہ کیا ہے۔ جب خود آگئے کہ سب کے قائم مقام تھے۔ اور اپنی ذات میں سب سے افضل و اولیٰ تھے اور امیرالمومنینؑ کو اس لیے لائے کہ ان کے امام و پیشوا اور مقتدا ہوں۔ نیز اُن کے بیٹے پیغمبرؐ کے بیٹے تھے اور فاطمہؑ جو پیغمبرؐ کی بیٹی تھیں جو اُن کی زوجہ تھیں۔ ان اسباب سے آنحضرتؐ کی تمام امت اور تمام صحابہ سے اس امر میں آنحضرتؐ سے خصوصیت رکھتے تھے اور یہ دونوں بزرگوار اپنی اور تمام امت کی جانب سے مباہلہ میں آئے جس طرح وہ جماعت بھی تمام نصاریٰ کی نمائندہ تھی اور سب کی طرف سے حاضر ہوئی تھی۔ لہٰذا یہ وجہ بھی ہمارے مقصود میں زیادہ صریح اور ہمارا مطلب ثابت کرنے میں زیادہ قوی ہے۔ اسی طرح چوتھی وجہ بھی اُن حضرتؑ کے کمال فضل پر دلالت کرتی ہے۔ اس سبب سے کہ جب تمام امت اور صحابہ کے درمیان جو مُباہلہ میں شامل ہونے کی اہلیت رکھتے تھے، حضرت علیؑ اور آپ کی زوجہ اور اولاد کے سوا نہ تھے۔ یہی دلیل اس کی ہے کہ ان کے سوا کوئی امامت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس وجہ سے جو مذکور ہوئی۔ لہٰذا ان کا روکنا پہلے معنی کا فائدہ ان کو نہیں پہنچاتا۔ باوجودیکہ اُس معنی کی مؤید جانبین کی معتبر حدیثیں ہوں جیساکہ واضح ہوا۔ اگر کہیں کہ مجازات کے سب سے قریب مجاز پر اُس وقت محمول ہوتا ہے جب کہ دوسرے معنی آشکار نہ ہوں اور یہ معلوم ہے کہ محبت اور اختصاص کے اظہار کے موقع پر اس معنی کا بہت استعمال کرتے ہیں، تو ہم جواب میں کہیں گے کہ ہر چند وہ حدیثیں جن کا سابقاً ہم نے اشارہ کیا اس پر دلالت کرتی ہیں کہ فقط یہی معنی مراد نہیں ہیں۔ لیکن ہم کو اس پر اصرار ضروری نہیں اور امامت اور خلافت کے زیادہ حقدار ہونے کے ثبوت کے لیے جو ہمارا اصلی مقصد ہے، اس مقام پہ اس مطلب کے حصول کے لیے کافی ہے۔ اُس تقریر سے جو مکرر مذکور ہوئی۔

(نویں وجہ) وَتَعِيَهَا أُذُنٌ وَاعِيَةٌ یعنی حفظ کرنے والے اور محفوظ رکھنے والے کان آیات قرآنی اور حقائق ربانی کو حاصل کرتے اور حفظ کرتے ہیں۔ خاصہ اور عامہ نے مستفیضہ طریقوں سے روایت کی ہے کہ یہ آیت امیرالمومنینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں اور

حافظ ابونعیم نے حلیہ میں اور واحدی نے اسباب نزول میں اور طبری نے خصائص میں اور راغب اصفہانی نے محاضرات میں اور ابن مغازلی نے مناقب میں اور ابن مردویہ نے اپنی کتاب مناقب میں اور اکثر محدثین و مفسرین خاصہ و عامہ نے حضرت امیرالمومنینؑ ، ابن عباسؓ ، بریدہ اسلمیؓ ، ضحاک اور کثیر جماعت سے روایت کی ہے اور بعض روایتوں کے یہ الفاظ ہیں کہ حضرت امیرالمومنینؑ نے کہا کہ رسولِ خداؐ نے مجھ کو سینہ سے لگا کر فرمایا کہ مجھ کو میرے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ تم کو اپنا مقرب قرار دوں۔ اور اپنے علوم کی تم کو تعلیم دوں۔ لہٰذا مجھ پر لازم ہے کہ اپنے پروردگار کی اطاعت کروں اور تم کو لازم ہے کہ وہ علوم حفظ کرو اور فراموش نہ کرو۔ اُس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ دوسری روایت کے متعلق فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ میں نے خدا سے دعا کی تھی کہ اس کو تمھارے کان قرار دے اور خدا نے میری دعا قبول فرمائی۔ امیرالمومنینؑ نے فرمایا کہ اُس کے بعد جو کچھ حضرت سے میں نے سنا ہرگز نہیں بھولا۔ اور کیسے ہو سکتا تھا کہ میں بھولتا جبکہ آنحضرت کی دعا تھی۔ زمخشری اور فخر رازی نے باوجود انتہائی تعصب کے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ اور زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ اذن واعیہا سے مراد وہ کان ہیں جس کی یہ شان ہے کہ جو کچھ سنیں یاد رکھیں اور فراموش نہ کریں اور اُس پر عمل کرنا ترک نہ کریں۔ اُس کے بعد یہ آخری روایت درج کی ہے۔ اگر تم کہو کہ کیوں خدا نے اذن کو بلفظ مفرد اور نکرہ استعمال کیا ہے تو ہم جواب میں کہیں گے کہ اُس کی دانائی کے لیے ہے بہت زیادہ یاد رکھنے والا ہے اور لوگوں کی اس امر پر سرزنش ہے اور اُس پر دلالت کے لیے ہے کہ ایک کان جو یاد رکھتا ہے بہت ہے اور خدا کے نزدیک گروہ کثیر کے مانند ہے اور دوسری جماعت کی پرواہ نہیں ہے ہر چند تمام عالم کو پُر کرے زمخشری کا کلام ختم ہوا۔ خداوند عالم نے اُن کے قلم سے لکھوا دیا ہے کہ اقرار کر لینا کہ بعثت کا فائدہ اور آیتوں کا نزول خاص طور سے جناب امیرؑ کے لیے عمل میں آیا ہے۔ وہی حافظ علوم الٰہی ہیں تو کیسے ممکن ہے کہ وہ چند جاہلوں کے محکوم رہے ہوں گے۔ جو تمام احکام میں اُنھی کے محتاج تھے۔ اور انھی سے دریافت کرتے تھے۔ خداوندِ عالم نے فرمایا ہے۔ ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون[1]۔ مع اُن تمام آیتوں اور دلیلوں کے جو سابقاً مذکور ہوئیں۔ اسی کی موید یہ کہ آنحضرتؐ قرآن کے الفاظ و معنی کے تمام دنیا کے لوگوں سے زیادہ جاننے والے تھے ابن حجر نے ابن سعد سے روایت کی ہے کہ جناب امیرؑ نے فرمایا کہ خدا کی قسم کوئی آیت نازل نہیں ہوئی مگر یہ کہ میں جانتا ہوں کہ کس بارے میں نازل ہوئی، کس مقام پر نازل ہوئی اور کس وقت نازل ہوئی ، بیشک مجھ کو میرے پروردگار نے سمجھنے والا دل اور گویا زبان عطا فرمائی ہے۔ نیز کہا ہے کہ ابن سعد اور دوسروں نے ابوالطفیل سے روایت کی ہے کہ علیؑ نے فرمایا کہ کتابِ خدا کے بارے میں سوال کرو۔

---

[1] (ترجمہ) کیا جو لوگ جانتے ہیں اور جو لوگ نہیں جانتے برابر ہیں؟

بیشک خدا نے کوئی آیت نہیں نازل کی۔ مگر یہ کہ میں جانتا ہوں کہ رات کو نازل ہوئی ہے یا دن کو۔ صحرا میں نازل ہوئی ہے یا پہاڑ پر۔ اور کہا ہے کہ ابنِ داؤد نے محمد ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ جب حضرت رسالت مآبؐ نے عالمِ قدس کی جانب رحلت فرمائی علی علیہ السّلام ابوبکر کی بیعت کے لیے نہیں گئے۔ اور فرمایا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ سوائے نماز کے چادر دوش پر نہیں رکھوں گا۔ اور قرآن کو جمع کروں گا۔ پھر کہتے ہیں کہ پورے قرآن کو تنزیل کے مطابق جمع کیا۔ ابنِ سیرین نے کہا کہ اگر ہم کو وہ قرآن ملتا تو کیا اچھا ہوتا کیونکہ اس میں علوم ہیں۔ اور طبری نے ام سلمہؓ سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسولِ خداؐ سے سنا کہ علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علیؑ کے ساتھ۔ یہ دونوں آپس سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر وارد ہوں۔ نیز روایت کی ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے اپنے مرضِ موت میں فرمایا کہ ایہا الناس نزدیک ہے کہ میری روح قبض کی جائے اور مجھے تمہارے درمیان سے بلا لیا جائے میں تم سے زیادہ باتیں نہیں کہتا ہوں اپنا عذر تم پر تمام کرتا ہوں۔ بیشک تمہارے درمیان خدا کی کتاب اور اپنی عترت کو چھوڑتا ہوں جو میرے اہلبیتؑ ہیں۔ پھر علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر بلند کیا اور فرمایا یہ علیؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔ یہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر میرے پاس وارد ہوں۔ میں اس وقت تم سے سوال کروں گا کہ میری رعایت ان کے حق میں کس طرح کی ہے[1]

دسویں وجہ ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَہُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال بجالائے خداوند مہربان بہت جلد اُن کو دوست قرار دے گا۔ ثعلبی نے کہا کہ خدا اُن کو دوست رکھتا ہے اور اُن کی دوستی آسمان اور زمین کے مومن بندوں کے دلوں میں ڈالتا ہے۔ پھر اپنی سند سے روایت کی ہے کہ براء ابنِ عازب سے کہ جناب

---

[1] (مولف فرماتے ہیں کہ) جب ایسے شخص نے جس نے اکثر احادیث متواترہ میں خدشہ کی ہے باوجود انتہائی تعصب کے ان احادیث کو نقل کیا ہے اور رد نہیں کیا تو یہی اُن حضرت کی امامت وخلافت کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔ جبکہ رحلت کے وقت جنابِ رسولِ خداؐ فرماتے ہیں کہ میں جاتا ہوں اور اپنے عوض تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑتا ہوں۔ پھر امیر المومنینؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرماتے ہیں کہ یہ قرآن کے ساتھ ہے اور ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ واضح ہے لفظ و معنیٔ قرآن انہی حضراتؑ کے ساتھ ہیں اور وہی قرآن کے مفسر ہیں۔ اور قرآن اُن کی حقیقت پر گواہی دیتا ہے اور قرآن کی پیروی ان حضرت کی پیروی کے بغیر جائز نہیں ہے اس کے بعد بسبیلِ تاکید فرماتے ہیں کہ قیامت میں تم سے سوال کروں گا کہ کیونکر ان کی رعایت کی ہے۔ ہر صاحبِ عقل جو اس حدیث میں غور کرے اور تعصب کام میں نہ لائے سمجھ لے گا کہ یہ اُن حضرتؑ کی خلافت پر نصِ صریح ہے۔ قطع نظر اس کے کہ ان کا عالم ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ امامت کا زیادہ سزاوار ہونے کے لیے کافی ہے۔ ۱۲

رسولِ خدا نے علیؑ سے خطاب فرمایا کہ کہو کہ خداوندا اپنے نزدیک میرے لیے ایک عہد اور مومنین کے
سینوں میں میری محبت و مودت قرار دے۔ اُس وقت خداوند عالم نے یہ آیت بھیجی اور حافظ
ابونعیم نے یہی روایت کتاب ما نزل من القرآن فی علیؑ میں درج کی ہے اپنی سند سے برا
بن عازب سے روایت کی ہے۔ نیز بسند خود ضحاک سے اور اُس نے ابنِ عباس سے روایت کی
ہے کہ یہ آیت حضرت امیرالمومنینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ یعنی اُن کی محبت مومنین کے
دل میں ڈالتا ہے۔ نیز روایت کی ہے کہ رسولِ خدا نے علیؑ سے فرمایا کہ سر اُٹھا کر اپنے پروردگار سے
سوال کرو تاکہ تم کو جو کچھ سوال کرو، وہ عطا فرمائے۔ یہ سُن کر علیؑ نے اپنے ہاتھوں کو بلند کیا اور
کہا خداوندا میرے لیے اپنے نزدیک دوستی قرار دے۔ اُس وقت جبریل یہ آیت لائے۔ نیز
ابن جبیر نے ابنِ عباس سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ علیؑ کی محبت ہر مومن کے
دل میں ہے اور محمد بن حنفیہ سے روایت کی ہے کہ کوئی مومن نہیں ہے مگر یہ کہ اُس کے دل میں
علیؑ کی محبت ہے۔ نیز ابنِ عباس سے روایت کی ہے کہ ہم مکہ میں تھے۔ جناب رسولِ خدا نے
علیؑ کا ہاتھ پکڑا پھر کوہِ بدر پر چار رکعت نماز ادا کی اور آسمان کی جانب سر اُٹھا کر علیؑ سے فرمایا کہ
اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کرو۔ اور دعا کرو اور جو کچھ چاہو خدا سے طلب کرو کہ وہ تم کو
عطا فرمائے گا۔ یہ سُن کر علیؑ نے اپنے ہاتھ آسمان کی جانب اٹھائے اور کہا خداوندا اپنے نزدیک
میرے لیے ایک عہد اور ایک مودت قرار دے۔ اُس وقت خداوندِ عالم نے یہ آیت نازل فرما
اور جناب رسولِ خدا نے آیت اصحاب کو سُنائی ان لوگوں نے اس واقعہ سے بہت تعجب کیا
حضرت نے فرمایا کس بات سے تعجب کرتے ہو، قرآن کے چار حصے ہیں۔ ایک حصہ مخصوص ہم
اہلبیت کی شان میں نازل ہوا ہے ایک حصہ ہمارے دشمنوں کی مذمت میں۔ ایک حصہ حلال و
حرام کے بارے میں ہے اور ایک حصہ فرائض و احکام کے بارے میں ہے۔ بیشک حق تعالیٰ
نے قرآن کی بہترین آیتیں علیؑ کی شان اور اُن کی مدح میں بھیجی ہیں اور اس آیت کا اُن حضرت
کی شان میں نازل ہونے کو اکثر مفسرین و محدثین نے روایت کی ہے جیسے نیشاپوری نے اپنی
مشہور تفسیر میں ابنِ مردویہ نے مناقب میں، سجستانی نے غرائب القرآن میں، طبری نے خصائص
میں ابن حجر نے صواعق محرقہ میں اور دوسرے علماء نے اپنی کتابوں میں روایت کی ہے۔ قطع نظر
احادیثِ مستفیضہ شیعہ کے جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ ہم اس رسالہ میں اُن کو درج نہیں
کرتے۔ ظاہر ہے کہ یہ مودت جو آنحضرتؐ کی دُعا سے نازل ہوئی ہے اُن حضرت سے مخصوص ہے
اُس مودت کے علاوہ جو تمام مومنین آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رکھتے ہیں بلکہ یہ محبت جزو ایمان
ہے اور اس کے ترک کرنے سے کفر و نفاق حاصل ہوتا ہے اور وہ لوازم امامت سے ہے نیز صالحات

لام کے ساتھ جمع معروف ہے اور عموم کا فائدہ دیتا ہے لہٰذا آپ کی عصمت پر دلالت کرتا ہے اور عصمت امامت کے لیے لازمی امر ہے۔ نیز العیاذ باللہ اگر اُن سے کوئی فسق (گناہ) صادر ہوتا تو ان کا بغض اسی طرح لازم ہوتا اور محبت واجب ہونے کے منافی ہے اور اس کی مؤید کہ مودتِ عام مومنین مراد نہیں ہے۔ یہ وہ محبت ہے جو دین و ایمان کے رُکن سے ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کو وہ منزلت عطا فرما جس کی وجہ سے اُن کی محبت تمام مومنوں پر واجب ہو اور اُن کی محبت ان کے ایمان کی دلیل ہے اس کا ثبوت وہ روایت ہے جو مشکوٰۃ میں صحیح ترمذی اور مسند احمد بن حنبل سے روایت کی ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ علیؑ کو کوئی منافق دوست نہیں رکھتا اور کوئی مومن دشمن نہیں رکھتا نیز مسند سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ جس نے علیؑ کو گالی دی اُس نے مجھ کو گالی دی۔ اور ابن عبدالبر نے استیعاب میں کہا ہے کہ صحابہ کے ایک گروہ نے روایت کی ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے جنابِ امیرؑ سے فرمایا کہ تم کو دوست نہیں رکھتا مگر مومن اور دشمن نہیں رکھتا مگر منافق۔ اور حضرت علیؑ نے فرمایا کہ خدا کی قسم پیغمبر امّی نے مجھ سے عہد کیا ہے کہ مجھ کو دوست نہیں رکھتا مگر مومن اور مجھ کو دشمن نہیں رکھتا مگر منافق اور جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دوست رکھتا ہے علیؑ کو وہ شخص جس نے مجھ کو دوست رکھا ہے اور جس شخص نے علیؑ کو دشمن رکھا ہے اس نے مجھ کو دشمن رکھا ہے۔ اور جو شخص علیؑ کو آزار پہنچاتا ہے یقیناً اُس نے مجھ کو آزار پہنچایا ہے اور جس شخص نے مجھ کو آزار پہنچایا ہے اُس نے خدا کو آزار پہنچایا ہے اور جابر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم رسولِ خداؐ کے زمانہ میں منافقین کو نہیں پہچانتے تھے مگر علیؑ کی عداوت سے۔ یہاں تک حدیثیں ابنِ عبدالبر کی روایت کی ہوئی تھیں اور صحیح ترمذی سے جامع الاصول میں حضرت امیرؑ سے روایت کی ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے امام حسن و امام حسین علیہما السلام کے ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ جو شخص مجھ کو دوست رکھتا ہے ان دونوں کو دوست رکھتا ہے اور ان کے باپ اور ماں کو دوست رکھتا ہے وہ روزِ قیامت میرے درجہ میں میرے ساتھ ہوگا نیز صحیح ترمذی میں ابی وجانہ سے روایت کی ہے انھوں نے کہا کہ ہم گروہ انصار منافقین کو بغض علیؑ کے سبب سے پہچانتے تھے صحیح ترمذی میں بھی اُم سلمہ سے یہ روایت کی ہے۔ نیز صحیح مسلم و ترمذی و نسائی سے روایت کی ہے کہ جنابِ امیرؑ نے فرمایا کہ میں اُس خدا کی قسم کھاتا ہوں جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور گھاس کو اُگایا اور خلائق کو پیدا کیا ہے کہ حضرت نبی امیؐ نے مجھ سے عہد فرمایا ہے کہ مجھ کو دوست نہیں رکھتا مگر مومن اور دشمن نہیں رکھتا مگر منافق اور ابن حجر نے صواعق محرقہ میں جنابِ رسولِ خداؐ سے روایت کی ہے کہ جب عمرو اسلمی نے جنابِ امیرؑ کی آنحضرتؐ سے شکایت کی تو حضرتؐ نے فرمایا کہ تو نے مجھے اذیت دی عمرو نے کہا کہ میں خدا سے پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ آپ کو آزار پہنچاؤں تو

حضرتؐ نے فرمایا کہ جس نے علیؑ کو آزار پہنچایا اُس نے مجھے آزار پہنچایا ہے۔ نیز ابن حجر نے روایت کی ہے کہ بریدہ جناب امیرؑ کے ساتھ یمن گئے اور جب وہاں سے واپس آئے تو اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جناب امیرؑ خمس کے مال سے ایک جاریہ (کنیز) اپنے تصرف میں لائے۔ منافقین صحابہ نے اُس سے کہا کہ جناب رسولِ خداؐ سے اس کی شکایت کرو۔ شاید علیؑ اُن کی نظروں سے گر جائیں۔ جناب رسولِ خداؐ نے یہ باتیں دروازہ کے پیچھے سے سن لیں اور نہایت غصّہ میں ان کے سامنے آئے اور فرمایا کہ ایک جماعت کس سبب سے علیؑ سے دشمنی رکھتی ہے یا ان کی عیب جوئی کرتی ہے جو شخص علیؑ کو دشمن رکھتا ہے اُس نے یقیناً مجھ کو دشمن رکھا ہے اور جو شخص علیؑ سے جدائی اختیار کرتا ہے اُس نے مجھ سے مفارقت اختیار کی ہے علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں۔ وہ میری طینت سے خلق ہوئے ہیں اور میں جناب ابراہیمؑ کی طینت سے خلق ہوا ہوں اور میں ابراہیمؑ سے بہتر ہوں۔ اور حضرتؐ نے یہ آیت پڑھی ذریۃ بعضھا من بعض واللہ سمیع علیم۔ اے بریدہ شاید تو نہیں جانتا کہ خمس میں علیؑ کا حق اُس جاریہ سے زیادہ ہے جس کو علیؑ اپنے تصرف میں لائے ہیں۔ اس مضمون کو جامع الاصول میں صحیح ترمذی اور بخاری سے روایت کی ہے۔ نیز ابن حجر اور ابن اثیر اور ترمذی اور صاحب مشکوٰۃ اور دوسرے محدثین نے متعدد طریقوں سے جناب رسولِ خداؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یقیناً خدا نے مجھ کو چار شخصوں سے محبت رکھنے کا حکم دیا ہے اور وہ علیؑ و سلمانؓ و ابوذرؓ و مقدادؓ ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اُن تین حضرات کی محبت کا حکم صرف اس لیے تھا کہ وہ جناب امیرؑ سے کسی حال میں جدا نہیں ہوتے۔ نیز ابن حجر نے چند سندوں سے جناب رسولِ خداؐ سے روایت کی ہے کہ جس نے علیؑ کو آزار پہنچایا اُس نے مجھ کو آزار پہنچایا ہے۔ نیز آنحضرتؐ سے روایت کی ہے کہ جس نے علیؑ کو گالی دی اس نے مجھ کو گالی دی ہے۔ نیز ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ جو شخص علیؑ کو دوست رکھتا ہے اُس نے مجھ کو دوست رکھا ہے اور جس نے مجھے دوست رکھا اُس نے خدا کو دوست رکھا ہے۔ اور جو شخص علیؑ کو دشمن رکھتا ہے اُس نے مجھے دشمن رکھا ہے اور جو مجھ کو دشمن رکھتا ہے اُس نے خدا کو دشمن رکھا ہے۔ نیز انس سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ مومن کے صحیفۂ اعمال کا عنوان محبت علیؑ ہے۔ نیز مناقب احمد بن حنبل سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں مدینہ کے ایک باغ میں سو رہا تھا۔ جناب رسولِ خداؐ نے مجھے بیدار کیا اور فرمایا کہ تم میرے بھائی ہو میرے فرزندوں کے پدر ہو اور میرے بعد میری سنت پر جنگ کرو گے جو شخص میرے عہد پر مرے گا وہ بہشت میں ہوگا۔ اور جو شخص تمہارے عہد پر مرے گا اُس نے اپنے عہد کو پورا کیا ہوگا اور جو شخص تمہارے بعد تمہاری محبت پر مرے گا۔ خداوندِ عالم اُس کا خاتمہ میرے

اور ایمان کے ساتھ کرے گا۔ جب تک کہ آفتاب طلوع و غروب ہوتا رہے گا۔ اور بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں کہ اگر لوگ محبت علیؑ پر جمع ہوتے تو خداوند عالم دوزخ کو پیدا نہ کرتا۔ اور دیلمی کی فردوس الاخبار اور مخالفین کی دوسری کتابوں میں ابن عمر سے انھوں نے رسولِ خداؐ سے روایت کی ہے کہ محبتِ علیؑ وہ نیکی ہے جس کے ساتھ گناہ ضرر نہیں پہنچاتا اور دشمنیٔ علیؑ وہ گناہ ہے جس کی وجہ سے کسی نیکی کا فائدہ نہیں ہو سکتا۔ نیز اُنہی حضرت سے روایت کی ہے کہ محبتِ علیؑ گناہوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ اور ہروی نے غریبین میں عبادہ بن الصامت سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اپنی اولاد کا امتحان محبتِ علیؑ کے ذریعہ کرتے تھے تو جس لڑکے کو دیکھتے تھے کہ اُن حضرتؑ کو دوست نہیں رکھتا۔ ہم سمجھ لیتے تھے کہ وہ حلال زادہ نہیں ہے۔ الغرض اس بارے میں خبریں مخالفین و موافقین کے طریقوں سے حد و شمار سے زیادہ ہیں اور ان اخبار کے طرزِ بیان و اسلوب سے ہر عاقل صاحبِ بصیرت اور ہر عالم باخبر پر واضح ہے کہ ان اخبار سے مُراد یا امامت ہے یا اس سے کوئی مرتبۂ بلند جس کے لیے امامت لازمی ہے کیونکہ تمام اُمت میں ایک شخص کا ممتاز ہونا اُس کے ساتھ کہ اُس کی محبت ایمان کی علامت اور حلال زادہ ہونے کی نشانی اور سعادتِ ابدی اور بہشت جاودانی میں داخل ہونے کا سبب ہو اور اُس کی محبت خدا و رسولؐ کی محبت ہو۔ اور اُس کی دشمنی نفاق اور حرامی ہونے کی علامت اور ابدی شقاوت اور عذابِ جاودانی اور خدا و رسولؐ کی دشمنی ہو وہ نہیں ہو سکتا تھا سوائے اس کے کہ پیشوائے اُمت، خلیفۂ خدا اور جانشینِ رسولِ خداؐ ہو، اور اُس کی ولایت جزوِ ایمان و اسلام ہو بلکہ تمام ارکانِ اسلام و ایمان کے حاصل ہونے کا مستلزم ہو۔ اور یہ مرتبۂ امامت کے جلیل مرتبہ کے بغیر جو مرتبۂ نبوّتِ کبریٰ کے پیچھے پیچھے ہے متصور نہیں ہے اور تمام مومنین کی محبت اگرچہ ایمان کی جہت سے ثواب کا باعث ہے اور وہ ایمان کی محبت ہوتی ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ ان کی محبت فی نفسہ واجب اور حصولِ ایمان کے لیے لازم ہو اور ان کی عداوت اگرچہ معصیت کے جہت سے بُری ہے لیکن اس کی انتہا یہ ہے کہ اگر اظہار کریں تو گناہِ کبیرہ ہوگا۔ لیکن نفاق، اور ایمان سے خارج ہونے اور عذابِ ابدی کا سبب نہیں ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اُن حضرتؑ کی ولایت شہادتین کے پیچھے پیچھے ہے جس طرح انکارِ توحید و رسالت ایمان و اسلام سے خارج کر دیتا ہے اُسی طرح ولایت سے انکار بلکہ اُن حضرتؑ کی محبت ترک کر دینے سے انسان ایمان بلکہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اس بنا پر جو کچھ تم نے بیان کیا لازم آتا ہے کہ اُن حضرتؑ کا رتبہ نبوّت کے مرتبہ سے بالاتر ہو گا۔ اگرچہ انکارِ نبوّت جہنّم میں جانے کا سبب ہوتا ہے۔ لیکن اس کا اقرار حصولِ ایمان و

داماد ہوئے۔ ہر وقت اُن کے سامنے رہتے اور کبھی آنحضرتؐ کو اُن کی تربیت میں کوئی امر مانع نہ تھا۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ ایسا شاگرد ایسے اُستاد کی خدمت میں ایسے حالات کی خصوصیت کے ساتھ فضل و کمال کی انتہائی بلندی پر پہنچتا ہے۔ لیکن ابوبکر اپنی آدھی عمر گذارنے کے بعد آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچے اور اُس عمر میں بھی رات و دن میں ایک مرتبہ حاضر خدمت اقدس ہوتے تھے اور وہ بھی بہت کم وقت تک آنحضرتؐ کی خدمت میں رہتے تھے اور مشہور ہے کہ العلم فی الصغر کالنقش فی الحجر والعلم فی الکبر کالنقش فی المدر یعنی علم بچپن میں پتھر پر نقش کے مانند ہوتا ہے جو زائل نہیں ہوتا اور پیرانہ سالی میں ٹھیکرے پر نقش کے مانند ہوتا ہے جو ذرا سی ٹھیس لگنے سے برطرف ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس مجمل بیان سے ثابت ہوا کہ علیؑ افضل ہیں اور اعلم (سب سے زیادہ جاننے والے) ہیں [1]

نیز صحیح نسائی سے روایت کی ہے کہ علیؑ نے کہا کہ مجھے آنحضرتؐ کے نزدیک وہ منزلت حاصل تھی جو خلائق میں کسی کو میسر نہ تھی میں صبح ہوتے ہی یعنی بہت جلد آنحضرتؐ کے در اقدس پر حاضر ہوتا اور کہتا کہ السلام علیک یا نبی اللہ، اگر حضرت صرف کھکھار کر رک جاتے تو میں واپس چلا آتا، ورنہ حاضر خدمت ہو جاتا اور مشکوٰۃ میں صحیح ترمذی سے ام عطیہ سے روایت کی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ نے امیرالمومنینؑ کو کسی جنگ میں بھیجا میں نے دیکھا کہ دستِ مبارک حضرت آسمان کی جانب اُٹھا کر دُعا فرماتے تھے کہ خداوندا مجھ کو دنیا سے نہ اُٹھانا جب تک کہ علیؑ کو نہ دکھا دینا۔ اور اس قسم کی حدیثیں جو آنحضرتؐ سے کثرتِ ملاقات پر دلالت کرتی ہیں اور اُن دونوں بزرگوار کی آپس میں خصوصیت کی شدت اور امیرالمومنینؑ کی تربیت میں آنحضرتؐ کا کمال اہتمام ظاہر کرتی ہیں بہت ہیں۔ پھر فخر رازیؒ کہتے ہیں کہ ان کی فضیلت میں چند دلیلیں ہو سکتی ہیں۔

دلیل اوّل ۔ آیت وتعیہا اذن واعیہ جو علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور جب مخصوص ہوئی فہم کی زیادتی کے ساتھ تو علم کی زیادتی سے مخصوص ہوگی۔ **دوسری دلیل** یہ ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا ہے کہ اقضاکم علیؑ (علیؑ تم میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں) چونکہ قضاوت (فیصلہ کرنا) تمام علم کا محتاج ہے تو جب ان کو قضاوت میں

---

[1] مؤلف فرماتے ہیں کہ اس مضمون کی تائید میں جو فخر رازی نے شیعوں کی طرف سے تقریر کی ہے وہ حدیث ہے جو جامع الاصول میں صحیح ترمذی سے روایت کی ہے کہ جناب امیرؑ نے فرمایا کہ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں ہوتا تھا۔ جب میں پوچھتا تھا تو آنحضرتؐ مجھے آگاہ فرماتے۔ اگر میں خاموش رہتا تو حضرتؐ خود مجھے تعلیم فرماتے تھے۔ ۱۲

ہر شخص پر ترجیح حاصل ہے اس لیے تمام علوم میں ہر ایک پر فوقیت رکھتے ہیں۔ **تیسری دلیل** یہ کہ عمر نے متعدد بار غلط فیصلہ کیا اور اُن حضرتؑ نے اِن کی ہدایت کی۔ اس بارے میں چند مقدمات درج کیے ہیں جن کا ذکر طوالت کا باعث ہے اور اس طرح کے غلط فیصلے علیؑ کے سوا دوسروں کے بہت ہوتے تھے لیکن اُن حضرتؑ سے کبھی ان کے مثل فیصلوں کا اتفاق نہیں ہوا۔ **چوتھی دلیل** یہ کہ وہ حضرتؑ خود فرماتے تھے کہ اگر منصبِ خلافت میرے لیے ہو اور مسندِ خلافت پر میں ہوں تو بلاشبہ میں اہلِ توریت کے درمیان توریت سے اور اہلِ انجیل کے درمیان انجیل سے اور اہلِ زبور کے درمیان زبور سے اور اہلِ قرآن کے درمیان قرآن سے فیصلہ کروں۔ خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ کونسی آیت صحرا میں نازل ہوئی، کون سی دریا میں، کون سی میدان میں، کون سی پہاڑ پر اور کون سی رات کے وقت نازل ہوئی اور کون سی دن کے وقت اور یہ جانتا ہوں کہ کس کے بارے میں نازل ہوئی اور کیوں نازل ہوئی۔ **پانچویں دلیل** افضل علوم اصولِ دین اور معرفتِ خدا کا علم ہے۔ اُن حضرت کے خطبے اور کلمات اسرارِ توحید، وعدل، و نبوت و قضا و قدر اور قیامت کے حالات پر اس قدر مشتمل ہیں کہ کسی ایک صحابہ کے کلام میں نہیں پائے جاتے نیز متکلمین کے تمام فرقے انہی حضرت سے اس علم میں منسوب ہیں اور شیعوں کا آنحضرتؑ سے انتساب تو ظاہر ہے لیکن خوارج باوجود اس دُوری کے جو اُن حضرت سے رکھتے ہیں اپنے اکابر کے پیرو ہیں جو آنحضرتؑ کے شاگرد ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ تمام فرقوں کے متکلمین جو اسلامیہ فرقوں کے افضل لوگ ہیں آپ ہی کے شاگرد ہیں۔ اور علمِ تفسیر میں ابنِ عباسؓ جو مفسروں کے رئیس و سردار ہیں جناب امیرؑ کے شاگرد ہیں اور علمِ فقہ میں اس درجہ پر پہنچے ہوئے تھے کہ پیغمبر خداؐ نے اُن حضرتؑ کی شان میں فرمایا کہ اقضاکم علی۔ منجملہ ان کے علمِ فصاحت ہے اور معلوم ہے کہ فصیحوں میں جو اُن حضرت کے بعد ہوئے اُن کے درجہ کے کم سے کم درجہ پر کوئی نہ پہنچا منجملہ ان کے ایک علم نحو ہے اور ظاہر ہے کہ ابوالاسود نے انہی حضرت کے ارشاد سے اس علم کی تدوین کی اور منجملہ ان کے علمِ تصوف ہے اور یہ علم بھی آپ ہی تک منتہی ہوتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ آنحضرتؐ کے بعد جناب امیرؑ سارے بہتر صفات اور مقاماتِ شریفہ میں تمام عالموں کے استاد ہیں۔ جب یہ ثابت ہوا کہ وہ تمام علم میں اعلم (سب سے زیادہ علم والے) ہیں تو واجب ہے کہ تمام عالم سے افضل ہوں۔ جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون (کیا علم والے اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں) نیز فرمایا ہے۔ یرفع اللہ الذین اٰمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات[1]۔ (خداوندِ عالم ان لوگوں کو مرتبہ میں بلند کیا ہے جو صاحبانِ ایمان اور علم والے

---

[1] مؤلف فرماتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں سے اُن آیتوں کے شمول کے ساتھ جو گذر چکیں معلوم ہوا کہ شرف و کمال اور (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

www.kitabmart.in

ہیں۔ **بارھویں وجہ** ۔ فان تظاھرا علیہ فان اللہ ھو مولیہ وجبریل وصالح المومنین یعنی اگر عائشہ وحفصہ جناب رسولِ خدا کی اذیت و آزار پر ایک دوسرے کی مدد کریں تو خدا آنحضرتؐ کا مددگار ہے اور جبرئیل اور صالح المومنین یعنی ان میں جو شائستہ ہیں اور خاصہ وعامہ نے بہت سے طریقوں سے روایت کی ہے کہ صالح المومنین امیر المومنینؑ ہیں۔ شواہد التنزیل میں حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو جناب رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ ایہا الناس یہ ہے صالح المومنین۔ اور حافظ ابونعیم نے ما نزل من القرآن فی علی میں اور ثعلبی نے تفسیر میں اور ابن مردویہ نے مناقب میں اسماء بنت عمیس وغیرہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ صالح المومنین علیؑ بن ابی طالب ہیں اور فخر رازی نے اربعین میں ذکر کیا ہے کہ مفسروں نے کہا ہے کہ صالح المومنینؑ علی بن ابی طالب ہیں اور اس جگہ مولا سے مراد یاور ہے کیونکہ جو معنی خدا، جبرئیلؑ اور صالح المومنینؑ کے درمیان مشترک ہو تو یاور کے سوا اس کے اور معنی نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا یہ آیت دو وجہوں سے اُن حضرتؑ کی افضلیت پر دلالت کرتی ہے۔ (وجہ اوّل) یہ کہ لفظِ ھو حصر پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا اس کے معنی یہ ہوں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مددگار خدا، جبرئیل اور صالح المومنین یعنی علی علیہ السّلام کے سوا کوئی نہیں اور معلوم ہے کہ جناب رسولِ خداؐ اطاعت کے سب سے بلند درجے پر ہیں۔ (دوسری وجہ) یہ کہ خدا نے اپنے ذکر سے ابتدا کی اُس کے بعد جبرئیل کا ذکر کیا۔ اس کے بعد علی علیہ السّلام کا ذکر کیا اور یہ بہت بلند منصب ہے۔ فخر رازی کا کلام تمام ہوا ہم کہتے ہیں کہ دوسری وجہوں سے بھی یہ آیت اُن حضرتؑ کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اسلوب کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ اُس زمانہ میں صالح المومنین کا اطلاق اُنہی حضرت پر منحصر تھا۔ اور یہ خود ہی ظاہر ہے کہ صحابہ کے درمیان دوسرے صالحین بھی تھے۔ لہٰذا صلاح سے یا عصمت مراد ہوگی یا صلاحیت امامت یا امور خیر میں سے ہر امر مراد ہوگا کہ اُن سب میں امامت بھی ہے اور یہ مطلب نہایت واضح ہے اور اگر ان تمام مرتبوں کے ساتھ ہم اُن حضرت کی تمام صحابہ پر فضیلت ثابت کریں تو کوئی شک نہیں ہو سکتا۔

تیرھویں وجہ ۔ اجعلتم سقایۃ الحاج وعمارۃ المسجد الحرام کمن امن باللہ والیوم الاخر وجاھد فی سبیل اللہ لا یستوٗن عند اللہ واللہ لا یھدی القوم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) درجات کی بلندی کا معیار ایمان اور علم ہے اور ان دونوں صفتوں میں اُن حضرتؑ کی زیادتی معلوم ہوئی اور اس کے بعد بھی واضح کی جائے گی۔ ۱۲

الظالمین الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم اعظم درجۃ عنداللہ واولئک ھم الفائزون ۔ یعنی "حاجیوں کو چاہِ زمزم سے پانی پلانا اور مسجد الحرام کی تعمیر اُس شخص کے اعمال کے مثل قرار دیتے ہو جو خدا اور روزِ قیامت پر ایمان لایا ہے اور راہِ خدا میں جہاد کیا ہے وہ فضیلت میں برابر نہیں ہیں اور خدا ظالموں کی بہشت کی جانب ہدایت نہیں کرتا ۔ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور راہِ خدا میں اپنی جان و مال سے جہاد کیا ہے خدا کے نزدیک اُن کا مرتبہ بہت بلند ہے ۔ اور وہی لوگ کامیاب ہیں"۔ واضح ہو کہ خاصہ و عامہ کے مفسرین و محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت جنابِ امیرؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے ۔ یہاں تک کہ صاحب کشاف و فخر رازی و بیضاوی نے اپنے انتہائی تعصب کے باوجود انکار نہیں کیا ہے اور ثعلبی نے حسن بصری، شعبی اور محمد بن کعب قرظی . . . . . سے روایت کی ہے کہ یہ آیت عباسؓ و طلحہ بن شیبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے ۔ کیونکہ وہ لوگ فخر کرتے تھے اور طلحہ کہتے تھے کہ میں خانہ کعبہ کا متولی ہوں اُس کی کنجی میرے ہاتھ میں ہے اگر چاہوں تو رات کو کعبہ کے اندر سوؤں ۔ عباس کہتے تھے کہ چاہِ زمزم اور حاجیوں کو پانی پلانا میرے ذمہ ہے اگر چاہوں تو مسجد الحرام میں سوؤں ۔ جناب امیرؑ نے یہ باتیں سن کر فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ تم لوگ کیا کہتے ہو ۔ میں چھ مہینے سب سے پہلے سے قبلہ کی جانب نماز پڑھتا تھا اور راہِ خدا میں جہاد کرتا تھا ۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی ۔ اور جامع الاصول میں بھی روایت سنن نسائی سے محمد بن کعب قرظی سے روایت کی ہے اور ابن مردویہ اور دوسری بہت سی جماعتوں نے شعبی اور ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جنابِ امیرؑ اور عباسؓ کے درمیان نزاع ہوئی ۔ عباسؓ کہتے تھے کہ میں پیغمبرؐ کا چچا ہوں اور تم ان کے چچا کے لڑکے ہو ۔ حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد الحرام کی عمارت میری تولیت میں ہے (تم کو مجھ پر کیا فضیلت ہو سکتی ہے) اُس وقت خدا نے اِس آیت کو بھیجا ۔ نیز کتاب فضائل المساجد میں حافظ ابو نعیم سے اور ابن عباس سے روایت کی ہے اور ابن عساکر نے انس ابن مالک سے کہ عباس و شیبہ آپس میں فخر کرتے تھے ۔ عباس کہتے تھے کہ میں اشرف ہوں ۔ میں جناب رسولِ خداؐ کا چچا ہوں اور حاجیوں کا ساقی ہوں شیبہ کہتے تھے کہ میں تم سے افضل ہوں ۔ کیونکہ خدا کے گھر پر اُس کا امین اور اس کا خزینہ دار ہوں ۔ اُس نے مجھ کو امین قرار دیا ہے تم کو نہیں ۔ اُسی وقت امیر المومنین علیہ السلام آئے اور ان لوگوں نے یہ باتیں اُن سے بیان کیں ۔ حضرتؑ نے فرمایا میں تم دونوں سے اشرف و افضل ہوں میں پہلا وہ شخص ہوں جو حضرتؐ پر ایمان لایا اور ہجرت کی اور جہاد کیا ۔ اس کے بعد تینوں حضرات جنابِ رسولِ خداؐ کے پاس گئے اور یہ تمام گفتگو حضرتؐ سے بیان کی ۔ حضرتؐ نے کوئی جواب نہ

دیا اور یہ لوگ واپس چلے گئے۔ چند روز کے بعد یہ آیت دس آیتوں تک نازل ہوئی اور جناب رسولِ خداؐ نے اُن کو سُنائی اور حافظ ابو نعیم نے کتاب ما نزل من القران فی علی میں چند داستانوں سے ابن عباسؓ اور دوسروں سے روایت کی ہے کہ یہ آیت علی و عباس و شیبہ کے مفاخرت میں حتّٰی یاتی اللہ بامرہٖ تک نازل ہوئی اور ابوالقاسم حسکانی نے بریدہ سے روایت کی ہے کہ ایک روز شیبہ و عباس آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرتے تھے۔ اسی وقت علیؑ بھی اُن کے پاس آ گئے اور فرمایا کہ کس بات پر فخر کرتے ہو۔ عباسؓ نے کہا کہ خدا نے افضلیت مجھ کو دی ہے کسی دوسرے کو نہیں دی ہے۔ اور وہ حاجیوں کو پانی پلانا ہے شیبہ نے کہا عمارت مسجد الحرام کی تولیت مجھے سپرد فرمائی ہے۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ خدا نے مجھ کو بچپن میں وہ عطا فرمایا جو تم کو نہیں عطا فرمایا۔ ان لوگوں نے پوچھا کہ وہ کیا ہے۔ فرمایا کہ میں نے تمھاری ناک پر تلوار لگائی تو تم خدا اور رسولؐ پر ایمان لائے۔ یہ سُن کر عباسؓ کو بہت غصہ آیا اور اپنے پیر زمین پر کھینچتے ہوئے جناب رسولِ خداؐ کے پاس شکایت لائے اور کہا کہ علیؑ نے مجھ سے ایسی سخت گفتگو کی حضرتؐ نے علیؑ کو طلب فرمایا جب وہ آئے تو فرمایا کہ کیا سبب ہوا کہ تم نے اپنے چچا سے ایسی باتیں کیں۔ عرض کی یا رسول اللہؐ حق بات میں نے ذرا سختی سے کہی چاہے کوئی ناراض ہو یا خوش رہے۔ اسی وقت جبرئیلؑ نازل ہوئے۔ اور کہا یا رسول اللہؐ آپ کا پروردگار آپ کو سلام کہتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ آیتیں ان کو سُنا دو۔ جب ان کو سُنایا، تو عباسؓ نے تین مرتبہ کہا ہم راضی ہوئے۔ اور اس کی تائید میں کہ یہ آیتیں اُن حضرت کی شان میں ہیں، یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس میں فرمایا ہے کہ وہ لوگ فائز و کامیاب ہیں اور سمعانی نے علمائے عامہ سے کتاب فضائل الصحابہ میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ اُم المومنین حضرت ام سلمہؓ سے علیؑ کا حال دریافت کیا معظمہ نے فرمایا کہ میں نے جناب رسولِ خدا سے سُنا۔ آپ فرماتے تھے کہ علیؑ اور ان کے شیعہ روزِ قیامت فائز و کامیاب ہیں [1]

---

[1] مؤلف فرماتے ہیں کہ یہ آیت امیر المومنینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ امامت کے سب سے زیادہ لائق اور سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ کیونکہ ان آیات سے واضح ہوا کہ فخر و فضل اور دونوں جہان کی کامیابی اور نجات کا معیار ایمان و ہجرت و جہاد ہے اور باتفاق کل ان صفات میں وہ حضرتؐ تمام صحابہ پر سبقت رکھتے تھے۔ چنانچہ ابن عبدالبر نے استیعاب میں سلمان، ابوذر، مقداد، خباب، جابر، ابوسعید خدری اور زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ علیؑ سب سے پہلے شخص ہیں جو اسلام لائے اور یہ تمام لوگ ان کو تمام صحابہ
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

چودھویں وجہ - ان الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات اولئک ھم خیر البریہ یعنی جو لوگ کہ ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال بجالائے وہی لوگ بہترین خلائق ہیں۔ پھر اُس کے بعد فرمایا ہے جزاؤھم عند ربھم جنّٰت عدن تجری من تحتھا الانھٰر خالدین فیھا ابداً رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ ذٰلک لمن خشی ربہ یعنی اُن کی جزا اُن کے پروردگار کے

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) پر فضیلت دیتے ہیں اور محمد بن اسحاق نے نقل کیا ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے جو خدا اور رسولؐ پر ایمان لایا وہ علیؑ تھے ان کے بعد حضرت خدیجہؓ ہیں۔ نیز لکھا ہے کہ بسند لبسیار سلمان سے روایت کی ہے کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ حوضِ کوثر پر میرے پاس تم میں سب سے پہلے جو وارد ہوگا وہ ہے جو سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا ہے اور وہ علی علیہ السّلام ہیں۔ پھر لکھا ہے کہ یہ بات بہت سی روایتوں میں مذکور ہے۔ نیز ابنِ عباس سے روایت کی ہے کہ علیؑ کی چار خصلتیں تھیں جو اُن کے غیر میں نہ تھیں وہ عرب وعجم میں پہلے شخص ہیں جنھوں نے رسول اللہؐ کے ساتھ نماز پڑھی اور ہر جنگ میں آنحضرتؐ کا علم انہی کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ اور روزِ اُحد ان کے علاوہ جتنے تھے سب میدان سے بھاگ گئے تھے اور وہ ثابت قدم تھے۔ انھوں نے ہی جناب رسولِ خداؐ کو غسل دیا اور قبر میں داخل کیا۔ اور ابوالمظفر سمعانی نے فضائل الصحابہ میں اور دیلمی نے فردوس الاخبار میں اور دوسرے محدثین نے ابوذرؓ اور ابوایوبؓ انصاری سے روایت کی ہے کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ علیؑ پر فرشتوں نے سات سال تک صلوٰۃ بھیجی کیونکہ ان کے سوا کسی نے میرے ساتھ نماز نہیں پڑھی۔ دوسری روایت کے مطابق قبل اس کے کہ کوئی شخص مسلمان ہو۔ فردوس الاخبار میں روایت کی ہے کہ رسولِ خدا نے فرمایا کہ سب سے پہلے جس نے میرے ساتھ نماز پڑھی وہ علیؑ تھے۔ اور اُن حضرت کا سابق الایمان ہونا متواترات سے ہے اور عبداللہ بن احمد حنبل نے اپنی مسند میں بہت سی سندوں کے ساتھ ان حضرتؑ کے سابق الایمان ہونے کا ذکر کیا ہے جن کا ذکر طوالت کا باعث ہے اور اس کے بعد بھی حدیثیں درج کی جائیں گی اور ان حضرت کا کمال ایمان ہر اُس شخص پر ظاہر ہے، جو صاحب ایمان ہے چنانچہ حافظ ابونعیم نے کتاب مانزل من القرآن فی علی میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ خدا نے قرآن میں کوئی سورہ نہیں نازل کیا مگر یہ کہ علیؑ اُس سورہ کے امیر وشریف ہیں اور بیشک حق تعالیٰ نے متعدد موقعوں پر اصحاب محمدؐ پر عتاب فرمایا ہے اور علیؑ کے حق میں سوائے خیر ونیکی کے کبھی عتاب کے ساتھ ذکر نہیں فرمایا۔ نیز روایت کی ہے کہ لوگوں کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ یاایھا الذین اٰمنوا کا خطاب اصحاب محمدؐ سے ہے حذیفہ نے کہا ہے کہ جس جس جگہ یہ خطاب قرآن میں وارد ہوا ہے اُس کا لُبِ لباب علیؑ کے لیے ہے اور مجاہد نے اُس نے ابنِ عباس سے روایت کی ہے کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ یاایھا الذین اٰمنوا کسی آیت میں نازل نہیں ہوا ہے مگر یہ کہ علیؑ اُس کے امیر وسردار ہیں اور دوسری روایت کے مطابق فرمایا کہ علیؑ اُس آیت کے سیّد شریف وامیر ہیں اور دوسری روایت کے مطابق رئیس وقائد ہیں اور دوسری روایت کے مطابق سید وشریف ہیں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

پاس ہمیشہ باقی رہنے والے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہ رہیں گے۔ خُدا اُن سے راضی ہے اور وہ خدا سے راضی ہیں۔ یہ اُس کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں۔ واضح ہو کہ بہت سی احادیث معتبرہ میں خاصہ و عامہ کے طریقہ سے وارد ہوا ہے کہ یہ آیت حضرت امیرالمومنینؑ اور اُن کے شیعوں کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ حافظ ابونعیم نے اپنی سند سے ابن عباس اور حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی جناب رسولِ خداؐ نے امیرالمومنینؑ سے فرمایا کہ اس آیت کے مصداق تم ہو اور تمہارے شیعہ۔ قیامت کے روز تم اور تمہارے شیعہ راضی و خوشنود آؤ گے اور خداوند کریم تم لوگوں سے راضی ہوگا۔ اور تمہارے دشمن مُبتلائے عذاب ہوں گے۔ اُن کی گردنوں میں زنجیریں ہوں گی۔ نیز اپنی سند سے حارث اعور سے روایت کی ہے کہ جناب امیرالمومنینؑ نے فرمایا کہ ہم

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) اور ان مضامین کی حافظ اور دوسروں نے بسند بسیار اعمش اور مجاہد اور ابن عباس وغیرہ سے روایت کی ہے اور معلوم ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص جو آنحضرتؐ کی ولایت کا قائل نہ ہو مومنین میں داخل نہیں ہے اور جس شخص نے اس تمام آیت پر سب سے پہلے عمل کیا ہے اور کمال ایمان اور سبقتِ اسلام اس سے مخصوص ہے وُہی مراد ہے۔ چنانچہ حافظ اور دُوسروں نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ قرآن میں کسی مقام پر یاایھاالذین اٰمنوا نہیں ہے مگر یہ کہ اس میں سابق علیؑ ہیں کیونکہ انھوں نے اسلام میں سب سے پہلے سبقت حاصل کی ہے۔ اور اسی کی مؤید وہ ہے جو اکثر مفسرین و محدثین خاصہ و عامہ نے مثل ثعلبی و واحدی و ابن مردویہ و حافظ ابونعیم وغیرہم کے بسند ہائے بسیار روایت کی ہے کہ علیؑ اور ولید بن عقبہ عثمان کے مادری بھائی میں تنازع ہوئی۔ ولید نے امیرالمومنینؑ سے کہا کہ خاموش ہو کیونکہ تم لڑکے ہو، اور میں خدا کی قسم وہ ہوں کہ میری زبان تم سے زیادہ کشادہ اور میرا نیزہ بھی بہت زیادہ تیز ہے۔ اور میں جنگ میں بہت دلیر ہوں۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ اے فاسق خاموش رہ تو خداوندِ عالم نے حضرت کے قول کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی افمن کان مومناً کمن کان فاسقاً لا یستوون۔ یعنی کیا وہ شخص جو مومن ہو اس کے مانند ہے جو فاسق ہو۔ یہ دونوں برابر نہیں ہیں۔ اُس کے بعد فرمایا ہے کہ جو ایمان لائے ہیں اور اعمالِ صالحہ بجالائے ہیں انہی کے لیے بہشتیں ہیں جو مومنین کی دائمی جگہ ہے اس سبب سے کہ جو کچھ ایمان و اعمالِ صالحہ وہ لوگ بجالائے ہیں اور جو لوگ فاسق تھے تو اُن کی جگہ جہنم ہے اور بسند ہائے بسیار حافظ ابونعیم اور دوسروں نے ابنِ عباس اور مجاہد وغیرہم نے روایت کی ہے کہ مومن علیؑ بن ابی طالب ہیں اور فاسق ولید بن عقبہ ہے اور اس آیت کی دلیل سے اُن حضرتؑ کے کمال ایمان میں کوئی شک نہیں ہے بلکہ یہ اُن حضرت کی عصمت پر دلالت کرتی ہے جبکہ فاسق کے مقابلہ میں واقع ہوئی ہے اور اُن کے دخول جنت کی تاکید میں نازل ہوئی ہے اور اگر اس بارے میں بات کی جائے تو اُن حضرت کی فضیلت و ایمان کے لیے ہمارے لیے یہی کلام کافی ہے۔ ۱۲ منہ

اہلبیت وُہ ہیں کہ ہم پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ ایک شخص ابن عباس کے پاس گیا اور ان باتوں کو تعجب سے اُن سے بیان کیا۔ ابن عباس نے کہا شاید تیرے نزدیک علیؑ مثل پیغمبر نہیں ہیں اُن کو دوسروں کے مانند قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ پھر کہا کہ یہ آیت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اولئك هم خير البريه اور ابوالقاسم حسکانی نے شواہد التنزیل میں بریدہ بن شراحیل کاتب امیرالمومنینؑ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اُن حضرتؑ سے سُنا کہ آپ نے فرمایا کہ رسُولِ خدا کی رُوح اس حالت میں قبض ہوئی کہ حضرت میرے سینہ سے تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ اُس حالت میں آپ نے فرمایا تھا کہ یا علیؑ تم نے اس قولِ خدا کو سُنا ہے؟ کہ ان الذین امنوا وعملوا الصلحت اولئك هم خير البريه پھر فرمایا کہ وہ تمہارے شیعہ ہیں اور میری اور تمہاری وعدہ گاہ حوضِ کوثر پر ہے۔ جب امتیں حساب کے لیے جمع ہوں گی تمہارے سفید و نورانی چہروں کو دیکھیں گی۔ نیز ابنِ عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت علیؑ اور ان کے اہلبیتؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ ابنِ مردویہ اور عامہ کے سارے محدثین نے متعدد طریقوں سے اس مضمون کی روایت کی ہے۔ اس کی موید وہ ہے جو فخر رازی وغیرہ نے ابنِ مسعود سے روایت کی ہے کہ جناب رسُولِ خداؐ نے فرمایا کہ علی خیر البشر من ابی فقد کفر، (علیؑ خیر البشر ہیں جس نے انکار کیا اُس نے کفر کیا) نیز فخر رازی وغیرہ نے مخالفین سے روایت کی ہے کہ رسُولِ خدا نے ذوالثدیہ کے بارے میں فرمایا کہ اُس کو بہترین خلق قتل کرے گا۔ اور دوسری روایت کے مطابق فرمایا کہ اُس کو میری اُمت کا بہترین شخص قتل کرے گا۔ اور ابن مردویہ نے ابی البشر انصاری سے اور اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں عائشہ کے پاس گیا۔ عائشہؓ نے پوچھا ان کو کس نے مارا یعنی خوارج کو میں نے کہا علیؑ نے ان کو قتل کیا کہا مجھے وہ عداوت نہیں روک سکتی جو میرے دل میں علیؑ سے ہے کہ میں حق بات نہ کہوں۔ میں نے جنابِ رسُولِ خداؐ سے سُنا آپ فرماتے تھے کہ اُن کو میری اُمت کا سب سے بہتر شخص میرے بعد قتل کرے گا اور فرماتے تھے کہ حق علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ حق کے ساتھ ہے۔ نیز مسروق سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عائشہ کو قسم دی کہ جو کچھ خوارج کے بارے میں آپ نے سُنا ہے بیان کیجئے۔ عائشہؓ نے کہا میں نے سُنا ہے کہ رسولِ خداؐ فرماتے تھے وہ بدترین خلق ہیں اور ان کو بہترین خلقِ خدا و خلیفہ اور خدا کے نزدیک قرب و وسیلہ کے لحاظ سے سب سے بلند مرتبہ قتل کرے گا۔ نیز متعدد سندوں سے مسروق سے روایت کی ہے۔ اور بعض روایت میں اس طرح ہے کہ ان کو بہترین خلق قتل کرے گا۔ جس کا وسیلہ خدا کے نزدیک قیامت کے دن سب سے نزدیک ہے اور بعض روایات میں ہے کہ ان کو میری امت کا سب سے بہتر شخص قتل کرے گا اور مسند بن حنبل سے بھی دوسری روایت

کے مانند روایت کی ہے لہٰذا ان احادیث سے جو خاصہ و عامہ میں متفق ہیں ظاہر ہوا کہ وہ حضرت اور اُن کے شیعہ بہترین خلائق ہیں اس لیے وہ امامت کے سب سے زیادہ سزاوار اور حقدار ہیں۔ اور اُن حضرتؑ کی جہاد میں سبقت کے بیان کی احتیاج نہیں ہے کیونکہ آپ کی آتشبار تلوار کی بجلی قیامت تک مومنوں کے دلوں کو روشن کرتی رہے گی اور منافقوں کے لیے جانسوز شعلہ رہے گی اس کے بعد اس کا مجمل بیان کیا جائے گا۔

پندرھویں وجہ۔ قل کفیٰ باللہ شہیداً بینی وبینکم ومن عندہ علم الکتاب۔ اے رسولؐ کہہ دو کہ میرے اور تمھارے درمیان گواہی کے لیے ایک تو خدا کافی ہے۔ دوسرے وہ جس کے پاس کتاب کا پورا پورا علم ہے۔ یعنی علم قرآن یا لوحِ محفوظ۔ اور احادیث مستفیضہ و عامہ و خاصہ کے طریقہ سے وارد ہوئی ہیں کہ اُس شخص سے مراد جس کے پاس کتاب کا پورا پورا علم ہے امیرالمومنینؑ ہیں اور آپ کے فرزند حسن وحسین علیہم السلام۔ چنانچہ عامہ نے شعبی سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص جنابِ رسولِ خدا کے بعد کتابِ خدا کا علیؑ سے زیادہ جاننے والا نہ تھا۔ اور عاصم نے عبدالرحمٰن سلمی سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن مسعود نے کہا کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو علیؑ سے بہتر قرآن کی تلاوت کرتا ہو نیز عبدالرحمٰن نے روایت کی ہے کہ ابنِ مسعود کہتے تھے کہ اگر میں کسی کو اپنے سے زیادہ کتابِ خدا کا جاننے والا جانتا تو اُس کے پاس جاتا میں نے کہا علیؑ تم سے اعلم تر تھے۔ اُنھوں نے کہا میں ان کے پاس جا چکا ہوں اور سیکھ چکا ہوں یعنی چونکہ وہ اعلم تھے اِس لیے میں اُن کے پاس گیا اور ثعلبی نے اپنی سند سے عبداللہ بن عطا سے روایت کی ہے کہ اُنھوں نے کہا کہ میں امام محمد باقرؑ کی خدمت میں مسجد میں بیٹھا تھا میں نے مسجد کے کنارے عبداللہ بن سلام کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ میں نے حضرت امام محمد باقرؑ سے عرض کی کہ اہلِ سنّت گمان کرتے ہیں کہ جس شخص کے پاس علم کتاب تھا وہ عبداللہ بن سلام ہے حضرت نے فرمایا کہ وہ امیرالمومنین علیہ السلام تھے جن کے پاس علم کتابِ خدا تھا نیز ثعلبی اور ابونعیم نے اپنی سندوں سے محمد حنفیہ سے روایت کی ہے کہ من عندہ علم الکتاب علیؑ تھے، اور سیوطی نے روایت کی ہے کہ ابنِ جبیر سے لوگوں نے پوچھا کہ من عندہ علم الکتاب کیا عبدالسلام ہے کہا کس طرح وہ ہوگا حالانکہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا اور ابن سلام مدینہ میں مسلمان ہوا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ حضرت دوسروں سے علمِ قرآن بہت زیادہ جاننے والے ہیں اور خدا ذکر فرماتا ہے کہ کوئی خشک و تر نہیں ہے مگر یہ کہ اُس کا علم قرآن میں ہے لہٰذا وہ حضرت تمام اُمت سے بلکہ انبیاء سے بھی زیادہ عالم تھے۔

یہ آیت تین طریقوں سے اُن حضرت کی فضیلت و امامت پر دلالت کرتی ہے (اوّل) یہ کہ

آپ کا اعلم ہونا جیسا کہ بار بار مذکور ہوا دُوسرے یہ کہ خدا نے اُن حضرتؑ کو جنابِ رسُولِ خدا کی حقیت کی شہادت میں اپنے مقابل قرار دیا اور اس مرتبہ سے بالاتر کوئی مرتبہ نہیں ہو سکتا۔ تیسرے یہ کہ صرف اُن حضرت کی گواہی پر اکتفا کرنا اُن حضرتؑ کی عصمت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ معصوم کے سوا ایک شخص کی گواہی سے مُدّعا ثابت نہیں ہوتا۔ اور عصمت دلیل امامت ہے جیسا کہ بیان گزر چکا۔

سولھویں وجہ ۔ آیت نجویٰ ہے جس کے بارے میں خاصہ و عامہ کے مفسروں نے روایت کی ہے کہ جب اصحابِ رسُولؐ آنحضرتؐ سے بہت سوال کرنے لگے جو آنحضرتؐ کے ملال و تکلیف کا باعث ہوتا تھا اس سبب سے خدا نے صحابہ کے امتحان کے لیے کہ ظاہر ہو جائے کہ کون نہایت خلوص کے ساتھ جان و مال نثار کرنے میں سچا ہے۔ یہ آیت بھیجی یاایھا الذین امنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجوٰیکم صدقة یعنی اے مومنو جب تم رسُولؐ سے سرگوشی کرو تو پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو۔ مگر صحابہ میں سے کسی نے دس روز تک جیسا کہ بیضاوی اور تمام مفسروں نے کہا ہے رسُولؐ سے سرگوشی نہ کی اور کوئی بات نہیں کہی سوائے جنابِ امیرؑ کے باتفاق موافق و مخالف یہاں تک کہ آیت منسُوخ ہو گئی اور خداوندِ عالم نے فرمایا أأشفقتم ان تقدموا بین یدی نجوٰیکم صدقاتٍ فان لم تفعلوا وتاب اللہ علیکم واقیموا الصلوٰة واٰتوا الزکوٰة واطیعوا اللہ ورسُولہ واللہ خبیر بما تعملون، کیا تم رسُولؐ سے سرگوشی کرنے کے لیے صدقہ دینے سے ڈر گئے۔ تم نے صدقہ نہیں دیا مگر خدا نے تم کو معاف کر دیا۔ لہٰذا نماز کو قائم رکھو اور زکوٰة ادا کرو اور خدا اور اُس کے رسُولؐ کی اطاعت کرو اور تم جو کچھ کرتے ہو خدا اُس سے واقف ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اس آیت میں تمام تر عتابات صحابہ سے ہے سوائے جنابِ امیرؑ کے کہ آپ نے باتفاق مفسرین اس پر عمل کیا۔ حافظ ابونعیم اور تمام مفسروں نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ جنابِ امیرؑ نے فرمایا کہ قرآن میں ایک آیت ہے جس پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل نہیں کیا اور نہ کوئی میرے بعد عمل کرے گا۔ اور وہ آیۂ نجویٰ ہے میرے پاس ایک دینار تھا میں نے اُس کے عوض دس درم لیے۔ اور جب میں چاہتا تھا کہ آنحضرتؐ سے کوئی راز کی بات کروں تو ایک درم صدقہ دیتا تھا یہاں تک کہ آیت منسُوخ ہو گئی۔ اور دوسری روایت میں فرمایا کہ میری برکت سے خدا نے اس حکم کی اس امت سے تخفیف فرمائی اور سدی نے ابنِ عباس سے روایت کی ہے کہ لوگ خلوت میں آنحضرتؐ سے راز کہتے تھے۔ جب اُن کو ضرورت درپیش ہوتی۔ یہاں تک کہ یہ بات آنحضرتؐ کی تکلیف کا باعث ہوئی۔ اُس وقت خدا نے ہر شخص پر واجب قرار دیا کہ جو راز کہنا چاہے پہلے صدقہ دے، تو لوگوں نے راز کہنا چھوڑ دیا اور

اُن پر یہ امر دشوار ہوا۔ اور حافظ ابو نعیم نے ما نزل من القران فی علی میں کئی سندوں سے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کسی میں طاقت نہ ہوئی کہ آنحضرت سے راز کہے اور پہلے صدقہ دے اور سب سے پہلے جس شخص نے صدقہ دیا وہ علیؑ تھے۔ آپ نے ایک دینار دس درم کے بدلے فروخت کیا اور جناب رسولؐ سے دس مرتبہ راز میں گفتگو کی اور ہر راز کے عوض ایک درم تصدق کیا۔ اور دوسری روایت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی لوگوں نے آنحضرتؐ سے راز کہنا ترک کر دیا اور امیر المومنینؑ نے صدقہ دیا اور راز کہا اور ان کے سوا کسی مسلمان نے تصدق نہ کیا۔ اس پر منافقوں نے کہا کہ (محمدؐ نے) یہ کام صرف اس لیے کیا ہے کہ اپنے پسر عم کی شہرت کریں۔ واضح ہو کہ اُن حضرت کا جناب رسولؐ سے اس فضیلت کے ساتھ اختصاص آپ کی منقبتوں میں سے ایک عظیم منقبت ہے اور اس جگہ معلوم ہوا کہ مخالفوں نے جو وضع کیا ہے کہ ان کے خلفائے ثلاثہ نے جو راہِ دین میں کثیر مال خرچ کیے ہیں محض افترا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر امر دین سے ان کو دلچسپی ہوتی تو دس روز میں ایک درم بلکہ ایک دانۂ خرما ہی صدقہ دے دیتے تاکہ ان عتابات کے مستحق نہ قرار پاتے۔

سترھویں وجہ۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا یعنی خدا کی رسّی سب مل کر پکڑلو اور متفرق نہ ہو۔ خدا کی رسّی سے کنایہ ہے اُس چیز سے جس کو کہ حق تعالیٰ نے اس امت کی نجات کا سبب قرار دیا ہے اور بہت سی حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ اس سے مراد اہل بیت رسولؐ ہیں جیسا کہ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں ابان بن تغلب سے روایت کی ہے اُس نے امام جعفر صادقؑ سے کہ آپ نے فرمایا کہ ہم ہیں وہ جن کو خدا نے اس آیت میں حبل اللہ کہا ہے اور حافظ ابو نعیم نے بھی اس مضمون کی ابو جعفی صایغ سے اُس نے انہی حضرتؑ سے روایت کی ہے۔ نیز عامہ نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ ایہا الناس میں تمھارے درمیان دو حبل چھوڑتا ہوں۔ اگر تم ان سے متمسک رہو گے تو ہرگز میرے بعد گمراہ نہ ہو گے اور وہ ایک دوسرے سے بلند مرتبہ ہیں۔ خدا کی کتاب وہ رسّی ہے جو آسمان سے زمین کی جانب کھینچی ہوئی ہے اور دوسری حبل خدا میری عترتؑ اور اہلبیتؑ ہیں یقیناً یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر وارد ہوں گے۔

اٹھارھویں وجہ۔ قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی یعنی اے رسولؐ کہہ دو کہ یہ میرا راستہ ہے کہ خدا کی جانب بصیرت و بینائی پر لوگوں کو بلاتا ہوں، میں اور وہ جس نے میری پیروی کی ہے۔ اہلبیتؑ سے بہت سی حدیثیں منقول ہیں کہ اس سے مراد وہ

شخص ہے جس نے تمام لوگوں سے پہلے آنحضرتؐ کی متابعت کی ہے اور وہ علیؑ ہیں۔ ابن مردویہ نے عامہ کے محدثین سے اور انھوں نے حضرت باقرؑ سے بھی روایت کی ہے اور دوسری روایت کے مطابق منقول ہے کہ اس سے مراد آلِ محمدؐ ہیں۔ نیز حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ھوالذی ایدک بنصرہ و بالمؤمنین یعنی خدا وہ ہے جس نے تم کو اپنی اور مومنینؑ کی مدد سے تقویت دی ہے اور جانبین کی معتبر خبروں میں وارد ہوا ہے کہ مومنین سے مراد علیؑ ہیں یا خدا کی نصرت سے مراد وہ نصرت ہے جو خدا نے علیؑ کے ہاتھ پر جاری کی ہے۔ اوّل معنی کی بنا پر یہ مراد ہے کہ ان کے بہتر اور سرکردہ علیؑ ہیں۔ یا مومنوں سے مراد وہ ہیں جو علیؑ (کی امامت و ولایت) پر ایمان لائے ہیں۔ چنانچہ سیوطی نے درمنثور میں اپنی سند سے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ عرش پر لکھا ہوا ہے۔ لا الٰہ الا انا وحدی لاشریک لی محمد عبدی ورسولی ایدتہ بعلیؑ (کوئی خدا نہیں سوائے میرے اور میرا کوئی شریک نہیں ہے۔ محمدؐ میرے بندہ اور رسولؐ ہیں۔ میں نے اُن کی مدد علیؑ سے کی ہے) یہ ہے مطلب اُس کا جو خدا نے فرمایا ہے کہ ھوالذی ایدک بنصرہ و بالمؤمنین۔ اور حافظ ابونعیم نے حلیہ میں اور ان کے علاوہ کلینی سے انھوں نے ابوصالح سے، انھوں نے ابوہریرہؓ سے اسی مضمون کی روایت کی ہے اور ثعلبی نے تفسیر میں ابن جبیر سے انھوں نے ابوالحمرا، خادم جناب رسولِ خداؐ سے روایت کی ہے کہ میں نے جناب رسولِ خداؐ سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ شبِ معراج عرش کے داہنے ساق پر لکھا تھا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایدتہ بعلی ونصرتہ۔ یعنی میں نے تقویت دی محمدؐ کو علیؑ سے اور ان کی مدد انہی (علیؑ) سے کی۔ اور حافظ ابونعیم نے دو سند سے امام محمد باقرؑ علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ یہ آیت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے یا ایھا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المؤمنین)۔ یعنی اے رسولؐ تمھارے لیے خدا اور جس نے مومنین میں تمھاری متابعت کی ہے (مدد کے لیے) کافی ہیں اور وہ علیؑ ہیں جنھوں نے تمام شخصوں سے پہلے تمھاری متابعت کی ہے اور محدث حنبلی نے کہا ہے کہ وہ علیؑ ہیں جو مومنین کے سرکار پیشوا ہیں۔[۱]

انیسویں وجہ — وقفوھم انھم مسئولون یعنی کافروں کو ٹھہراؤ تاکہ اُن سے پوچھا جائے گا۔ حافظ ابونعیم نے حلیہ اور چند دوسری کتابوں میں اور ابوالقاسم حسکانی نے

۱۔ مؤلف فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں اور حدیثیں جو فریقین میں متفق ہیں دلیل ہیں کہ جناب امیر حضرت رسالتمآبؐ کی حقیقی متابعت اور کامل اور واقعی امداد سے مخصوص ہیں اور ان حضرتؑ کی تقدیم و ترجیح کیلئے یہی کافی ہے نیز ظاہر ہوا کہ جناب رسولِ خداؐ کے بعد خدا کی جانب دعوت دینا (تبلیغ دین) انہی حضرت سے مخصوص ہے۔ ۱۲

شواہد التنزیل اور ابن شیرویہ نے فردوس الاخبار میں اور ابن مردویہ نے مناقب میں اور دوسرے محدثین نے بہت سی سندوں سے ابن عباس اور ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ لوگوں سے محبت علیؑ کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور حافظ ابو نعیم نے کتاب منقبۃ المطہرین میں چند سندوں سے بریدہ وغیرہ سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ ایک روز آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ اُس خدا کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کہ قیامت کے دن کوئی بندہ اپنے دونوں پیروں سے حرکت نہ کرے گا۔ یہاں تک کہ اُس سے چار چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ (۱) اُس عمر کے بارے میں کہ کس چیز میں گذاری (۲) اُس کے جسم کے بارے میں کہ کون اعمال نے لاغر و ضعیف کیا (۳) اُس کے مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا۔ اور کن کاموں میں صرف کیا (۴) ہم اہلبیتؑ کی محبت کے بارے میں۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ یا رسُول اللہؐ آپ کے بعد آپ کی محبت کی علامت کیا ہے۔ حضرتؐ نے اپنا ہاتھ علیؑ کے سر پر رکھا اور فرمایا ہم اہلبیتؑ کی محبت کی علامت یہ شخص ہے جو شخص اس کو دوست رکھے اُس نے ہم کو دوست رکھا۔ اور جو شخص اس کو دُشمن رکھے اُس نے ہم کو دُشمن رکھا۔ اور ان حدیثوں کی وجہ استدلال گذر چکی۔

بیسویں وجہ — قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ ومن یقترف حسنۃ فیھا حسنا۔ خاصہ و عامہ کی حدیثوں کے مطابق اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ میں اپنی تبلیغ رسالت کا اجر تم سے سوائے اس کے کچھ نہیں چاہتا کہ میرے قرابتداروں سے محبت کرو اور جو شخص ہماری محبت میں نیکی عمل میں لائے گا، ہم اُس میں اور اضافہ کر دیں گے اور ثواب بڑھا دیں گے اور دوسری جگہ فرمایا ہے کہ قل ما سئلتکم من اجر فھو لکم یعنی اے رسُولؐ کہہ دو جو میں نے اجر رسالتؐ کے بارے میں تم سے سوال کیا اُس کا فائدہ تمھارے ہی لیے ہے اور صحیح مُسلم میں ابن جبیر سے روایت کی ہے کہ اس آیت میں قربیٰ سے مُراد رسُول خداؐ کے قریب ترین اقربا ہیں۔ اور ابو حمزہ ثمالی نے تفسیر میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب جناب رسُول خداؐ نے مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت کی انصار حضرتؐ کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ آپ پر بہت زیادہ اخراجات کا بار پڑتا رہتا ہے۔ ہمارے مال میں سے جس قدر آپ حکم دیں ہم حاضر کریں اور وہ جائز ہے۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ نیز ابو حمزہ ثمالی نے سدی سے اور ثعلبی نے ابن عباس سے روایت کی ہے اقتراف حسنہ آلِ محمدؐ کی مودت ہے اور خاصہ و عامہ کی روایت کے مطابق حضرت امام حسنؑ مجتبیٰ سے منقول ہے کہ آپؑ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ ہم وہ اہلبیت ہیں جن کی مودت اس آیت میں خدا نے ہر مسلمان پر واجب کی ہے جیسا کہ فرماتا ہے قل لا اسئلکم علیہ

اجراً الا المودۃ فی القربیٰ اور اقتراف حسنہ ہم اہلبیتؑ کی محبت و مودت ہے اور ابو القاسم حسکانی نے شواہد التنزیل میں جبیر سے اور انھوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہؐ وہ کون لوگ ہیں جن کی مودت ہم پر واجب ہوئی ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ وہ علی و فاطمہ اور ان کے فرزند علیہم السلام ہیں اور ابو نعیم کی روایت کے مطابق اُن کے دونوں فرزند ہیں۔ اور ثعلبی نے بھی تفسیر میں ابن عباس سے اسی مضمون کی روایت کی ہے اور شواہد التنزیل میں ابو امامہ باہلی سے روایت کی ہے کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے پیغمبروں کو متفرق درختوں سے خلق کیا ہے۔ اور میں اور علیؑ ایک درخت سے پیدا ہوئے ہیں۔ میں اُس درخت کی اصل ہوں اور علیؑ اس کی فرع اور حسن و حسین علیہما السلام اُس کے پھل ہیں اور ہمارے شیعہ اُس کے پتے ہیں جو شخص اُس کی کسی شاخ سے وابستہ ہو جائے نجات پائے گا۔ اور جو شخص اس کے سوا کسی دوسرے کی طرف مائل ہوگا جہنم میں جائے گا۔ اگر کوئی بندہ صفا و مروہ کے درمیان ہزار سال عبادت کرے پھر ہزار سال، یہاں تک کہ مشک کے مانند بوسیدہ ہو جائے اور ہماری محبت نہ رکھتا ہو تو خدا اس کو جہنم میں ڈالے گا۔ اُس کے بعد اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ حافظ ابو نعیم نے بہت سی سندوں سے زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ رسولِ خداؐ جناب فاطمہؑ کے پاس تشریف لے گئے اور حسنؑ و حسینؑ بھی وہاں موجود تھے۔ حضرتؐ نے دروازہ کے دونوں بازو پکڑ کر فرمایا کہ میں اُس سے جنگ کرنے والا ہوں جو تم سے جنگ کرے اور صلح کرنے والا ہوں جو تم سے صلح کرے۔ نیز اس مضمون کو اُمِّ سلمہؓ اور ابو سعید خدری سے بھی روایت کی ہے۔ نیز ابو ہریرہؓ نے روایت کی ہے کہ رسولِ خداؐ نے جنابِ امیرؑ اور حسن و حسین علیہم السلام کی جانب نگاہ کی اور یہی بات فرمائی اور جابرؓ سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ عرفات میں تھے اور علیؑ آپؐ کے برابر کھڑے تھے۔ اُس وقت آنحضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ میرے پاس آؤ پھر اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ میں اور تم ایک درخت سے خلق ہوئے ہیں۔ میں اس درخت کی اصل ہوں اور تم فرع ہو۔ اور حسنؑ حسینؑ اِن کی شاخیں ہیں جو اُس کی ایک شاخ سے وابستہ ہو جائے خدا اُس کو بہشت میں داخل کرے گا۔ اور ثعلبی نے ما علمنا منطق الطیر کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ قبرہ جو چیختا ہے کہتا ہے کہ خداوندا دشمنان آلِ محمدؐ پر لعنت کر اور ثعلبی اور صاحب کشاف اور فخر رازی نے جریر بن عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ جو شخص آلِ محمدؐ کی محبت پر مرتا ہے شہید مرتا ہے اور جو شخص آلِ محمدؐ کی محبت پر مرتا ہے، وہ بخشا ہوا مرتا ہے اور جو شخص آلِ محمدؐ کی محبت پر مرتا ہے توبہ کیا ہوا مرتا ہے اور جو شخص آلِ محمدؐ کی محبت پر مرتا ہے ایمانِ کامل کے ساتھ مرتا ہے اور جو شخص آلِ محمدؐ کی محبت پر مرتا ہے اُس کو ملک الموت اور

منکر و نکیر بہشت کی خوشخبری دیتے ہیں اور جو شخص آلِ محمدؐ کی محبت پر مرتا ہے اس کو بہشت میں اس طرح لے جاتے ہیں جیسے دلہن کو اُس کے شوہر کے گھر لے جاتے ہیں اور جو شخص محبت آلِ محمدؐ پر مرتا ہے اُس کی قبر میں بہشت کی جانب سے دو دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جو شخص آلِ محمدؐ کی محبت پر مرتا ہے خداوندِ عالم ملائکہ کو رحمت کے ساتھ اُس کی قبر کی زیارت کے لیے بھیجتا ہے اور جو شخص آلِ محمدؐ کی محبت پر مرتا ہے وہ سنت و جماعت پر مرتا ہے۔

اور جو شخص آلِ محمدؐ کی دشمنی پر مرتا ہے خدا کی رحمت سے نا اُمید مرتا ہے اور جو شخص آلِ محمدؐ کی دشمنی پر مرتا ہے کافر مرتا ہے اور جو آلِ محمدؐ کی عداوت پر مرتا ہے بوئے بہشت نہیں سونگھنے پائیگا

اور ابن ابی الحدید نے نہج البلاغہ کی شرح میں مسند ابن حنبل سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے خطبہ پڑھا اور فرمایا ایہا الناس میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ میرے بھائی اور ابنِ عم علی بن ابی طالبؑ سے محبت کرو اُس کا دوست مومن ہے اور اس کا دشمن کافر ہے اور منافق۔ اُس کا دوست میرا دوست ہے اور اُس کا دشمن میرا دشمن ہے۔ اور جو شخص میرا دشمن ہوگا اُس کی جزا جہنم ہے اور تفسیر ثعلبی میں روایت کی ہے کہ شبِ معراج میں خدا کی جانب سے ایک فرشتہ حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا کہ یا رسول اللہؐ آپ تمام رسولوں سے سوال کیجئے کہ وہ کس امر پر مبعوث کئے گئے۔ (حضرتؐ نے سوال کیا تو) اُن انبیاء و مرسلین نے جواب دیا کہ آپؐ کی اور علی بن ابی طالبؑ کی ولایت پر۔ اور حدیثیں اس بارے میں اس قدر ہیں کہ ان کا احصا نہیں ہوسکتا۔ اور فخر رازی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ آلِ محمدؐ وہ ہیں کہ ان کا معاملہ آنحضرتؐ کی طرف راجع ہوتا ہے اور جس کا معاملہ آنحضرتؐ کی طرف زیادہ راجع ہوتا ہے وہ آنحضرتؐ کی آل ہے اور بیشک علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کے تعلقات آنحضرتؐ کے ساتھ نہایت زبردست تھے۔ اور یہ متواتر معلوم کے مانند ہے لہٰذا واجب ہے کہ وہ آل ہوں۔ نیز بعض نے اس میں اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ آل آنحضرتؐ کے اقارب ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اُمت ہیں اگر ہم قرابت پر محمول کریں تو وہی حضرات ہیں اور اگر ہم اس امت پر محمول کریں جنھوں نے آنحضرتؐ کی دعوت قبول کی تب بھی وہی ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ہر طرح آل وہی بزرگوار ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ کسی کا آل میں داخل ہونا مختلف فیہ ہے تو صاحبِ کشاف سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ کے وہ قرابت دار کون ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا وہ علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ چار حضراتؑ پیغمبرؐ کے اقارب ہیں تو واجب ہے کہ زیادہ تعظیم سے مخصوص ہوں اور اس پر چند دلیلیں ہیں۔

(اوّل) اُن حضرات کی شان میں آیت کا نازل ہونا (دوسری دلیل) جبکہ ثابت ہو چکا کہ رسُولِ خداؐ جنابِ فاطمہؑ کو دوست رکھتے تھے اور فرمایا فاطمہؑ میرے جسم کا ٹکڑا ہے مجھ کو اذیت دیتی ہے وُہ بات جو اس کو ایذا دیتی ہے۔ اور متواتر احادیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ جنابِ رسُولِ خدا علی و حسن و حسین علیہم السّلام کو دوست رکھتے تھے لہٰذا واجب ہے تمام امت پر کہ ان کو دوست رکھیں کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ فاتبعوہ لعلکم تفلحون ۔ فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ اور لقد کان لکم فی رسُول اللہ اسوۃ حسنۃ یہ تمام آیتیں آنحضرتؐ کی تاسی اور پیروی پر دلالت کرتی ہیں۔ (تیسری دلیل) یہ کہ آل کے لیے دُعا کرنا عظیم منصب ہے۔ لہٰذا یہ سب اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آلِ محمدؐ کی محبت واجب ہے ۔ نیز صاحبِ کشاف نے سدی سے روایت کی ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے حضرت فاطمہؑ سے فرمایا کہ اپنے شوہر اور دونوں لڑکوں کو لاؤ ۔ جب وہ حضرات آئے تو حضرتؐ نے اُن پر ردا اُڑھائی اور ہاتھ اٹھا کر دُعا کی کہ خداوندا یہ آلِ محمدؐ ہیں لہٰذا ان پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرما بیشک تو حمید و مجید ہے ۔ ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ میں نے عبا کا گوشہ اٹھایا کہ ان کے ساتھ داخل ہوں۔ حضرتؐ نے چادر میرے ہاتھ سے کھینچ لی اور فرمایا تمھاری عاقبت بخیر ہے

اکیسویں وجہ ۔ ان الذین امنوا وعملوا الصّٰلحٰت طوبیٰ لھم وحسن ماٰب یعنی جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال بجالائے طوبیٰ ان کے لیے ہے اور آخرت کی جانب اُن کی نیک بازگشت ہے۔ ثعلبی نے ابن عباس سے روایت کی ہے۔ کہ طوبیٰ بہشت میں ایک درخت ہے جس کی جڑ علیؑ کے قصر میں ہے اور اُس درخت کی شاخ ہر مومن کے مکان میں ہے ۔ نیز جابرؓ سے روایت کی ہے انھوں نے امام محمد باقرؑ سے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے لوگوں نے طوبیٰ کو دریافت کیا ۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ وہ بہشت میں ایک درخت ہے جس کی جڑ میرے قصر میں ہے اور اس کی شاخیں تمام اہلِ بہشت پر سایہ فگن ہیں۔ دوبارہ آنحضرتؐ سے پوچھا تو فرمایا وہ بہشت میں ایک درخت ہے جس کی جڑ علیؑ کے مکان میں ہے اور شاخیں تمام اہلِ بہشت پر سایہ انداز ہیں ۔ پھر لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اس کی اصل میرے مکان میں ہے۔ دوبارہ فرمایا کہ علیؑ کے مکان میں ہے تو آپ نے فرمایا کہ بہشت میں میرا اور علیؑ کا مکان ایک ہے اور اُس درخت کی جڑ ایک مکان میں ہے ۔ واضح ہو کہ جو آیتیں کہ متکلمین نے جنابِ امیرؑ اور تمام اہلبیتؑ کی شان میں روایت کی ہیں میں نے حیات القلوب میں درج کر دی ہیں ۔ اس رسالہ میں اسی قدر آیتوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔

چھٹا مقصد ۔ جانبین کی متواتر حدیثوں کا بیان جو جنابِ امیرؑ کی امامت ، خلافت ،

فضیلت اور جلالت پر اور آپ کے دشمنوں کے معائب اور ذمائم پر دلالت کرتی ہیں اور اس
میں چند فصلیں ہیں۔

پہلی فصل ـ حدیث غدیر خم ہے اور وہ حضرت کی امامت پر نص صریح ہے کہ اُس روز
جناب رسولِ خداؐ نے آنحضرتؑ کی امامت پر فرمائی۔

واضح ہو کہ واقعۂ غدیر متواترات سے ہے۔ جو شخص اُس کے تواتر کا انکار کرتا ہے۔ وہ مکہ
کے وجود کے تواتر کا انکار کر سکتا ہے۔ کیونکہ جس طرح مکہ و مدینہ کا وجود متواتر ہے اور آج تک
اُس مسجد کا اثر باقی ہے اور اُس مقام اور اُس اطراف و نواح کے رہنے والے سب یہ قصہ اپنے
باپ دادا کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں۔ اور جناب رسولِ خداؐ کے محل و مقام کا پتہ دیتے ہیں۔
جس طرح حجۃ الوداع اور تمام غزوات رسولِ خداؐ متواتر ہیں اسی طرح آنحضرتؐ کا غدیر خم میں
جناب امیرؑ کی منزلت و شانِ جلیلہ بیان کرنے کے لیے ٹھہرنا، اپنے اصحاب کو جمع کرنا اور خطبہ
پڑھنا متواتر ہے اور کسی نے ان امور میں اختلاف نہیں کیا ہے۔ اور اختلاف کیا بھی ہے تو واقعہ
اور خطبہ کے بعض خصوصیات میں کیا ہے اور ان کا اختلاف دلائل کے خلاف ہے۔ چونکہ حدیثیں
اس مطلب کی اس قدر زیادہ ہیں کہ اس رسالہ میں ان کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اس قصہ کا مجمل حال
اُن حدیثوں کے ساتھ جو عامہ کی مشہور صحاح میں مذکور ہیں ہم درج کرتے ہیں۔

سید ابن طاؤس نے کتاب اقبال میں کہا ہے کہ جناب رسولِ خداؐ کی نصِ امامت جناب امیرؑ
بیان سے بالاتر ہے۔ لیکن میں اُس جماعت کے نام ذکر کرتا ہوں جنھوں نے اس بارے میں تصانیف
کی ہیں اور اس مطلب کی حدیثیں اپنی تصنیفوں میں درج کی ہیں۔ منجملہ ان کے مسعود بن ناصر سجستانی
ہیں جو علمائے مخالفین کے ثقہ لوگوں میں سے ہیں۔ کتاب ولایت میں جو سات حصوں پر مشتمل ہے
حدیث غدیر کو ایک سو بیس(۱۲۰) صحابہ سے روایت کی ہے اور محمد بن جریر طبری صاحب تاریخ نے
کتاب رد علی الحرقوصیہ میں پچھتر(۷۵) طریقوں سے روایت کی ہے۔ اور ابوالقاسم حسکانی نے بہت
طریقوں سے روایت کی ہے اور ابن عقدہ حافظ نے کتاب الولایۃ میں ایک سو پانچ(۱۰۵) طریقوں
سے روایت کی ہے۔ پھر اس واقعہ کی تفصیل مولف کتاب النشر والطی سے نقل کی ہے اور انھوں
نے مخالفین کی معتبر کتابوں سے حذیفہ بن الیمان سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے
پیغمبرؐ پر یہ آیت نازل فرمائی۔ النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم
واولوالارحام بعضھم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ من المؤمنین والمھاجرین
یعنی پیغمبرؐ مومنین سے اُن کی جانوں سے اولیٰ ہیں اور ان کی بیویاں ان کی مائیں ہیں اور ان کے رحم
رشتہ دار کتاب خدا میں بعض اولیٰ ہیں بعض سے مومنین و مہاجرین سے۔ صحابہ نے کہا وہ ولایت کیا

ہے جس کی وجہ سے آپ لوگ ہم سے زیادہ حق دار ہیں ہماری جانوں سے حضرتؐ نے فرمایا ہماری باتیں سُننا اور اُن کی اطاعت کرنا ہے ان تمام امور میں جن کو تم چاہو یا نہ چاہو۔ صحابہ کہتے ہیں کہ ہم نے سُنا اور اطاعت کی پھر خدا نے یہ آیت نازل فرمائی کہ واذکروا نعمۃ اللہ علیکم و میثاقہ الذی اتقیکم بہ اذ قلتم سمعنا و اطعنا۔ یعنی اپنے اوپر نعمت خدا کو یاد کرو اور اُس عہد و پیمان کو جو ہم نے تم پر مستحکم و مضبوط کیا جس وقت کہ تم نے کہا کہ ہم نے سُنا اور اطاعت کی اور یہ سب واقعات مدینہ میں پیش آئے۔ پھر ہم رسُولِ خدا کے ساتھ حج آخر کے لیے مکّہ کی جانب گئے۔ وہاں جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا کہ آپ کا پروردگار آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ علیؑ کو مقرّر کرو کہ وہ لوگوں کے ہادی و پیشوا ہوں۔ یہ سُن کر حضرتؐ اس قدر روئے کہ آپ کی ریشِ مُبارک تر ہوگئی، اور کہا اے جبرئیلؑ میری قوم کا زمانہ جاہلیت اور کفر سے قریب ہے۔ میں ان کو تلوار کے زور سے دین میں لایا یہاں تک کہ میری اطاعت اُنھوں نے کی آئندہ اُن کا کیا حال ہوگا جب دوسرے کو ان پر حکمران قرار دوں۔ یہ سُن کر جبرئیلؑ واپس چلے گئے اور رسُولِ خداؐ نے علیؑ کو حج آخری سے پہلے یمن بھیج دیا تھا وہ مکّہ میں آکر آنحضرتؐ سے مل گئے ایک روز علیؑ مکّہ کے نزدیک نماز پڑھ رہے تھے۔ جب رکُوع میں گئے اور ایک سائل نے سوال کیا حضرتؑ نے اپنی انگشتری اس کو دے دی تو آیۂ انما ولیکم اللہ نازل ہوئی جیسا کہ آپ کی شان میں آیتوں کے ضمن میں بیان ہو چکا۔ اور جناب رسُولِ خداؐ نے اللہ اکبر کہا اور آیت ہم کو سُنائی اور فرمایا اُٹھو، آؤ چل کر دیکھیں یہ صفتیں جن کا ذکر خدا نے کیا ہے کس میں ظاہر ہوئی ہیں۔ جب جناب رسُولِ خداؐ مسجد میں داخل ہوئے تو ایک سائل کو دیکھا جو مسجد سے باہر جا رہا تھا۔ حضرتؐ نے پوچھا کہاں سے آتے ہو۔ کہا اس مرد کے پاس سے جو نماز پڑھ رہا ہے اُس نے یہ انگوٹھی حالتِ رکُوع میں مجھ کو دی ہے۔ یہ سُن کر آنحضرتؐ نے اللہ اکبر کہا اور جناب امیرؑ کی طرف روانہ ہوئے اور کہا اے علیؑ آج کون سا کارِ خیر تم نے کیا ہے۔ امیرالمومنینؑ نے انگشتری کا ذکر کیا تو حضرتؐ نے تیسری مرتبہ اللہ اکبر فرمایا۔ یہ دیکھ کر منافقوں نے ایک دوسرے پر نگاہ کی اور کہا ہمارے قلوب اس کو نہیں برداشت کر سکتے کہ وہ ہم پر مسلط ہوں۔ ہم رسُولؐ کے پاس چل کر کہتے ہیں کہ ان کو کسی دوسرے سے بدل دیں۔ جب یہ بات رسُولِ خداؐ سے عرض کی تو خداوند تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی قل مایکون لی ان ابدلہ من تلقاء نفسی اس تفسیر کے مطابق اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ جب اُن کو ہماری واضح آیتیں سُنائی گئیں جو قیامت کا اعتقاد نہیں رکھتے اُنھوں نے کہا کہ اس قرآن کے بدلے کوئی دوسرا قرآن لاؤ یا اس میں سے ذکرِ علیؑ نکال دو۔ اے رسُولؐ ان سے کہہ دو کہ میرے امکان میں نہیں ہے کہ میں اپنی مرضی سے

اِن کو بدل دُوں ۔ میں تو اُسی کی پیروی کرتا ہُوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے بیشک میں اُس بڑے
عذاب سے ڈرتا ہوں ۔ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں ۔ اُس وقت پھر جبریلؑ نازل
ہُوئے اور کہا یارسُول اللہؐ علیؑ کی خلافت کا معاملہ مکمل کر دیجئے ۔ حضرتؐ نے فرمایا اے جبریلؑ
تم نے منافقوں کی تدبیریں اِس بارے میں سُنیں ۔ یہ سُن کر جبریلؑ پھر آسمان پر گئے اور حذیفہ کی
روایت کے علاوہ دوسری روایت کے مطابق جنابِ رسُولِ خدا منیٰ میں منبر پر تشریف لے گئے
اور فرمایا کہ اے گروہ مردم میں اپنے بعد تمھارے درمیان دو چیزیں چھوڑتا ہوں اگر ان کی پیروی
کرو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے ۔ وہ کتابِ خدا اور میرے اہلبیت ہیں ۔ میرے خدائے لطیف
خبیر نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں آپس سے جُدا نہ ہوں گے ۔ یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر میرے
پاس پہنچیں میری ان دونوں انگلیوں کے مانند (اور اپنے دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیاں
ملا کر دکھائیں) ۔ اور فرمایا کہ جو ان دونوں کو پکڑے رہے گا نجات پائے گا ، اور جو ان کی مخالفت
کرے گا ہلاک ہوگا ۔ ایہا الناس ! کیا میں نے خدا کی رسالت کی تبلیغ کی ۔ لوگوں نے کہا ہاں
یارسُول اللہؐ ۔ حضرتؐ نے فرمایا خداوندا تو گواہ رہنا ۔ آخر ایام تشریق آیا جو تیرھویں ذی الحجہ
کو ہوتا ہے ۔ اُس وقت خدا نے سُورۂ اذا جاء بھیجی تو حضرتؐ نے فرمایا کہ یہ میری موت
کی خبر ہے جو مجھے دی گئی ہے ۔ چونکہ یہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ میں نے دین کے کام
پورے کر دیئے ۔ لہٰذا عالمِ قدس کی جانب مجھ کو متوجہ ہونا چاہیئے پھر منیٰ میں مسجد خیف میں
داخل ہُوئے ۔ اور فرمایا کہ لوگوں کو آواز دو کہ حاضر ہوں ۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو آپؐ نے خطبہ
پڑھا ۔ فرمایا کہ ایہا الناس میں تمھارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑتا ہوں جو ایک
دوسرے سے بڑی ہیں ۔ ایک کتابِ خدا ہے جو ایک طرف سے خدا کے ہاتھ میں ہے اور دوسری
طرف سے تمھارے ہاتھ میں ہے ۔ لہٰذا اُس کو پکڑلو ، اور دوسری میری عترت ہے جو میرے اہلبیت
ہیں اور بیشک مجھ کو صاحبِ لطف و دانا خدا نے خبر دی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے
میری ان دو انگلیوں کے مانند جدا نہ ہوں گی ۔ یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر میرے پاس وارد ہوں (اور
اپنی دونوں انگشتِ شہادت کو ملایا پھر فرمایا کہ میں ان دونوں انگلیوں کی طرح نہیں کہتا ہوں (اور
انگشت شہادت اور درمیانی انگلی ملا کر دکھایا جو ایک دوسرے سے کچھ بڑی ہوتی ہے منافقوں
کے ایک گروہ نے اکٹھا ہو کر کہا کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) چاہتے ہیں کہ امامت اپنے اہلبیت
میں قرار دیں ۔ پھر ان میں سے چودہ اشخاص کعبہ میں گئے اور باہم مشورہ کر کے ایک تحریر لکھی اور
آپس میں عہد و پیمان کیا کہ اگر محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مرجائیں یا قتل ہو جائیں تو ان کے اہلبیت
میں خلافت نہ جانے دیں گے ۔ اُس وقت خدا نے یہ آیتیں بھیجیں ام ابرموا امراً فانّا مبرمون

ام یحسبون انا لا نسمع سرھم ونجوٰھم بلٰی ورسلنا لدیھم یکتبون یعنی کیا ان لوگوں نے اپنا معاملہ مضبوط کر لیا تو ہم بھی اپنا کام مستحکم کرتے ہیں۔ وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم اُن کے رازوں کو نہیں سُنتے بلکہ ہم سُنتے ہیں اور ہمارے رسُول (فرشتے) ان کے پاس ہیں۔ وہ اُن کی باتیں اور اُن کے اعمال لکھتے ہیں۔ حذیفہ نے اپنی حدیث میں کہا کہ پھر رسُولِ خدا نے حکم دیا کہ سامان بار کریں اور مدینہ روانہ ہوں۔ جب صحنان تک پہنچے تو خدا نے جناب رسُولِ خداؐ کو حکم دیا کہ امامت علیؑ علانیہ لوگوں تک پہنچا دیں۔ لہٰذا آنحضرتؐ جحفہ میں ٹھہرے۔ جب لوگ اپنے اپنے مقام پر اطمینان سے ٹھہر گئے تو پھر جبریلؑ نازل ہوئے اور کہا کہ امامت علیؑ کو ظاہر کیجئے۔ حضرتؐ نے عرض کی پروردگارا میری قوم نو مسلم ہے اگر یہ امر ظاہر کروں گا۔ تو لوگ کہیں گے کہ اپنے پسرِ عم کی رعایت کرتے ہیں اور مسعود بن ناصر سجستانی نے کتاب ولایت میں ابنِ عباس سے روایت کی ہے کہ جب جحفہ میں جبریل نازل ہوئے تو حضرتؐ نے لوگوں سے کہا کیا میں مومنوں کے ساتھ ان کی جانوں سے اولیٰ نہیں ہوں۔ لوگوں نے کہا ہاں یا رسُول اللہؐ بیشک ہیں تب حضرتؐ نے فرمایا کہ میں جس کا مولا ہوں علیؑ اس کا مولا ہیں خداوندا دوست رکھ اس کو جو اُن کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اُس کو جو علیؑ کو دشمن رکھے اور مدد کر اُس کی جو علیؑ کی مدد کرے اور اعانت کر اُس کی جو علیؑ کی اعانت کرے۔ ابن عباس نے کہا خدا کی قسم ان کی اطاعت اُس روز لوگوں پر واجب ہوئی۔ پھر پہلی روایت میں کہا کہ جب روانہ ہونے کے لیے تیار ہوئے جبریلؑ نازل ہوئے اور یہ آیت لائے۔

یا ایھا الرسُول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس۔ یعنی اے رسُولِ خداؐ وہ حکم لوگوں تک پہنچا دو جو تمھارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اگر تم نے نہ پہنچایا تو تم نے اس کی رسالت ہی نہیں پہنچائی اور خدا تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی جب ہم غدیرخم میں تھے اور ہوا اس قدر گرم تھی کہ اگر گوشت زمین پر رکھتے تو وہ بھن جاتا۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ لوگوں کو ندا دیں کہ سب جمع ہو جائیں۔ اور مقداد، ابوذر، سلمان اور عمار کو حکم دیا کہ درختوں کے نیچے کی زمین کانٹوں سے صاف کر دیں اور پتھر ایک دوسرے پر رکھ کر منبر کی شکل جناب رسُولِ خداؐ کے قد کے برابر بنا دیں لہٰذا ان لوگوں نے منبر بنایا اور اُس پر کپڑا ڈال دیا۔ جناب رسُولِ خداؐ منبر پر تشریف لے گئے اور ایک طولانی نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا۔ یہاں تک کہ فرمایا کہ میں اپنے نفس پر خدا کی بندگی کا اقرار کرتا ہوں اور اس کی خداوندی کی گواہی دیتا ہوں اور اُس کی وحی ادا کر رہا ہوں۔ جو اس نے مجھ پر نازل فرمائی ہے۔ اس خوف سے کہ اگر اس

کا حکم نہ پہنچاؤں گا تو بلائے عظیم مجھ پر نازل ہوگی اور خدا نے مجھ پر یہ وحی کی ہے یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک الخ۔ پھر فرمایا کہ اے گروہ مردم میں نے خدا کا پیغام پہنچانے میں کمی نہیں کی ہے۔ اور اس آیت کے نزول کا سبب تم سے بیان کرتا ہوں۔ بیشک جبرئیلؑ مجھ پر بار بار نازل ہوئے اور خداوندِ جلیل کی جانب سے مجھے حکم دیا کہ لوگوں کے سامنے کہوں اور ہر سفید و سیاہ کو آگاہ کروں کہ علی بن ابی طالبؑ میرا بھائی اور میرے بعد میرا خلیفہ اور امام ہے۔ ایہا الناس مجھے ان باتوں کا علم ہے جو منافقین زبان سے کہتے ہیں وہ باتیں ان کے دل میں نہیں ہیں اور اس کو وہ سہل و آسان خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ خدا کے نزدیک عظیم ہیں اور علیؑ کے بارے میں مجھے بہت آزار پہنچایا ہے۔ انھوں نے کہا وہ کان ہیں یعنی جو کچھ رسولِ خداؐ کہتے ہیں وہ (علیؑ) قبول کر لیتے ہیں۔ اس سبب سے کہ وہ منافقین دیکھتے تھے کہ علیؑ ہمیشہ میرے ساتھ رہتے ہیں اور میں ہر وقت ان کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی۔ ومنھم الذین یؤذون النبی ویقولون ھو اذن یعنی منافقین کا ایک گروہ ہے جو پیغمبر کو آزار پہنچاتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ کان ہیں (یعنی جو باتیں منافقین کرتے تھے ان سے بوحیٔ خدا آگاہ ہو جاتے تھے) اے رسولؐ ان سے کہہ دو کہ وہ تمھارے واسطے بہتر کان ہیں۔ وہ خدا اور مومنین کے لیے ایمان لاتے ہیں۔ پھر حضرتؐ نے فرمایا کہ اگر کہنے والوں کے نام چاہوں تو بتا سکتا ہوں۔ یہ سمجھ لو کہ خدا نے علیؑ کو تمھارا ولی اور حاکم اور امام قرار دیا ہے اور اُن کی اطاعت تمام مہاجر و انصار، صحرا نشینوں اور شہر والوں اور ہر عجمی اور عربی پہ اور ہر آزاد و غلام پہ اور ہر بڑے چھوٹے پہ اور ہر سیاہ و سفید پہ اور ہر اُس شخص پر جو خدا کے یگانہ ہونے کا اقرار کرتا ہے واجب کی ہے۔ لہٰذا ان کا حکم سب پر رواں ہے اور ان کا قول سب پر نافذ ہے اور اُن کا حکم جاری ہے۔ ملعون ہے وہ شخص جو اُن کی مخالفت کرے اور خدا کی جانب سے اُس پر رحمت ہے جو ان کی تصدیق کرے۔ اے گروہ مردم! قرآن میں غور و فکر کرو اور اُس کی محکم آیتوں کو سمجھو اور اُن پر عمل کرو اور اس کی متشابہ آیتوں کی پیروی کرو۔ خدا کی قسم قرآن کی تفسیر کوئی سوائے علیؑ کے واضح نہیں کر سکتا۔ اے گروہ مردم! علیؑ اور میری ذریت کے طیب و طاہر لوگ جو اُن کی صلب سے پیدا ہوں گے چھوٹے ثقل ہیں اور قرآن بزرگ ثقل ہے۔ یہ دونوں آپس سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر وارد ہوں گے۔ اور میرے بعد کسی کے لیے مومنین کی امارت و بادشاہی سوائے علیؑ کے حلال نہیں۔ پھر علیؑ کے بازو پکڑ کر اپنے سے ایک درجہ نیچے اپنے داہنے ہاتھ کی طرف کھڑا کیا۔ پھر اُن کا ہاتھ بلند کیا اور فرمایا ایہا الناس کون ہے تم پر تمھاری جانوں سے بڑھ کر تمھارا حاکم؟ صحابہ نے کہا خدا اور اُس کا رسولؐ۔ اُس

وقت فرمایا میں جس کا مولا اور حاکم ہوں اُس کے یہ علیؑ مولا و حاکم ہیں۔ خداوندا دوست رکھ اُس
کو جو ان کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اُس کو جو ان کو دشمن رکھے اور مدد کر اس کی جو ان کی مدد
کرے۔ اور چھوڑ دے اُس کو جو ان کو چھوڑ دے۔ لوگو! یقیناً خدا نے تمھارے واسطے تمھارا
دین اس کی ولایت و امامت کے ساتھ کامل کر دیا۔ اور کوئی آیت مومنین سے خطاب کے
ساتھ نازل نہیں ہوئی۔ مگر یہ کہ ابتدا انہی سے کی ہے اور سورۂ ہل اتی نے (ایمان و حصول
رضائے خدا کی) شہادت نہیں دی ہے مگر انہی کے لیے اور سورۂ ہل اتی خدا نے نہیں بھیجی ہے
مگر انہی کی شان و مدح میں ہر پیغمبر کی ذریت خود اُس کے صلب سے ہے اور میری ذریت علیؑ
کے صلب سے ہے اور علیؑ کو کوئی دشمن نہیں رکھتا۔ مگر شقی و بدبخت اور دوست نہیں رکھتا علیؑ کو
مگر متقی اور پرہیزگار۔ اور سورۂ عصر علیؑ کی شان میں نازل ہوا ہے۔ اُس کی تفسیر یہ ہے کہ قیامت
کے وقت کی قسم کھاتا ہوں کہ انسان یعنی دشمنانِ آلِ محمدؐ علیہم السلام نقصان میں ہیں۔ مگر وہ
جو علیؑ کی ولایت پر ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال اپنے دینی بھائیوں کی اعانت و رعایت
کے ساتھ بجالائے اور حق کی حفاظت اور علیؑ اور اُن کی اولاد کی ولایت کی اور غیبت قائمِ آلِ
محمدؐ میں فتنہ و فساد اور تکلیفوں اور سختیوں پر صبر کرنے کی وصیت کرتے رہیں گے۔ اے گروہ
مردم خدا اور اُس کے رسولؐ اور اُس نور پہ ایمان لاؤ کہ خدا نے قرآن میں جس نور کا ذکر فرمایا ہے
وہ نور امامت ہے جو علیؑ میں ہے اور اس کے فرزندوں میں سے اماموں میں مہدی علیہ السلام تک
ہے جو لوگوں سے حقِ خدا اور ہم اہلبیتؑ کا حق لے گا۔ اے لوگو! میں تمھاری طرف خدا کا رسولؐ
ہوں۔ مجھ سے پہلے بھی پیغمبرانِ خدا گزرے ہیں۔ میں انہی کے طریقہ اور سنت پر ہوں۔ بیشک
علیؑ شکر و صبر کی صفتوں سے موصوف ہیں۔ میرے بعد آئمہؑ اُسی کے صلب سے پیدا ہوں گے۔
اے لوگو! تم سے پہلے بہت سے لوگ گمراہ ہوئے۔ میں ہوں صراطِ مستقیم اور خدا کا سیدھا راستہ
جس کا حکم خدا نے تم کو سورۂ حمد میں دیا ہے کہ خدا سے جس کی طرف ہدایت کی دعا مانگو اور
میرے بعد علیؑ ہیں اور علیؑ کے بعد اُن کے صلب سے آئمہؑ ہیں جو لوگوں کو حق اور سچائی کی ہدایت کریں
گے۔ بیشک میں نے تم سے حق کو بیان کر دیا اور سمجھا دیا۔ پھر میرے بعد علیؑ تم کو سمجھائیں گے۔
میں اس خطبہ کے بعد تم کو دعوت دیتا ہوں کہ مجھ سے مصافحہ کرو اور علیؑ سے بیعت کرو اور اُن
کی امامت کا اقرار کرو۔ اور سمجھ لو کہ میں بیعت لیتا ہوں خدا کے لیے اور علیؑ بیعت لیتے ہیں میرے
لیے اور میں بیعت لیتا ہوں اُس کے لیے خدا کی جانب سے۔ فمن نکث فانما ینکث علی
نفسہ ومن اوفی بما عاھد علیہ اللہ فسیؤتیہ اجراً عظیماً تو جو شخص اِن بیعت
کو توڑے گا تو اُس نے اپنے لیے توڑا ہے اور اُس کا ضرر و نقصان خود اسی کے لیے ہوگا۔ اور جو شخص

اس عہد کو پورا کرے گا جو خدا سے کیا ہے تو بہت جلد خدا اس کو اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔ اے گروہ مردم! تم سب کے سب اپنی ہتھیلیوں سے مجھ سے مصافحہ کرو۔ بیشک خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمھاری زبانوں سے اقرار لوں کہ تم نے علیؑ اور اُن اماموں کی امارت کو مان لیا اور قبول کر لیا جو میرے بعد آئیں گے۔ جو میری نسل اور علیؑ کی نسل سے ہوں گے۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا کہ میری ذریت انکے صلب سے ہوگی۔ لہٰذا جو لوگ حاضر ہیں اُن لوگوں کو اطلاع دے دیں جو غائب ہیں اور یہاں موجود نہیں ہیں۔ اب کہو کہ ہم نے سُنا اور اطاعت کی اور جو کچھ آپ نے خدا کی جانب سے پہنچایا ہم اُس پر راضی ہوئے۔ ہمارے دل، ہماری زبانیں اور ہمارے ہاتھ آپ سے بیعت کرتے ہیں۔ ہم اسی عقیدہ پر زندہ رہیں گے اور اسی عقیدہ پر مریں گے۔ اور اسی حال پر قیامت میں مبعوث ہوں گے۔ اس میں مطلق تغیر و تبدل نہ کریں گے۔ اور قطعی ریب و شک ہم نہیں رکھتے۔ ہم پر عہد و پیمان جو آپ نے بیان کیا خدا کے ساتھ اور آپ کے ساتھ اور علیؑ و حسنؑ و حسینؑ اور ان اماموں کے ساتھ اپنے دل اور اپنی زبانوں سے کرتے ہیں اور اس پیمان اور اعتقاد سے کوئی دوسرا امر تبدیل نہ کریں گے اور جو آپ نے فرمایا ہم پہنچائیں گے ہر اُس شخص کو جس سے مُلاقات ہوگی۔

حضرت رسُولِ خداؐ کا یہ خطبہ اور یہ حکم سُن کر ہر طرف سے لوگوں نے آوازیں بلند کیں کہ ہاں ہاں ہم نے سُنا اور حکمِ خدا و رسُولؐ کی اطاعت کی اور اس پر دل سے ایمان لائے۔ اس کے بعد جنابِ رسُولِ خداؐ اور امیر المومنینؑ کے پاس ہجُوم کیا اور بیعت کرنے کے لیے ہاتھ کھولا یہاں تک کہ حضرتؐ نے نمازِ ظہر و عصر ایک وقت میں ایک ساتھ ادا کی اور باقی تمام دن بیعت لینے میں مشغول رہے یہاں تک کہ بیعت میں مشغول رہے کہ وقت کی تنگی کے سبب نماز مغرب و عشاء بھی ایک وقت میں ادا کی۔

یہ مختصر خطبہ ہے جو علمائے امامیہ اور علمائے مخالفین نے حضرت امام محمد باقرؑ اور اُن کے علاوہ دوسروں سے روایت کیا ہے۔ اور بحار الانوار میں جو خطبہ میں نے درج کیا ہے اس میں اکثر آیتیں بھی ہیں جو اُن حضرتؐ کی شان میں نازل ہوئی ہیں اور روایت مذکور ہے کہ جب حضرت رسالت مآبؐ نے تمام احکامِ دین لوگوں کو حج و ولایت کے سوا ہجرت کے نویں سال تک پہنچا دیا۔ جبرئیلؑ حضرتؐ کے پاس آئے اور کہا خداوندِ عالم آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں نے کسی پیغمبر اور رسول کو دنیا سے نہیں اٹھایا۔ مگر اس کے بعد جبکہ اُس کے دین کو کامل کر دیا اور اس کی حجت خلق پر لازم قرار دی۔ تمھارے دین کے ابھی دو امرِ عظیم باقی ہیں جو لوگوں کو تم نے نہیں پہنچائے ہیں۔ ایک فریضہ حج اور دوسرا اپنے بعد کے لیے امرِ ولایت و خلافت کیونکہ میں نے

زمین کو کبھی حجتِ خدا سے خالی نہیں چھوڑا ہے۔ اور نہ تمھارے بعد خالی چھوڑوں گا۔ یا رسول اللہؐ خدا آپ کو حکم دیتا ہے کہ شہروں، دیہاتوں اور بادیہ نشینوں اور ہر جگہ کے لوگوں کو اطلاع دیجئے کہ آپ کے ساتھ حج کو آئیں اور حج کے قواعد و طریقے آپ سے حاصل کریں اور مقصود اصلی یہ تھا کہ ہر طرف سے حج کے لیے حاضر ہوں اور حجت و امامت و ولایت سب سنیں۔ الغرض تمام مسلمان حضرت کے ساتھ حج میں شریک ہوئے۔ جن کی تعداد ستّر ہزار سے زیادہ تھی مثل تعداد اصحاب موسیٰؑ کے جن سے بیعت ہارونؑ لی تھی۔ جنابِ موسیٰؑ کے اصحاب کی تعداد ستّر ہزار تھی۔ آخر ان لوگوں نے بیعت کو توڑا اور گوسالہ و سامری کی پیروی کی۔ اسی طرح جنابِ رسولِ خداؐ نے انہی کی تعداد کے مثل لوگوں سے خلافت امیرالمومنینؑ کی بیعت لی۔ اور وہ لوگ بھی بیعت توڑ کر پھر گئے اور اوّل گوسالہ، دوسرے سامری کی متابعت کی۔ مختصر یہ کہ اس کے بعد مکہ و مدینہ کے درمیان صدائے تلبیہ بلند ہوئی۔ جب عرفات میں پہنچے تو جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا یا محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خداوندِ عزیز و جلیل آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ کی اجل نزدیک ہے اور آپ کی عمر آخر کو پہنچی ہے۔ میں آپ کو اس امر کی تکلیف دیتا ہوں۔ جس کے بغیر چارہ نہیں اور بیشک ضروری ہے کہ اپنی وصیت کو (تمام کاموں پر) مقدم کریں اور علمِ الٰہی اور میراثِ علوم پیغمبرانِ گذشتہ اور سلاح و تابوت اور وہ تمام چیزیں جو آپ کے پاس پیغمبروں کے معجزات و علامات سے ہیں سب کو اپنے بعد اپنے وصی و خلیفہ کو جو میری خلق پر میری حجت کاملہ ہے سپرد کریں اور وہ علیؑ ہیں۔ لہٰذا انھیں مخلوقات پر مقرر کریں کہ وہ راہِ ہدایت کے نشان ہوں اور ان کی بیعت اور عہد و پیمان کو تازہ کریں اور اس عہد کو یاد دلائیں جو روزِ الست ارواحِ خلائق سے میں نے لیا تھا جو میرے ولی اور ان کے مولا اور ہر مومن مرد اور مومنہ عورت کے مولا علیؑ کی ولایت کا عہد و پیمان ہے۔ کیونکہ میں نے کسی پیغمبر کو دنیا سے نہیں اٹھایا مگر اپنے دین کو کامل کرنے کے بعد اور اپنے دوستوں کی دوستی اور اپنے دشمنوں کی دشمنی کے ساتھ اپنی نعمت تمام کرنے کے بعد اور میری خلق پر میری توحید پرستی کا کمال اور میری نعمتوں کا اتمام ہے تاکہ میرے ولی کی اطاعت و پیروی کریں۔ لہٰذا آج میں مسلمانو! تمھارے واسطے تمھارا دین کامل کردوں گا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کردوں گا اور دینِ اسلام میں نے تمھارے لیے اپنے ولی اور ہر مومن و مومنہ کے مولا کے ساتھ پسند کیا۔ اور وہ علیؑ ہیں میرے بندۂ خالص میرے پیغمبر کے وصی اور ان کے بعد ان کے خلیفہ۔ میری خلق پر میری حجتِ بالغہ۔ ان کی اطاعت محمدؐ کی اطاعت سے متصل ہے جو میرے پیغمبر ہیں۔ اور ان دونوں کی اطاعت میری اطاعت سے متصل ہے جس نے علیؑ کی اطاعت کی، اُس نے میری اطاعت کی اور جس نے ان کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی۔ میں نے ان

کو اپنے اور اپنی خلق کے درمیان ایک علامت قرار دی ہے جو شخص اُن کو امامت کے ساتھ پہچانے وہ مومن ہے اور جو شخص اُن کی امامت سے انکار کرے کافر ہے۔ اور جو امامت میں دُوسرے کو شریک کرے مشرک ہے اور جو شخص ان کی ولایت کے ساتھ مجھ سے ملاقات کرے گا وہ بہشت میں داخل ہوگا۔ اور جو ان کی دُشمنی کے ساتھ ملاقات کرے گا جہنّم میں جائے گا۔ لہٰذا اے محمدؐ لوگوں کو علیؑ کی معرفت کرائیے۔ یعنی ان کو پہچنوائیے اور میرا عہد و پیمان ان کو یاد دلائیے۔ لیکن آنحضرتؐ کو منافقین سے خوف ہوا کہ اپنا کفر ظاہر کریں گے اور پراگندہ ہو جائیں گے کیونکہ امیرالمومنینؑ سے ان کی عداوت جانتے تھے۔ جبرئیلؑ سے کہا خدا حضرتؐ کو دُشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے اور ان کی امامت کے اظہار میں تاخیر کی۔ یہاں تک کہ مسجد خیف میں پھر جبرئیلؑ نازل ہوئے اور تاکید کی لیکن دُشمنوں کے شر سے محفوظ رکھنے کی خوشخبری نہیں لائے۔ جب مکّہ مدینہ کے درمیانی مقام کراع النعیم تک پہنچے تو پھر جبرئیلؑ نازل ہوئے اور اس امر کی تکمیل کے لیے زیادہ تاکید کی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے جبرئیلؑ میں ڈرتا ہوں کہ منافقین میری تکذیب کریں گے اور علیؑ کے حق میں میری بات نہیں مانیں گے۔ اور وہاں سے روانہ ہو کر غدیر خم میں پہنچے جو جحفہ سے ایک فرسخ پہلے ہے۔ وہاں پھر جبرئیلؑ نازل ہوئے جبکہ دن کے پانچ گھنٹے گزر چکے تھے اور گرمی نہایت شدت کی تھی اور نہایت گرم و سخت ہوا اور عتاب آمیز خطاب اور دشمنوں کے شر سے حفاظت کی ضمانت لیے ہوئے آئے اور کہا یارسول اللہؐ خداوند عالم آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے۔ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک فی علی وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس، احادیث خاصہ و عامہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ فی علی آیت میں تھا۔ اُس وقت جناب فاطمہؑ جحفہ کے نزدیک پہنچی تھیں حضرتؐ نے حکم دیا تو قافلہ کے آگے والے لوگوں کو واپس بُلایا گیا اور پیچھے آنے والوں کا انتظار کیا اور داہنی جانب غدیر کے مقام پر ٹھہرے اور ایک طولانی خطبہ جو تمام کتابوں میں مذکور ہے پڑھا پھر لوگوں نے جناب رسول خداؐ اور علی مرتضیٰؑ کے پاس بیعت کے لیے ہجوم کیا اور سب سے پہلے جن لوگوں نے بیعت کی وہ ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ اور زبیر تھے تین روز تک مسلسل لوگ بیعت کرتے رہے۔ اکثر مخالفین نے اس قصّہ اور خطبہ کے واقع ہونے کا ذکر کیا ہے اور ان کے متعصّب علماء نے جب دیکھا کہ اس قصّہ کا قطعی انکار انتہائی بے حیائی کا باعث ہے تو اس واقعہ کو خطبہ کے چند کلمات کے ساتھ جو ان کے باطل اعتقاد میں امامت میں صریح نہیں ہے نقل کیا ہے اور ہر عاقل سمجھتا ہے کہ جس معاملہ میں اس قدر آئتیں اور تاکیدیں نازل ہوئی ہوں اور لوگوں کو ایسے سخت وقت اور سخت مقام پر ٹھہرایا گیا ہو اس مطلب پر جو ان لوگوں نے سمجھا ہے ان دو تین

کلمات پر اکتفا نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اب ہم اُن میں سے کچھ جو ان کی صحاح اور معتبر اور مشہور کتابوں میں مذکور ہے بیان کرتے ہیں کیونکہ اس رسالے میں سب کے ذکر کی گنجائش نہیں ہے۔ جامع الاصول میں صحیح مسلم سے یزید بن حسان سے انھوں نے زید بن ارقم سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول خدا ایک روز ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور خطبہ پڑھا۔ اُس چشمہ پر جس کو غدیر کہتے ہیں جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ حضرتؐ نے خدا کی حمد و ثنا کی اور موعظہ فرمایا اور خدا کو ہمیں یاد دلایا۔ پھر کہا ایہا الناس میں ایک بشر ہوں اور نزدیک ہے کہ میرے پروردگار کا قاصد میرے پاس آئے اور وہ مجھے بلائے اور میں اُس کی اجابت کروں اور عالم قدس کی جانب روانہ ہوں۔ میں تمھارے درمیان دو بڑی چیزیں چھوڑتا ہوں۔ اُن میں پہلی چیز کتاب خدا ہے جس میں ہدایت اور نور ہے۔ لہٰذا کتاب کو مضبوطی سے تھامو اور اس سے متمسک ہو۔ پھر کتاب خدا کے بارے میں ترغیب و تحریص کی۔ پھر فرمایا دوسرے میرے اہلبیتؑ ہیں ان کے بارے میں تم کو میں خدا کو یاد دلاتا ہوں اور دو مرتبہ یہ فرمایا تو حصین بن سبرہ نے زید سے پوچھا کہ اُن کے اہلبیتؑ کون ہیں کیا اُن کی ازواج اُن کے اہلبیت میں نہیں ہیں۔ کہا ان کی بیویاں ان کی اہل خانہ سے ہیں لیکن اہلبیت اس جگہ وہ ہیں جن پر آنحضرتؐ کے بعد صدقہ حرام ہے جیسے آل علیؑ، آل عقیل، آل جعفر اور آل عباس۔ حصین نے پوچھا ان سب پر صدقہ حرام ہے، کہا ہاں۔ اور جامع الاصول میں کہا ہے کہ دوسری روایت میں زیادہ اس کو بیان کیا ہے۔ یعنی کتاب خدا اور اس میں ہدایت و نور ہے جو اس کو اختیار کرے اور اس پر عمل کرے وہ ہدایت پر ہے اور جو اس سے آگے بڑھے وہ گمراہ ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ میں تم میں دو بڑی چیزیں چھوڑتا ہوں۔ کتاب خدا اور وہ خدا کی رسی ہے جو شخص اس کی فرمانبرداری کرے ہدایت پر ہے اور جو شخص اس کو ترک کر دے ضلالت پر ہے اور دوسرے میرے اہلبیتؑ ہیں۔ لوگوں نے پوچھا اہلبیت کون لوگ ہیں کیا عورتیں بھی ہیں کہا نہیں کیونکہ عورت کچھ مدت تک شوہر کے ساتھ رہتی ہے۔ جب اس کو طلاق دے دی تو وہ اپنے باپ کے گھر جا کر اپنی قوم میں مل جاتی ہے۔ اُن کے اہلبیت ان کے قریبی رشتہ دار اور باپ کی طرف سے مرد رشتہ دار ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔[1]

---

[1] مؤلف فرماتے ہیں کہ اہلبیت کے معنی میں تم پہلے بیان کر دیئے ہیں جو آل عبا سے مخصوص ہیں اور جو کچھ زید نے کہا ہے اپنی طرف سے کہا ہے جس کا اعتبار نہیں یا یہ کہ ہمارے مطلب کے مطابق ہے۔ کیونکہ خلفائے ثلاثہ یقیناً اہل بیت سے خارج ہیں اور آنحضرتؐ کے قریبی رشتہ دار وہ ہیں جنھوں نے اس زمانہ میں امامت کا دعویٰ نہیں کیا اور سوائے امیرالمومنینؑ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ثعلبی نے واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا کی تفسیر میں ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ اُس نے کہا کہ میں نے رسُولِ خداؐ سے سُنا آپ نے فرمایا ایہا الناس میں تمہارے درمیان دو ثقل چھوڑتا ہوں یعنی دو امرِ سنگین بزرگ جو میرے خلیفہ ہیں اگر ان کو اختیار کرو گے تو گمراہ نہ ہو گے اور ان میں سے ہر ایک ایک دوسرے سے بڑی ہے۔ پہلی کتابِ خدا ہے اور وہ آسمان سے زمین تک ایک کھنچی ہُوئی رسّی ہے۔ دوسرے میرے اہلبیتؑ ہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر پہنچیں۔ ابن مغازلی اور دوسروں نے بھی اس مضمون کو بسندہائے بسیار روایت کیا ہے۔ اس کے آخر میں ذکر کیا ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ غور کرو کہ کس طرح ان کے حق میں میری جانشینی کرو گے۔ یہی مضمون صحیح ابن داؤد اور سجستانی اور صحیح ترمذی میں زید بن ارقم سے روایت کیا ہے۔ اور عبداللہ بن احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں براء بن عازب سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسُول اللہؐ کے ساتھ تھے۔ اور غدیر خم میں ہم نے قیام کیا اور لوگوں کو الصلوٰۃ جامعۃ کی ندا کر کے جمع کیا گیا اور دو درختوں کے درمیان زمین صاف کی گئی وہاں آنحضرتؐ نے نمازِ ظہر ادا کی۔ پھر علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور کہا کیا نہیں جانتے ہو کہ میں مومنوں کی جانوں سے اولیٰ (حاکم) ہوں۔ لوگوں نے کہا ہاں۔ پھر فرمایا کیا نہیں جانتے کہ میں اولیٰ ہوں ہر مومن کی اُس کی جان سے لوگوں نے کہا ہاں۔ اس کے بعد ہی حضرتؐ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں علیؑ بھی اُس کا مولا ہے پھر فرمایا خداوندا دوست رکھ اُس کو جو دوست رکھے علیؑ کو اور دشمنی رکھ اُس سے جو علیؑ سے دشمنی رکھے۔ یہ سُن کر عمر نے کہا اے علیؑ تم کو مُبارک ہو کہ تم ہر مومن و مومنہ کے مولا ہو گئے۔ نیز زید بن ارقم نے روایت کی ہے کہ ہم رسُولِ خدا کے ساتھ ایک وادی میں ٹھہرے جس کو وادیِ خم کہتے ہیں۔ حضرتؐ نے نماز پڑھی اور ہمارے لیے خطبہ پڑھا۔ ایک کپڑا درخت پر ڈال دیا گیا۔ تاکہ آفتاب سے حضرتؐ کو اذیت نہ پہنچے۔ الغرض حضرتؐ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ گواہی نہیں دیتے ہو کہ میں ہر مومن کے لیے اُس کی جان سے اس پر زیادہ اولیٰ ہوں (یعنی اختیار رکھتا ہوں) لوگوں نے کہا ہاں۔ تب حضرتؐ نے فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ نیز مسند ابن حنبل اور کتاب حافظ ابونعیم میں ابوالفضل سے روایت کی ہے کہ جنابِ امیرؑ نے لوگوں کو کوفہ کے ایک فراخ مقام پر جمع کیا اور ان کو خدا کی قسم دی کہ جس نے غدیر خم میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کی خلافت پر متفق تھے اور اگر کسی نے دعویٰ کیا ہوگا تو اس کے قائل لوگ ختم ہو گئے ہیں۔ مذہب حقہ کے اتفاق کے مطابق چاہیئے کہ اُمت میں خلیفہ قیامت تک ہو۔ ۱۲

جنابِ رسُولِ خداؐ سے سُنا ہو کہ حضرتؐ نے میرے حق میں کیا فرمایا وہ بیان کرے تو تیس ہزار صحابہ
نے اس مجمع میں اس حدیث کے مضمون کی عادمن عاداہ تک گواہی دی اور مسند میں بہت سی
سندوں کے ساتھ صحابہ کی جماعت کثیر سے اس مضمون کی روایت کی ہے اور ثعلبی اور ابنِ مغازلی
نے روایت کی ہے کہ روز غدیر لوگ آنحضرتؐ کے پاس سے متفرق ہو گئے۔ اور آنحضرتؐ سے
دُوری اختیار کی۔ جنابِ رسُولِ خداؐ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ لوگوں کو جمع کریں۔ جب سب جمع
ہو گئے تو حضرتؐ کھڑے ہوئے اور علیؑ کے ہاتھ پر سہارا دیا۔ اور کہا ایہا الناس مجھ سے تم نے
کراہت کی اور میرے خلاف عمل کیا۔ یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ تم کسی خاندان کو میرے عزیزوں
سے زیادہ دُشمن نہیں رکھتے لیکن خدا نے علیؑ کو نسبت کی اس منزل پر قرار دیا ہے جو میں خدا سے
نسبت رکھتا ہوں۔ اور وُہ ان سے راضی ہے جس طرح میں ان سے راضی ہوں کیونکہ وہ میرے
قرب و محبت پر کسی چیز کو اختیار نہیں کرتے۔ پھر ہاتھوں کو بلند کر کے فرمایا کہ میں جس کا مولا ہوں
علیؑ بھی اُس کا مولا ہے اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ یہ سُن کر لوگ روتے اور چلانے
لگے اور کہا یا رسُول اللہؐ ہم آپ سے دُور ہو گئے تھے اس لیے کہ ایسا نہ ہو کہ آپ پر ہم گراں ہوں
ہم غضبِ رسُولؐ سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں۔ تب حضرت اُن سے راضی ہوئے۔ اور ابنِ عبدالبر
نے کتاب استیعاب میں لکھا ہے کہ بریدہ، ابوہریرہ، جابر، براء بن عازب اور زید بن ارقم سب
نے جنابِ رسُولِ خداؐ سے حدیث غدیر کی روایت کی ہے۔ اور مشکوٰۃ میں صحیح ترمذی سے براء بن
عازب اور زید بن ارقم سے حدیث غدیر کی روایت کی ہے اسی طرح جیسا کہ سابق میں گزر چکی پھر
کہا ہے کہ اس کے بعد عمر نے علیؑ سے مُلاقات کی اور کہا تم کو مبارک ہو یہ منزلت کہ تم نے صبح و شام
کی اس عالم میں کہ میرے اور ہر مومن و مومنہ کے مولا ہو گئے۔ اور حافظ ابونعیم نے کتاب مانزل
من القرآن فی علی میں اعمش سے اس نے عطیہ سے روایت کی ہے کہ رسولِ خداؐ پر علیؑ کی شان
میں یہ آیت نازل ہوئی یا ایھا الرسُول بلغ ما انزل الیک الخ اور واحدی نے کتاب اسبابِ
نزول میں اسی حدیث کی ابوسعید خدری سے روایت کی ہے اور ابوبکر شیرازی و مرزبانی نے
ابنِ عباسؓ سے روایت کی ہے اور ثعلبی نے بھی اپنی تفسیر میں روایت کی ہے اور مناقب خوارزمی
میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ جناب
رسُولِ خداؐ نے علیؑ کو خیبر میں علم دیا اور خدا نے ان کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائی اور روزِ غدیر ان کو
کھڑا کر کے لوگوں کو آگاہ کیا کہ وہ ہر مومن و مومنہ کے مولا ہیں اور اُن سے کہا کہ میں تم سے ہوں
اور تم مجھ سے ہو۔ یہ بھی فرمایا کہ تم تاویلِ قرآن پر جنگ کرو گے جس طرح میں نے تنزیل قرآن پر
جنگ کی اور فرمایا کہ تم مجھ سے وہی نسبت رکھتے ہو جو ہارون کو موسیٰؑ سے تھی اور میں اُس سے

صلح رکھتا ہوں جو تم سے صلح رکھے اور اُس سے جنگ رکھتا ہوں جو تم سے جنگ رکھتا ہے۔ اور فرمایا میرے بعد تم لوگوں کے لیے وہ باتیں صحیح بیان کرو گے جو اُن پر مشتبہ ہوں اور فرمایا کہ تم ہی عروۃ الوثقیٰ ہو۔ اور فرمایا میرے بعد تم ہی ہر مومن و مومنہ کے امام ہو اور ہر مومن و مومنہ کے ولی (حاکم) ہو۔ اور تم ہی وہ ہو جس کی شان میں واذان من اللہ ورسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر۔ نازل ہوا ہے اور تم نے ان آیتوں کو لوگوں کو سنایا اور فرمایا کہ تم ہی میری سُنت پر عمل کرو گے۔ اور میری اُمت سے ضرر و نقصانِ دین دفع کرو گے اور فرمایا کہ میں سب سے پہلا شخص ہوں کہ روزِ قیامت محشور ہوں گا۔ اور فرمایا یا علیؑ میں حوضِ کوثر پر آؤں گا اور تم میرے ساتھ ہو گے۔ اور میں سب سے پہلا شخص ہوں کہ بہشت میں داخل ہوں گا۔ اور تم میرے ساتھ ہو گے اور میرے بعد حسن و حسین و فاطمہ علیہم السلام داخل ہوں گی اور فرمایا کہ یا علیؑ مجھ پر خدا نے وحی بھیجی کہ لوگوں کے سامنے تمھاری فضیلت بیان کروں تو میں نے بیان کیا اور جو خدا نے تمھاری شان میں فرمایا تھا کہ بیان کر دوں تو میں نے بیان کیا اور فرمایا کہ یا علیؑ ڈرو اور اس جماعت کی عداوت سے پرہیز کرو جو لوگوں کے دلوں میں تمھاری طرف سے ہے۔ اور نہ ظاہر کریں گے لیکن میرے مرنے کے بعد۔ خدا اُن پر لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے اُن پر لعنت کرتے ہیں۔ یہ فرما کر حضرت رونے لگے۔ لوگوں نے پوچھا آپ کیوں روتے ہیں۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ مجھے جبریلؑ نے خبر دی ہے کہ میرے اصحاب اُن پر ظلم کریں گے۔ اور اُس کے حق سے اس کو روکیں گے۔ اور اس سے جنگ کریں گے اور اُن کے بعد ان کے فرزندوں کو قتل کریں گے اور اُن پر ستم کریں گے۔ اور مجھے جبریلؑ نے خبر دی ہے کہ ان کے فرزندوں سے ظلم اُس وقت زائل ہوگا جبکہ اُن کا قائم ظاہر ہوگا اور اُس کا آوازہ بلند ہوگا۔ اور اُمت کے تمام لوگ اُس کی محبت پر اتفاق کریں گے اور اس کے دشمن کم ہوں گے۔ اور جو اس کو پسند نہ کرے گا ذلیل ہوگا۔ اور اُن کی مدح کرنے والے بہت ہوں گے۔ یہ اُمور اس وقت ظاہر ہوں گے جبکہ اُن سے پہلے شہر خراب ہو چکے ہوں گے اور بندگانِ خدا کمزور ہو گئے ہوں گے اور کشائش سے ناامید ہو چکے ہوں گے۔ اُس وقت ہمارا قائم ظاہر ہوگا۔ اور جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ اُس کا نام میرا نام ہوگا اور وہ میری دختر فاطمہؑ کی اولاد میں سے ہوگا۔ خدا حق کو انھی سے ظاہر کرے گا۔ اور ان کی تلوار سے باطل کی آگ بجھ جائے گی اور لوگ اُن کی متابعت کریں گے بعض رغبت سے اور بعض خوف سے۔ پھر حضرتؐ کا گریہ زائل ہوا اور فرمایا کہ تم کو کشائش و اطمینان کی خوشخبری ہو کیونکہ خدا کا وعدہ خلاف نہیں ہوتا اور خدا کا حکم رد نہیں ہوتا۔ اور وہی حکیم و دانا ہے بیشک خدا کی فتح نزدیک ہے۔ پھر فرمایا کہ خداوندا یہ میرے اہلِ بیتؑ ہیں ان سے رجس و بُرائی کو دور رکھ اور ان کو پاک رکھ جو پاک رکھنے

کا حق ہے۔ خداوندا ان کی حفاظت فرما اور ان کی رعایت کر اور مدد کر اور ان کو صاحبِ عزت قرار دے اور ان کو ذلیل نہ ہونے دے اور ان میں میری نیابت فرماتا رہ، بیشک تو جو چاہے اس پہ قادر ہے۔

اور تفسیر ثعلبی میں امام محمدؑ باقرؑ سے روایت کی ہے کہ یاایہا الرسول بلغ ماانزل الیک من ربک علیؑ کی فضیلت میں ہے اور حضرت صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آیت اس طرح نازل ہوئی ہے کہ بلغ ماانزل الیک من ربک فی علی جب آیت نازل ہوئی حضرتؐ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ نیز ثعلبی نے روایت کی ہے کہ سفیان بن عیینہ سے لوگوں نے اس آیت سأل سائل بعذاب واقع للکافرین لیس لہ من اللہ ذی المعارج کے بارے میں پوچھا یعنی سوال کرنے والے نے سوال کیا اس عذاب کا جو کافروں کے لیے واقع ہے جس کو کوئی دفع کرنے والا نہیں ہے۔ وہ خدا کی جانب سے ہے جو صاحبِ معارج ہے۔ کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہا کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے سنا جو انھوں نے اپنے آبائے طاہرین سے روایت کی ہے کہ جب جناب رسولِ خداؐ خم غدیر میں وارد ہوئے لوگوں کو جمع کیا اور علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ اور یہ خبر مشہور ہوئی اور شہروں میں پہنچی تو حارث بن نعمان فہری جناب رسولِ خداؐ کے پاس آیا جس وقت جناب رسولؐ صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے۔ وہ اپنے ناقہ سے اترا اس کو بٹھا کر اس کے پاؤں باندھ دیئے اور آنحضرتؐ کے پاس آیا اور کہا اے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ نے ہم کو خدا کی جانب سے حکم دیا کہ ہم اس کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کی گواہی دیں۔ ہم نے قبول کیا۔ آپؐ نے حکم دیا کہ پانچ وقت نماز پڑھیں ہم نے قبول کیا اور حکم دیا کہ ہم ماہِ رمضان کے روزے رکھیں ہم نے منظور کیا۔ ہم کو حکم دیا کہ خانہ کعبہ کا ہم حج کریں ہم نے مان لیا تو آپ اتنے پر راضی نہیں ہوتے۔ یہاں تک کہ اپنے پسر عم کا ہاتھ پکڑ کر ان کو ہم پر برتری دے دی اور کہا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کے علیؑ مولا ہیں۔ بتایئے کہ یہ آپؐ نے اپنی طرف سے کیا یا خدا کی جانب سے حضرتؐ نے فرمایا کہ میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے کہ تم پر علیؑ کی تفضیل خدا کی جانب سے ہے۔ یہ سن کر حارث اپنی سواری کی طرف روانہ ہوا اور کہا خداوندا اگر محمدؐ نے جو کچھ کہا حق ہے تو ایک پتھر آسمان سے ہمارے سر پہ گرا دے یا دردناک عذاب ہم پہ نازل فرما۔ وہ ابھی اپنی سواری کے پاس نہیں پہنچا تھا کہ ایک پتھر آسمان سے اس کے سر پہ گرا اور اس کی دُبر (مقعد) سے نکل گیا اور وہ وہیں تڑپ کر مر گیا۔ پھر خدا نے یہ آیت نازل کی (سأل سائل بعذاب الخ) اور حسکانی نے بھی جو علمائے مخالفین کے مشہور عالموں میں سے ہیں۔ اس حدیث

کو اپنی کتاب میں حذیفہ ابن الیمان سے روایت کی ہے اور ان کی اکثر کتابوں میں ابوالقاسم حسکانی وغیرہ نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ ہم روز غدیر کے مجمع سے واپس نہیں ہوئے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ یعنی آج میں نے تمہارا دین تمہارے لیے کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر مکمل کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا کہ تمہارا دین ہو۔ اس پر جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ دین کامل کرنے اور نعمت تمام کرنے اور میری رسالت اور علیؑ کی ولایت سے راضی ہونے پر میں خدا کی حمد کرتا ہوں۔ دوسری روایت کے مطابق فرمایا اللہ اکبر دین کامل کرنے پر آخر آیت تک فرمایا۔ اور یہ آیت بھی نازل ہوئی الیوم یئس الذین کفروا من دینکم فلا تخشوھم واخشون یعنی آج تمہارے دین کو مٹانے سے کفار ناامید ہو گئے۔ لہٰذا اُن سے مت ڈرو، اور مجھ ہی سے ڈرو۔ حضرت صادقؑ سے روایت ہے کہ کفار ناامید ہوئے۔ اور ظالمین یعنی منافقین طمع میں گرفتار ہوئے اور صاحب جامع الاصول نے صحیح مسلم سے طارق بن شہاب سے روایت کی ہے کہ یہودیوں کے ایک گروہ نے عمر سے کہا کہ اگر ہم گروہ یہود میں ایسی آیت نازل ہوتی الیوم اکملت لکم الخ تو جس روز نازل ہوتی ہم اُس روز کو روز عید قرار دیتے۔ اور سیوطی نے کتاب درمنثور میں ابن مردویہ اور ابن عساکر سے انھوں نے ابوسعید سے روایت کی ہے کہ جب حضرت رسول خداؐ نے روز غدیر خم علیؑ کو نصب کیا اور اُن کی ولایت کی آواز بلند کی تو آنحضرتؐ پر جبرئیلؑ نازل ہوئے اور یہ آیت لائے الیوم اکملت لکم دینکم الخ نیز ابن مردویہ سے اور خطیب اور ابن عساکر نے انھی کی سندوں سے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ جب روز غدیر خم آیا کہ ۱۸ ذی الحجہ تھی رسول خداؐ نے فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ تو یہ آیت نازل ہوئی اور جریر سے اُن کی سند سے ابن عباس سے آیۂ یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک الخ کے بارے میں روایت کی ہے یعنی ولایت علیؑ کے بارے میں رسول خدا پر جو کچھ روز غدیر نازل ہوا وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ یعنی اگر اس آیت کو پوشیدہ کرو گے۔ نیز ابن مردویہ سے انھی کی سند سے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ ہم رسول خداؐ کے عہد میں اس آیت کو اس طرح پڑھتے تھے یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیا مولی المومنین وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس تا آخر آیت۔ اور ابن حجر نے کتاب فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ کی ترمذی اور نسائی نے روایت کی ہے اور اس حدیث کی سند بہت ہے اور سب کو ذکر کیا ہے اور ابن عقدہ حافظ نے کتاب جدائی میں بہت سی صحیح اور حسن سندوں سے نقل کیا ہے اور جمرہ جو مشہور لغت کی

کتاب ہے اُس کے مولّف نے لکھا ہے کہ خم ایک مقام کا نام ہے جہاں رسولِ خداؐ نے علیؑ پر نص کی اور اکثر اربابِ مناقب نے نقل کیا ہے کہ ابن عقدہ نے کتاب ولایت میں حدیثِ غدیر کو ایک سو پچیس طریقہ سے اور ایک سو پچیس صحابہ سے روایت کی ہے اور محمد بن جریر طبری نے پچہتر طریقہ سے روایت کی ہے اور حسان بن ثابت کے اشعار جن کو انھوں نے جناب رسالتمآب کے حکم سے قصۂ غدیر کے بارے میں نظم کیا متواتر ہے اور تمام کتابوں میں مذکور ہے اور حضرت صادقؑ سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا کہ میں علیؑ کے بارے میں تعجب کرتا ہوں کہ ہر شخص دو گواہوں کے ذریعہ سے اپنا حق لے لیتا ہے اور علیؑ کی گواہی کے لیے دس ہزار گواہ مدینہ میں موجود تھے کہ سب نے غدیر میں اُن حضرتؑ کے نص کو جو آنحضرتؐ نے فرمایا تھا سُنا تھا لیکن اپنا حق نہ لے سکے۔ اور ابوسعید سمان نے روایت کی ہے کہ شیطان ایک مردِ پیر کی شکل میں آنحضرتؐ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ نے جو اپنے پسرِ عم کے حق میں فرمایا اس بارے میں آپ کی متابعت کرنے والے کتنے کم ہیں۔ اُس وقت خدا نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ولقد صدق علیھم ابلیس ظنہ فاتبعوہ الا فریقا من المؤمنین یعنی بیشک شیطان نے صحیح گمان لوگوں پر کیا۔ پھر لوگوں نے اس کی متابعت کی۔ سوائے مومنین کے ایک گروہ کے اس کے بعد منافقین کا ایک گروہ اس امر پر متفق ہوا کہ آنحضرتؐ کے عہد کو توڑیں اور کہا کہ کل محمدؐ نے مسجد خیف میں کہا جو کچھ کہا اور آج یہاں کہا جو کچھ کہا اور جب مدینہ پہنچیں گے تو اس بیعت کی تاکید کریں گے مصلحت اسی میں ہے کہ ہم ان کو ہلاک کر دیں قبل اس کے وہ مدینہ میں داخل ہوں۔ جب رات ہوئی چودہ منافقین گھاٹی میں آنحضرتؐ کی تاک میں بیٹھے تاکہ آپ کو ہلاک کریں اور وہ جحفہ اور ابواء کے درمیان ایک گھاٹی تھی۔ سات منافقین گھاٹی کی داہنی جانب اور سات بائیں طرف بیٹھے کہ جب حضرتؐ وہاں پہنچیں تو آپ کے ناقہ کو بھڑکا دیں۔ حضرتؐ نمازِ عشا سے فارغ ہو کر روانہ ہوئے۔ اصحاب حضرتؐ کے آگے چلے۔ آپ ایک تیز رو ناقہ پر سوار تھے۔ جب گھاٹی کے اوپر چڑھے۔ جبرئیلؑ نے آنحضرتؐ کو آواز دی کہ یا رسول اللہؐ یہ جماعت آپ کی تاک میں بیٹھی ہے کہ آپ کو بےخبری میں ہلاک کر دے۔ یہ سُن کر حضرتؐ نے پیچھے دیکھا اور فرمایا میرے پیچھے یہ کون ہے حذیفہ نے کہا میں ہوں حذیفہ۔ فرمایا تم نے بھی سُنا جو میں نے سُنا۔ حذیفہ نے کہا ہاں یا رسول اللہؐ آپ نے فرمایا۔ اس کو راز میں رکھنا۔ جب حضرتؐ اُن لوگوں کے پاس پہنچے ہر ایک کو اُس کی ولدیت کے ساتھ آواز دی۔ جب حضرتؐ کی آواز سُنی تو وہ لوگ نیچے چلے گئے۔ اور قافلہ میں داخل ہو گئے۔ حضرتؐ اُن میں سے بیشتر کے قریب پہنچے اور پہچانا کہ کس جماعت کے اونٹ ہیں۔ جب گھاٹی سے نیچے آئے فرمایا کہ کیا سبب ہے کہ ایک جماعت نے کعبہ میں قسم کھائی ہے کہ اگر محمدؐ مرجائیں گے یا قتل ہوں گے تو ہم خلافت اُن کے اہلبیت میں نہ جانے

دیں گے۔ پھر اُس کے بعد میرے لیے یہ ارادہ کیا۔ جب ان لوگوں نے یہ سُنا تو خدمت آنحضرتؐ میں آکر قسم کھائی کہ ایسا ارادہ ہم نے نہیں کیا ہے اُس وقت خداوندِ عالم نے یہ آیت بھیجی یحلفون باللہ ماقالوا ولقد قالوا کلمۃ الکفر وکفروا بعد اسلامھم وھموا بما لم ینالوا وما نقموا الا اغنٰھم اللہ ورسولہ من فضلہ فان یتوبوا یک خیراً لھم وان یتولوا یعذبھم اللہ عذاباً الیماً فی الدنیا والاخرۃ وما لھم فی الارض من ولی ولا نصیر یعنی وہ لوگ خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ جو باتیں اُن سے منسوب کی جاتی ہیں۔ انھوں نے نہیں کیا ہے حالانکہ یقیناً کلمۂ کفر کہا ہے اور اپنے اسلام کا اظہار کرنے کے بعد کافر ہو گئے اور اُس امر کا ارادہ کیا جس میں کامیاب نہیں ہوئے۔ مفسرانِ عامہ میں سے کلبی اور مجاہد نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے اونٹ کو بھڑکا دیں اور حضرت کو ہلاک کر دیں اور دینِ اسلام میں کوئی عیب نہ پیدا کر سکے مگر یہ کہ خدا اور اس کا رسول ان کو اپنے فضل سے غنی کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر وہ توبہ کریں تو اُن کے لیے بہتر ہے۔ اور اگر حق سے پیٹھ پھیریں تو خداوندِ عالم ان پر دنیا و آخرت میں دردناک عذاب کریگا اور زمین میں ان کا نہ کوئی دوست رہے گا نہ مددگار۔ اور حذیفہ کی طولانی حدیث میں مذکور ہے کہ اس گھاٹی کا نام ہرش تھا۔ حضرتؐ نے مجھ کو اور عمار کو بُلایا اور مجھ کو حکم دیا کہ ناقہ کی مہار کھینچوں اور عمار کو حکم دیا ناقہ کو پیچھے سے ہنکائیں۔ جب ہم اُس درّہ کے قریب پہنچے تو وہ چودہ۱۴ منافقین جو ڈبّوں کو ریت سے بھرے ہوئے ناقہ کے پیچھے آئے تھے اُن ڈبّوں کو ناقہ کے پیر کے نیچے پھینکا قریب تھا کہ ناقہ بھاگے۔ حضرتؐ نے اُس کو سختی سے فرمایا کہ ساکن رہ تجھ کو کوئی خوف نہیں ہے اُس وقت خدا نے ناقہ کو فصیح عربی ظاہر کرنے والی گویائی عطا فرمائی۔ اُس نے عرض کی یا رسول اللہؐ خدا کی قسم میں ہاتھ کو ہاتھ کی جگہ سے اور پیر کو پیر کی جگہ سے حرکت نہ کروں گا۔ جب تک آپ میری پُشت پر ہیں۔ جب ان ملعونوں نے دیکھا کہ ناقہ نہیں بھاگتا۔ تو نزدیک آئے تاکہ ناقہ کو گرا دیں۔ اُس وقت میں نے اور عمار نے اپنی تلواریں کھینچیں اور اُن کی طرف بڑھے۔ رات بہت اندھیری تھی الغرض وہ ناامید ہو گئے۔ اُس ظلم سے جس کا انھوں نے ارادہ کیا تھا۔ اُسی وقت بجلی چمکی حذیفہ نے ان سب کو پہچان لیا اور کہا قریش میں سے نو۹ اشخاص تھے۔ اوّل و دوم وسوم، طلحہ، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ جراح، معاویہ بن ابی سفیان، عمرو عاص اور پانچ افراد دوسرے تھے۔ ابوموسیٰ اشعری، مغیرہ بن شعبہ، اوس بن خدثان، ابوہریرہ اور ابوطلحہ انصاری ؎۱

؎۱ مولف فرماتے ہیں کہ حدیث حذیفہ اگرچہ بہت فائدوں پر مشتمل ہے لیکن بہت طولانی ہے جو اس رسالہ کے لیے مناسب نہیں اور اس بارے میں تمام حدیثیں بھی بہت ہیں اور جو کچھ میں نے درج کیا ہے انصاف پسند کے لیے کافی ہے۔ ۱۲

اور ابن کثیر شافعی نے طبری کے حالات میں لکھا ہے کہ میں نے ان کی ایک کتاب دیکھی جس میں حدیث غدیر کو جمع کیا تھا۔ بڑی جلد تھی اور ایک دوسری کتاب بھی تھی۔ جس میں طبری کی حدیثوں کے طریقوں کو جمع کیا تھا۔ اور ابوالمعانی جوفی نے نقل کیا ہے کہ وہ تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ میں نے بغداد میں کتابوں کی ایک دکان میں ایک کتاب دیکھی کہ جس میں حدیث غدیر کی روائتوں کو جمع کیا تھا۔ اُس کی پشت پر لکھا تھا کہ حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ کی یہ اٹھائیسویں جلد اور اس کے بعد اُنتیسویں جلد ہوگی اور بہت سے علمائے مخالفین نے اس حدیث کے تواتر ہونے کا اقرار کیا ہے۔ اور سید مرتضیٰ نے کتاب شافی میں لکھا ہے کہ ہم نے اسلام کے کسی فرقہ کو نہیں دیکھا جس نے حدیث غدیر سے انکار کیا ہو بلکہ خلافت کی دلیلوں میں اختلاف کیا ہے۔

لہٰذا اب خدا کی مدد سے امامت کے ثبوت کی دلیلیں پیش کرتا ہوں۔ (پہلی) یہ کہ "مولیٰ" کے لفظ "اولی الامر" (حاکم) اور "اول بتصرف" یعنی جسے دوسروں پر تصرف کا اختیار ہر ایک سے زیادہ ہو یعنی ایسا شخص جسکی اطاعت کی جانی چاہیئے ہر امر میں، اس معنی میں آیا ہے۔ (دوسرے) یہ کہ وہی معنی مراد ہیں۔ جو علمائے مخالفین لیتے ہیں۔ یعنی دوست۔ اوّل یہ کہ ہم اس کے معنی کو عربی زبان کے اکابر کے بیان کے مطابق جانچیں گے اور سب نے اس معنی کو اپنی نظم و نثر میں بیان کیا ہے اور ابوعبیدہ نے جن کی بات پر لغت کا دارو مدار ہے اپنی تفسیر میں قول خدا ماویکم النار ھی مولیٰکم کے بارے میں لکھا ہے کہ مولیٰکم کے معنی یہ ہیں کہ آتش جہنم تمہارے لیے اولیٰ ہے اور بیضاوی اور زمخشری اور تمام مفسروں نے اس آیت میں یہی معنی بیان کئے ہیں اور مفسرین نے اس قول خداوند عالم ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون کے بارے میں اتفاق کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ میراث کے والی اور زیادہ حق دار ہیں اور قاری حضرات اور تمام عربی دانوں نے تصریح کی ہے کہ مولیٰ اور اولیٰ ایک معنی میں مستعمل ہوتے ہیں اور بڑے بڑے بلغاء اور شعراء نے بہت سے اشعار میں اسی معنی کے ساتھ استعمال کیا ہے جن کا ذکر کلام کی طوالت کا باعث ہے اور ابوالقاسم انباری نے مولیٰ کے آٹھ معنی لکھے ہیں۔ ان میں سے ایک اولیٰ بالشیٔ ہے اور ابن اثیر نے النھایۃ میں لکھا ہے کہ اسم مولیٰ حدیث میں مکرر واقع ہوا ہے اور وہ اسم ہے جس کا اطلاق ایک بڑی جماعت نے بمعنی رب، مالک، منعم، آزاد کرنے والا، مددگار، دوست، تابع، چچا کا بیٹا، ہم سوگند، جو شخص کسی سے کوئی عہد و پیمان کئے ہو، غلام، آزاد شدہ، جس کو کوئی نعمت دی گئی ہو۔ جو شخص کسی امر کا متولی ہو، اور اس پر قائم ہو۔ وہ اس امر کا مولیٰ اور ولی ہے۔ منجملہ ان کے حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ اور اکثر اس پر یہی محمول ہوتا ہے اور منجملہ حدیث کے یہ ہے کہ جو عورت اپنے مولا کی اجازت کے بغیر نکاح کرے وہ باطل ہے

اور دوسری روایت کے مطابق ولیہا وارد ہوا یعنی وہ شخص جو اس کے معاملہ کا متولی ہے اور صاحب
کشاف نے کہا آیۂ انت مولٰینا یعنی تو میرا آقا ہے اور ہم تیرے بندے ہیں یا تو ہمارا مددگار ہے
یا ہمارے امور کا متولی ہے۔ (دوم) یہ کہ اس مقام پر ولی سے مراد کل اختیار رکھنے والا، امت
کے لیے اولیٰ بہ تصرف و تدبیر ہے۔ اس کو ہم چند وجوہ سے ثابت کرتے ہیں۔

پہلی وجہ۔ یہ کہ ہم کہیں کہ آزاد شدہ و ہم سوگند معنی میں تو ظاہر ہے کہ یہ مراد نہیں ہو سکتے
کیونکہ آنحضرتؐ میں یہ دونوں باتیں نہ تھیں۔ (نہ آپ آزاد شدہ تھے نہ ہم سوگند کسی قبیلہ کے) پہلے
معنی کے بارے میں ظاہر ہے اور دوسرا اس لیے مراد نہیں ہو سکتا کہ آنحضرتؐ کبھی کسی کے ہم سوگند
نہیں ہوئے کہ جس سے حضرت کو عزت حاصل ہوتی ... اسی طرح اور بعض معانی ظاہر ہے کہ مراد
نہیں ہیں کیونکہ فی نفسہ باطل ہیں جیسے آزاد کرنے والا۔ مالک، ہمسایہ، داماد، پیچھے سامنے اور
بعض دوسرے معنی بھی مراد نہیں ہیں اس لیے کہ بے فائدہ ہیں جیسے چچا کا بیٹا۔ دوسری قسم وہ ہے
جو دلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد نہیں ہیں جیسے ولایت، دینی محبت، دین میں مدد، آزادی کی
ولا۔ کیونکہ ہر شخص پر مومنین کی ولایت و نصرت کا واجب ہونا واضح ہے اور قرآن مجید اس پر ناطق
ہے۔ لہٰذا ایسے واضح کے لیے ضرورت نہیں تھی کہ آنحضرتؐ لوگوں کو ایسے گرم وقت و مقام پر جمع
کرتے۔ اسی طرح اگر آزادی کی ولا مراد ہوتا تو اس کا تعلق پسر عم سے جاہلیت اور اسلام میں ایک
امر معلوم تھا۔ اس کے لیے اس اہتمام کی ضرورت نہ تھی۔ نیز عمر کا اصبحت مولای و مولیٰ کل
مومن و مومنۃ کہنا اس احتمال کے منافی ہے لہٰذا چاہیئے کہ امورِ امت کی تدبیر اور ان کے امر
نہی کے ساتھ اولیٰ ہو اور یہی معنی امامت ہیں۔ یہ وہ وجہ ہے جس کو سید مرتضیٰ نے ذکر کیا ہے۔
لیکن اس فقیر (یعنی علامہ مجلسی) کے دل میں چند دوسری تقریریں پیدا ہوئی ہیں۔

(پہلی تقریر) یہ کہ اکثر مخالفین جیسے قوشجی وغیرہ نے گھبرا کر جو احتمال قرار دیا ہے کہ مولیٰ
کے معنی ناصر و محب ہے تو کسی عاقل پر پوشیدہ نہیں ہے کہ اس مطلب کا بیان کرنا ایسے وقت میں
درمیانِ راہ لوگوں کو جمع کرنے پر موقوف نہ تھا۔ کیونکہ بہت سے احکام اس سے زیادہ ضروری تھے
جن کے پہنچانے میں حضرت نے یہ اہتمام نہیں کیا تھا۔ اور یہی معنی اگر مراد ہیں تو اس طرح لوگوں
کو جمع کر کے کہنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ چاہیئے تھا کہ امیرالمومنینؑ کو وصیت فرماتے کہ تم بھی اس کی مدد
کرنا جس کی میں مدد کرتا تھا۔ اور اُس کو دوست رکھو جس کو میں دوست رکھتا تھا۔ لوگوں کو اس امر
کی خبر دینے میں کچھ زیادہ فائدہ نہ تھا مگر یہ کہ اس سے مراد اُس طرح کی نصرت و محبت ہو جیسی کہ
امرا کو رعایا سے ہوتی ہے یا اُن حضرتؐ کے لیے لوگوں کی محبت حاصل کرنا اور ان کی پیروی کا واجب
ہونا ہوتا کہ ان کی تمام موقعوں پر مدد کریں اور ان کے ایمان کی وجہ سے ان کو دوست رکھیں۔ لہٰذا اس

صورت میں بھی ہمارا مدعا ثابت ہے۔

(دوسری تقریر) یہ کہ بالفرض محال محب و ناصر مراد ہے۔ اس واقعہ کے خصوصیات کے قرائن سے ہر وہ شخص جو عاقل ہوگا سمجھ لے گا کہ مقصود اصلی امامت و خلافت ہے۔ چنانچہ ہم فرض کریں کہ ایک بادشاہ اپنی وفات کے قریب اپنے تمام لشکر کو جمع کرے اور ایک شخص کا ہاتھ پکڑے جو اس کے رشتہ داروں میں سب سے قریب رشتہ دار اور دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہو اور کہے کہ جس کا میں دوست اور یاور تھا اس کا دوست و یاور یہ شخص ہے اس کے بعد اس کے مددگار کے لیے دعا کرے۔ اور اس کو ذلیل کرنے والے پر لعنت کرے اور ایسی بات کسی دوسرے کے لیے نہ کہے اور کسی دوسرے کو اپنا خلیفہ مقرر نہ کرے تو ہیں نہیں سمجھتا کہ اس کی رعایا میں سے کوئی اس کی خلافت مراد لینے میں اور بادشاہ کے لوگوں کو اس کی نصرت و محبت کی تحریص اور اس کی اطاعت کی ترغیب میں شک کرے۔

(تیسری تقریر) یہ کہ جب کوئی بادشاہ جس کا حکم جاری ہوتا ہے۔ (واجب الاطاعت ہوتا ہے) کسی کمزور و بے مددگار شخص کے حق میں کہے کہ میں جس کا مددگار ہوں۔ فلاں شخص بھی اس کا مددگار ہے قبیح اور عبث معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ بادشاہ سے تو ہر شخص کی مدد ہو سکتی ہے۔ اور اس کمزور شخص سے اگر مدد ہوگی بھی تو بہت کم لوگوں کی ہوگی۔ لہٰذا یہ کلام عرف و عادت کے مطابق اس پر دلالت کرتا ہے کہ چاہیئے کہ وہ شخص جس کے بارے میں جناب رسول خداؐ یہ ارشاد فرما رہے ہیں۔ دین و دنیا میں آنحضرتؐ کے مرتبہ کے مانند مرتبہ رکھتا ہو اور کم سے کم یہ کہ طاقت اور حکم نافذ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور محبت کے بارے میں بھی یہی بات کہی جا سکتی ہے لہٰذا ہر صورت سے یہ عبارت امامت پر دلالت کرتی ہے۔

دوسری وجہ ۔ ان وجہوں میں سے جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ مولیٰ سے مراد اولیٰ بہ تصرف اور امام ہے یہ ہے کہ ان گذشتہ اکثر احادیث میں وہ قرینہ ہے اس پر کہ مراد امامت ہے۔ کیونکہ ابتدائے کلام میں فرمایا کہ کیا میں تمہاری جانوں پر تم سے زیادہ اولیٰ (حقدار) نہیں ہوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ پھر جس کا میں مولا ہوں علیؑ بھی اس کا مولا ہے۔ لہٰذا جو شخص کلام کے اسلوبوں سے واقف ہے جانتا ہے کہ وہ سوال اول واضح قرینہ ہے اس پر کہ مراد مولا سے اولیٰ ہے جیسا کہ پہلے گذرا ہے اور چونکہ کلام سابق میں کسی چیز اور کسی حال کی تخصیص نہیں ہے لہٰذا عموم کا فائدہ دیتا ہے کیونکہ اہل عربیت نے کہا ہے کہ حذف مطلق عموم کا فائدہ دیتا ہے جس میں کسی وقت اور حال کی خصوصیت پر کوئی قرینہ نہیں ہوتا ورنہ کلام میں پیچیدگی اور الجھن لازم آئے گی۔ خصوصاً جبکہ اس مقام پر من انفسہم ذکر ہوا ہے اور آدمی کے لیے لازم ہے کہ ہر جائز اور مشروع تصرف اپنی ذات میں

کرے اور ہر امر مشروع کا متولی (سرپرست و مختار) ہو۔ پھر جب وُہ اپنی ذات سے اولیٰ ہو اُس وقت اس کو حق پہنچتا ہے کہ جو حکم چاہے ان کی نسبت کرے اور ہر تدبیر جو ان کی دنیا و دین کے لیے مناسب سمجھے عمل میں لائے اور اُن کو اُس پہ کوئی اختیار نہ ہو۔ امامت کے معنی بھی یہی ہیں نیز ظاہر ہے کہ حضرتؐ نے پہلے جو ان سے سوال کیا اور جس کا اُن سے اقرار لیا وہ مطلب ہے جس کا خداوند تعالیٰ نے قرآن میں حضرتؐ کے لیے ثابت فرمایا ہے کہ النّبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم مفسروں نے اس پر اجماع کیا ہے کہ آیت سے مراد یہی ہے جو ہم نے بیان کیا چنانچہ زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ نبی مومنین پر اُن کے دین و دنیا کے امور میں سے ہر امر میں اُن کی جانوں سے اولیٰ (زیادہ اختیار رکھتا) ہے۔ لہٰذا حضرتؐ نے مطلق فرمایا اور کسی شرط و قید سے مشروط و مقید نہیں کیا لہٰذا اُن پر واجب ہے کہ آنحضرتؐ اُن کے نزدیک ان کی جانوں سے زیادہ محبوب ہوں اور آپ کا حکم خود ان کے حکم سے اُن پر زیادہ نافذ ہو اور آنحضرتؐ کا حق اُن پر زیادہ لازم ہو اُن کی جانوں کے حق سے اور آنحضرتؐ پر ان کی شفقت زیادہ مقدم ہو خود اُن کی اپنی جانوں پر اُن کی اپنی شفقت سے اور یہ کہ اپنے تئیں اُن کے نزدیک حاضر رکھیں اور جب کوئی امر عظیم رونما ہو تو اُن پر فدا ہو جائیں اور اپنی جان سے وہ زیادہ لڑائیوں میں اُن کی حفاظت کریں اور یہ کہ اُن امور کی پیروی نہ کریں جن کی طرف اُن کا نفس اُن کو دعوت دیتا ہے یا منع کرتا ہے بلکہ ہر اُس امر کی پیروی کریں جس کا حضرتؐ اُن کو حکم دیں۔ اور اُن باتوں کو ترک کریں جن سے حضرتؐ منع کریں۔ تمام مفسروں نے بھی یہی کہا ہے اور کلام کے قرینہ سے ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ کی مراد جناب امیرؑ کے لیے اُسی اولیٰ ہونے کے اثبات و اظہار سے ہے جو حضرتؐ خود رکھتے تھے۔ اور عامہ کے بعض متعصب علماء مثل قوشجی وغیرہ نے جو کہا ہے کہ اللّٰھُمَّ وَالِ من والاہ سے یہ قرینہ ہے کہ مولیٰ سے مراد محب یا ناصر ہے باطل ہے بلکہ اولیٰ ہونے کے معنی کا قرینہ ہے چند وجوہ سے (پہلی وجہ) جب اُن حضرتؐ کے لیے ریاست عامہ اور ریاستِ کبریٰ ثابت فرمایا تو اس کے لیے لشکروں اور خیر خواہ ناصحوں کی ضرورت تھی اور اس مرتبہ کا جماعت کثیر میں سے ایک شخص کے لیے ثابت کرنا حسد و عداوت کے ہیجان کا سبب تھا جو ترک نصرت و اعانت کا گمان ہے خصوصاً باوجود اُس کے کہ منافقین کے دلوں میں پرانی دشمنیوں کو جانتے تھے کہ موجود ہیں اس لیے مددگاروں کے لیے دعا اور اُس پر لعنت کرکے جو اُن کے شان میں تقصیر کرے اُس کی تاکید فرمائی۔ نیز ظاہر ہے کہ اس قسم کی دعا امراء اور اصحاب ولایت کے لیے مخصوص ہے اور رعایا میں سے کسی ایک کے لیے مناسب نہیں ہے۔ (دوسری وجہ) یہ کہ یہ دعا عصمت پر دلالت کرتی ہے جو لازمہ امامت ہے۔ اس لیے کہ اگر گناہ اُن سے صادر ہوتا تو اُس شخص پر واجب ہوگا جو اُس سے واقف ہو کہ اُس کو منع کرے اور ترکِ تعلقات

بلکہ اُس سے دشمنی کا اظہار کرے۔ لہٰذا کسی کے لیے آنحضرتؐ کی یہ دُعا بلا کسی قید کے اس پر دلالت کرتی ہے کہ وہ شخص کبھی ایسی حالت پر نہ ہوگا کہ ترکِ تعلقات اور ترک نصرت کا مستحق ہو۔
(تیسری وجہ) اگر مولا سے مراد اولیٰ ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں تو اس کلام سے قوم سے نصرت و متابعت اور سوالات کا طلب کرنا مقصود ہوگا۔ اور اگر ناصر و محب مراد ہو جیسا کہ مخالفین کہتے ہیں۔ تو مقصود یہ ہوگا کہ آنحضرتؐ اُن کے ناصر و محب ہیں لہٰذا دُعا اُس کے لیے جو اس کی موالات اور نصرت کرے پہلے معنی کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہوگی بہ نسبت دوسرے معنی کے جیسا کہ غور و فکر کرنے والوں پر ظاہر ہے۔ (چوتھی وجہ) یہ ہے کہ خاصہ و عامہ کی حدیثوں سے ظاہر ہوا کہ آیۂ اکملت لکم دینکم الخ روزِ غدیر نازل ہوا اور سیوطی نے جو مخالفین کے علمائے متاخرین میں سب سے بڑے عالم ہیں۔ کتاب اتقان میں ابوسعید خدری اور ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ یہ آیت روزِ غدیر نازل ہوئی اور یہ دلیل ہے اس پر کہ مولیٰ سے مراد وہ معنی ہیں جو امامت کبریٰ کی طرف پھرتے ہیں۔ کیونکہ جو امر دین کی تکمیل اور مسلمانوں پر نعمت کے پوری ہونے کا باعث ہو۔ بلکہ ان کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہو وہ امامت ہے جس کے ذریعہ دنیا و دین کا انتظام پورا ہوتا ہے اور اُس کے اعتقاد سے مسلمانوں کے اعمال قبول ہوتے ہیں۔ (پانچویں وجہ) یہ کہ خاصہ و عامہ کی خبروں میں وارد ہوا ہے کہ آیۂ یاایھا الرسول بلغ ماانزل الیک من ربک الخ اس واقعہ میں نازل ہوا جیسا کہ بیان کیا جا چکا اور فخر رازی نے تفسیر کبیر میں منجملہ احتمالات نزول آیۂ کریمہ کے کہا ہے کہ یہ آیت علیؑ کی فضیلت میں نازل ہوئی اور جب نازل ہوئی حضرتؐ نے علیؑ کو پکڑ کر فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ۔ اُس وقت عمر نے اُن سے ملاقات کی اور کہا تم کو مبارک ہو اے پسر ابوطالب کہ تم نے آج صبح اس حال میں کی کہ میرے اور تمام مومنین و مومنات کے مولا ہو گئے۔ پھر کہا ہے کہ یہ ابن عباس براء بن عازب اور محمد بن علی کا قول ہے اور ثعلبی نے اپنی تفسیر اور حسکانی نے شواہد التنزیل میں اور کثیر جماعت نے روایت کی ہے کہ یہ آیت امرِ غدیر میں نازل ہوئی اور یہ صریح ہے اس میں کہ مولا سے مراد امام و خلیفہ ہے کیونکہ خدا کی جانب سے دھمکی اور عتاب کہ اگر تبلیغ نہ کی تو اے رسول تم نے اس کی رسالت کی کچھ تبلیغ نہیں کی اور حضرتؐ کو تبلیغ کرنے سے یہ خوف کہ کہیں فتنہ و فساد برپا ہونے کا سبب نہ ہو اور خدا کا ضامن ہونا کہ خدا ان کو منافقوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ یہ سب دلیل ہے اس پر کہ جس امر کی تبلیغ پر حضرتؐ مامور ہوئے تھے چاہیئے کہ وہ ایسا امر ہو جس کی تبلیغ لوگوں کے دین و دنیا کے امور کی اصلاح کا باعث ہو اور اُس کے ذریعہ سے لوگوں پر قیامت تک حلال و

حرام ظاہر ہو اور دین کے طریقے اُس کے ذریعہ سے ضائع ہونے سے محفوظ رہیں اور اُس کا قبول کرنا لوگوں کی طبیعت پر دشوار ہو۔ اور جو احتمالات ان لوگوں نے لفظِ مولا میں بیان کیے ہیں اُن میں سے کوئی ایک اس قسم کے امور کا گمان نہیں رکھتا ہے سوائے خلافت امامت کے جس کے ذریعہ آنحضرت کی تبلیغ رسالت جو آپ نے کی ہے مثل احکام دین و ایمان کے باقی رہتی ہے اور امورِ مسلمین جس کے سبب سے منتظم رہتے ہیں اور اُن کینوں کی وجہ سے جو اُن حضرتؐ کی طرف سے لوگوں کے دلوں میں سُلگ رہے تھے منافقوں کی طرف سے فتنوں کے سبب کا گمان ہوا۔ لہٰذا حق تعالیٰ اُن کے شر سے حضرتؐ کی حفاظت کا ضامن ہوا۔ (چھٹی وجہ) یہ ہے کہ خاصہ و عامہ کی خبریں جو اس واقعہ میں نص صریح پر مشتمل ہیں۔ اُس شخص کے نزدیک جس کے دل میں ذرا بھی انصاف ہو متواتر بالمعنیٰ ہیں۔ اگر اس قول سے ہم تنزل کریں تو کم از کم قرینہ اس کا ہو سکتا ہے کہ مولیٰ سے مراد وہ معنی ہیں جو امامت کے معنی کے ضمن میں ہیں خصوصاً جب اس میں پیغمبروں، بادشاہوں اور امراء کا وہ طریقہ اور عادت بھی ضم ہو جائے جو اپنی وفات کے نزدیک خلیفہ اور جانشین کی تعیین میں کرتے ہیں۔ اور اکثر حدیثوں میں مذکور ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ تمہارے درمیان سے جاتا ہوں ان دوسرے قرائن کے ساتھ جو پہلے مذکور ہوئے۔ (ساتویں وجہ) یہ کہ اُس جماعت کی نظم و نثر سے جو اِس مجمع میں موجود تھے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن لوگوں نے مولا سے خلافت کے معنی سمجھے ہیں۔ جیسے حسان بن ثابت جن کے بارے میں کتب سیر وغیرہ میں مذکور ہے کہ آنحضرتؐ سے اجازت پائی اور اس باب میں ایک قصیدہ کہا اور حضرتؐ نے ان کی تعریف کی اور تمام شعراء صحابہ اور تابعین مثل حارث بن نعمان فہری جس نے یہ مطلب سمجھا تھا اور حضرتؐ نے ان کی تصدیق کی جیسا کہ گذر چکا۔ اسی طرح کے ثبوت بہت ہیں اور یہ سب سے زیادہ قوی دلیل ہے اس پر کہ آنحضرتؐ کی مراد یہی تھی تعجب ہے علمائے مخالفین سے کہ دوسرے مقامات پر ایک یا دو راوی اسے نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور کلام میں بہت تھوڑے اشارے کے ساتھ عظیم مطالب پر استدلال کرتے ہیں اور جب مسئلہ امامت پر آتے ہیں تو حیا کی نقاب سر سے اُتار دیتے ہیں اور انکار کے قلعہ میں بھاگتے ہیں۔ عصمنا اللہ وایاھم من العصبیۃ والعناد وھدینا الی الرشاد خداوند تعالیٰ ہم کو اور اُن کو تعصب اور عناد سے محفوظ رکھے اور بھلائی اور نیکی کی ہدایت کرے۔

دوسری فصل

حدیث منزلت کا بیان اور وہ خاصہ اور عامہ کے طریقوں سے متواتر ہے اور جو چیز سب میں مشترک ہے وہ یہ ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے بہت موقعوں پر جناب امیرؑ سے فرمایا کہ انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰؑ یعنی تم میرے نزدیک بمنزلہ ہارون کے موسیٰ سے ہو لیکن میرے بعد کوئی پیغمبر نہ ہوگا۔ ہم اس مقام پر چند حدیثوں کے ذکر پر

اکتفا کرتے ہیں جو ان کی صحاح میں موجود ہیں۔ جیسا کہ صاحب جامع الاصول نے صحیح بخاری اور صحیح ترمذی سے روایت کی ہے، سعد بن وقاص سے کہ جناب رسولِ خدا نے غزوۂ تبوک میں علیؑ کو مدینہ میں چھوڑا تو حضرت علیؑ نے کہا یا رسول اللہ آپ مجھ کو عورتوں اور بچوں میں چھوڑتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کیا تم راضی نہیں ہو کہ میرے نزدیک مثلِ ہارون کے رہو جو موسیٰ کے نزدیک تھے۔ اور ترمذی کی روایت میں کہا ہے کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہے اور صحیح مسلم میں پھر اس روایت کو مکمل طور سے ابن مسیب سے روایت کی ہے کہ اس حدیث کی روایت مجھے سعد کی سند سے پہنچی تو میں نے چاہا کہ سعد سے خود سُنوں تو سعد کے پاس میں گیا اور پوچھا کہ کیا تم نے رسولِ خداؐ سے اِس حدیث کو سُنا ہے یہ سُن کر انھوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال کر کہا ہاں ہاں اگر میں نے نہ سُنی ہو تو میرے یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں۔ نیز جامع الاصول میں صحیح مسلم سے یہ پوری حدیث جابر انصاری سے روایت کی ہے۔ نیز حدیث صحیح مسلم و صحیح ترمذی میں روایت کی ہے کہ مُعاویہ ابنِ ابی سفیان نے سعد بن ابی وقاص کو امیر مقرر کیا اور کہا کیا مانع ہے تم کو کہ ابو تراب کو گالی دو۔ سعد نے کہا جب تک مجھے وہ تین باتیں یاد ہیں جو میں نے علیؑ کے حق میں سنی ہیں ہر گز ان کو گالی نہ دوں گا۔ اگر ان میں سے ایک بھی میرے واسطے ہوتی تو اس بات کو عام کے سرخ بالوں والے اونٹوں سے زیادہ دوست رکھتا کہ وہ اونٹ مجھے حاصل ہوتے۔ میں نے رسولِ خداؐ سے سُنا ہے کہ آپ نے علیؑ سے فرمایا جس وقت ان کو ایک غزوہ میں جاتے وقت مدینہ میں چھوڑا تھا۔ اور علیؑ نے کہا تھا کہ آپ نے مجھے عورتوں میں چھوڑ دیا پھر وہی باتیں بیان کیں جو حدیث سابق میں مذکور ہوئیں۔ لیکن یہاں کہا الا انہ لا نبوۃ بعدی مگر یہ کہ نبوّت اور پیغمبری میرے بعد نہیں ہے۔ پھر سعد نے کہا کہ میں نے روزِ خیبر سُنا کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ کل میں یقیناً اس کو علم دُوں گا جو خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور خدا و رسولؐ اس کو دوست رکھتے ہیں۔ ہم سب نے گردنیں بلند کیں کہ شاید ہم کو علم عطا فرمائیں۔ لیکن حضرتؐ نے علیؑ کو طلب فرمایا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو اُن کی آنکھیں پُر آشوب تھیں اور درد کرتی تھیں۔ حضرتؐ نے اپنا آبِ دہنِ مُبارک ان کی آنکھوں پر ملا اور علم اُن کو دیا۔ آخر خدا نے اُن کے ہاتھ پر فتح عطا کی۔ اور جب آیۂ مُباہلہ نازل ہوا حضرتؐ نے علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السّلام کو طلب فرمایا اور فرمایا خداوندا یہ میرے اہلِ بیتؑ ہیں۔ اور ابنِ عبدالبر نے کتابِ استیعاب میں جو اُن کی معتبر ترین کتاب ہے۔ لکھا ہے کہ جناب امیرؑ کسی غزوہ سے جس میں آنحضرتؐ موجود تھے پیچھے نہیں رہے۔ جب مدینہ میں ہجرت کر کے آئے تھے، سوائے جنگِ تبوک کے جبکہ جنابِ رسولِ خداؐ نے ان کو مدینہ کی اور اپنے عیال کی حفاظت کے لیے مدینہ میں چھوڑ دیا اور فرمایا انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی اور

کہا ہے کہ اس حدیث کو صحابہ کی کثیر جماعت نے روایت کی ہے اور یہ روایت ثابت ترین اور صحیح ترین ہے۔ اس روایت کو سعد بن وقاص سے اور انھوں نے رسولِ خدا سے روایت کی ہے اور سعد کی روایت بہت طریقوں سے ہے اور اس حدیث کو ابنِ عباس، ابوسعید خدری، ام سلمہ، اسماء بنت عمیس، جابر بن عبداللہ اور بہت سی جماعتوں سے روایت کی ہے۔ جن کا ذکر طوالت کا باعث ہے اور فاطمہ دختر امیرالمومنینؑ نے اسماء بنت عمیس سے روایت کی ہے کہ میں نے سُنا کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے علیؑ سے فرمایا انت منّی بمنزلۃ ھارون من موسٰی الا انّہ لیس بعدی نبیّ۔ ابن عباس کی روایت کے مطابق اس کے بعد کہا کہ تم میرے بھائی، میرے صاحب یعنی میرے مصاحب ہو۔ اور ابنِ عقدہ حافظ نے جس کو تمام گروہ ثقہ جانتے ہیں ایک بڑی کتاب خاص طور سے اس حدیث کی سندوں میں تصنیف کی ہے۔ اور ابنِ حنبل نے اپنی مسند میں جو ان کی صحاح کے مثل ہے اس حدیث کو صحابہ کی کثیر جماعت سے روایت کی ہے اور ابن اثیر نے تاریخ کامل میں محمد بن اسحاق سے دیلمی نے فردوس الاخبار میں عمر بن الخطاب سے روایت کی ہے کہ رسولِ خداؐ نے علیؑ سے فرمایا کہ تم اسلام میں پہلے مسلمان ہو اور ایمان میں پہلے مومن ہو اور تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی اور قاضی علی بن محسن تنوخی نے جو علمائے عامہ میں سے ہیں اس حدیث کو علی علیہ السلام اور عمر اور سعد بن ابی وقاص، ابن مسعود، ابن عباس، جابر انصاری، ابوہریرہ ابوسعید، جابر بن سمرہ، مالک بن الحویرث، براء بن عازب، زید بن ارقم، ابورافع، عبداللہ بن ادفی اور اس کا بھائی زید، ابوشریحہ، حذیفہ بن اسید، انس بن مالک، ابوبریدۃ اسلمی، ابوایوب انصاری، عقیل بن ابوطالب، جیش بن جنادہ، معاویہ بن ابی سفیان، ام سلمہ، اسماء بنت عمیس، سعد بن المسیب، امام محمد باقر علیہ السلام حبیب بن ابی ثابت، فاطمہ بنت علی اور شرحبیل بن سعد نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ سب نے جناب رسولِ خداؐ سے روایت کی ہے۔ اور ابنِ حجر نے کتاب فتح الباری شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ ابن مسیب کی روایت میں یہ زیادہ ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے یہ بات جناب امیرؑ سے فرمائی تو جناب امیرؑ نے دو مرتبہ کہا میں راضی ہوا اور کہا ہے کہ براء بن عازب اور زید بن ارقم کی روایت کی ابتداء میں اتنا زیادہ ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے علیؑ سے کہا یا مجھے چاہیئے کہ میں مدینہ میں رہوں یا تم رہو۔ جب حضرت علیؑ نے یہ سُنا تو مدینہ میں ٹھہر گئے۔ پھر آپ نے سُنا کہ منافقین کا ایک گروہ کہتا ہے کہ علیؑ کو اس لیے مدینہ میں چھوڑ دیا کہ حضرتؐ ان سے ناراض تھے۔ یہ سُن کر جناب امیرؑ آنحضرتؐ کے پیچھے روانہ ہوئے اور آنحضرتؐ سے ملاقات کر کے کہا کہ لوگ ایسا کہتے ہیں۔ یہ سُن کر حضرتؐ نے فرمایا کہ کیا تم راضی نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے

حضرتؑ کی امامت پر اس حدیث متواتر کے ساتھ استدلال کی وجہ میں چند وجوہ بیان کی جا سکتی ہیں
(پہلی وجہ) بحسب عرف منزلت عموم ظاہر ہے خصوصاً جبکہ بعض ان کی منزلتوں کو مستثنیٰ کریں کیونکہ اس صورت میں بقیہ افراد مستثنیٰ منہ کے عموم میں صراحت ہوتی ہے۔ جیسے اگر کوئی کہے کہ فلاں مرد بمنزلہ میرے ہے مگر یہ کہ بخیل ہے۔ تو ہر شخص سمجھے گا کہ سوائے سخاوت کے تمام دوسری صفتوں میں اُس کے مثل ہے لہٰذا یہ کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ تمام نسبتیں جو موسیٰ و ہارون علیہما السّلام کے مابین ہوں گی ان حضرتؑ میں بھی ہوں گی سوائے نبوّت کے۔ اور یہ معلوم ہے کہ منجملہ تمام نسبتوں کے امت پر خلافت تھی چنانچہ جب موسیٰؑ موجود نہ ہوتے تو ہارونؑ اُن کے خلیفہ ہوتے تھے۔ لہٰذا چاہیئے کہ یہ صورت جناب امیرؑ کے لیے بھی ثابت ہو اور یہ علاوہ پیغمبری کے ہے جو مستثنیٰ کی گئی ہے۔ اگر کہیں کہ خلافت پیغمبر کی حیات میں مراد ہوگی، تو ہم جواب میں کہیں گے کہ بعد از وفات پیغمبری کا استثنیٰ صریح ہے اس پر کہ مراد اس سے زیادہ عام ہو ورنہ استثنا کی ضرورت نہیں تھی۔ باوجود اس کے ظاہر لفظ کے خلاف ہے۔

(دوسری وجہ) یہ کہ جناب ہارون کی منزلتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ جناب موسیٰؑ کی تمام اُمت سے افضل تھے۔ لہٰذا چاہیئے کہ جناب امیرؑ بھی آنحضرتؐ کی تمام اُمت سے افضل ہوں اور تفضیل مفضول قبیح ہے جیساکہ معلوم ہے۔

(تیسری وجہ) یہ کہ احادیث متواترہ سے واضح ہے کہ حضرت رسولِ خداؐ نے یہ بات متعدد موقعوں پر فرمائی۔ اگر منزلت کا مطلب مخصوص ہوتا تو مختلف واقعات میں نہ فرماتے مثلاً مسجد سے لوگوں کے دروازے بند کرنے اور اُن حضرتؑ کے دروازہ کو کھلا رکھنے میں یہی فرمایا۔ اور حسن و حسین و محسن علیہم السّلام کے نام اولاد ہارون شبر و شبیر و مبشر کے نام پر رکھنے میں یہ بھی فرمایا اور مدینہ میں خلیفہ مقرر کرنے میں بھی فرمایا اور غدیر میں نصب کرنے میں بھی یہ فرمایا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ تمام منزلتیں مراد ہیں خصوصاً منزلت خلافت۔

(چوتھی وجہ) مشہور بلکہ متواتر ہے کہ جو کچھ بنی اسرائیل میں واقع ہوا ہے اُن سب کے مثل اس امت میں بھی واقع ہوگا چنانچہ صاحب نہایہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ بہت سی حدیثوں میں واقع ہوا ہے لترکبن سنن من قبلکم حذو النعل بالنعل والقذة بالقذة یعنی تم لوگ اُن کے طریقوں کے مرتکب ہوگے جو تمہارے پہلے گزرے ہیں مثل جوتے کے جوڑے کے جو آپس میں موافق ہوتے ہیں اور مثل پر ہائے تیر کے جو باہم برابر ہوتے ہیں اور بعض روایتوں میں وارد ہوا ہے کہ اگر وہ سوسمار کے سوراخ میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی داخل ہوگے۔ اور بنی اسرائیل میں ایک عظیم تر واقعہ گوسالہ و سامری کا رونما ہوا۔ لہٰذا چاہیئے کہ اس اُمت میں بھی واقع ہو۔ اور اس امت میں جو امر اُس کے مانند

تھی لیکن میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اس کے بعد ابنِ حجر نے کہا ہے کہ اصل حدیث کو سوائے سعد کے علیؑ، عمر، ابوہریرہ، ابنِ عباس، جابر بن عبداللہ، براء بن عازب، زید بن ارقم، ابوسعید خدری انس بن مالک، جابر بن سمرہ، حبیش بن جنادہ، معاویہ، اور اسماء بنت عمیس وغیرہم نے روایت کی ہے اور اس کے تمام طریقوں کو ابن عساکر نے ترجمۂ علی میں ذکر کیا ہے۔ ابنِ حجر کا کلام ختم ہوا۔ اور سید رضی اللہ عنہ نے نہج البلاغہ میں جو خاصہ وعامہ دونوں میں مقبول ہے حضرت امیرالمومنین سے روایت کی ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے ان سے فرمایا کہ تم وہ سنتے ہو جو میں سنتا ہوں۔ تم وہ دیکھتے ہو جو میں دیکھتا ہوں۔ مگر یہ کہ تم پیغمبر نہیں ہو بلکہ میرے وزیر ہو۔ اور تمھارے معاملات خیر کی جانب راجع ہیں اور ابنِ ابی الحدید نے جو عامہ کے مشہور علماء ومحدثین میں ہیں اس کلام کی شرح میں اس کی تائید میں بہت سی خبریں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ وہ حضرت جنابِ رسولِ خداؐ کے وزیر رہے ہیں اس پر دلیل کتاب سنت کے نص سے یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جناب موسیٰؑ کی دعا نقل کی ہے کہ فرمایا واجعل لی وزیراً من اهلی هارون اخی اشدد به ازری واشرکه فی امری۔ اور جناب رسولِ خداؐ نے ایک حدیث میں فرمایا ہے جس کی روایت میں اسلام کے تمام فرقوں نے اجماع کیا ہے کہ تم میرے نزدیک وہی منزلت رکھتے ہو جو ہارون کو موسیٰؑ سے تھی۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ لہٰذا اس حدیث نے ہارون علیہ السلام کے تمام مراتب ومنازل جو وہ حضرت موسیٰؑ سے رکھتے تھے اُن حضرت کے لیے ثابت کیا لہٰذا چاہیئے کہ آپ جنابِ رسولِ خداؐ کے وزیر، آپ کی پشت مضبوط کرنے والے اور آپ کے امور کو تقویت پہنچانے والے ہوں۔ اور اگر یہ نہ ہوتا کہ جنابِ رسولِ خداؐ خاتم المرسلین تھے تو یقیناً آپ بھی ان کی پیغمبری میں شریک ہوتے۔ پھر ابنِ ابی الحدید نے نہج البلاغہ کی شرح میں لکھا ہے کہ جناب امیرالمومنینؑ نے روزِ شوریٰ اُن پانچ افراد سے کہا جن کو عمر نے ان کے ساتھ شریک کیا تھا کہ تمھارے درمیان کوئی میرے سوا ہے جس کے بارے میں جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا ہو کہ تم مجھ سے وہی نسبت رکھتے ہو جو ہارون کو موسیٰؑ سے تھی۔ لیکن میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہے۔ سب نے کہا نہیں اور صاحب صواعق محرقہ نے اس کی تصریح کی ہے لیکن اس کے متواتر ہونے سے انکار کیا ہے۔ اور اس سے زیادہ متواتر اور زیادہ واضح کیا ہوسکتا ہے کہ ان کے محدثین میں سے ہر ایک نے صحابہ کی کثیر جماعت سے روایت کی ہے جن میں ہر ایک کے قول کو دین کے اصول وفرع میں وہ لوگ حجت جانتے ہیں جیسا کہ ان کی کتابوں کے مطالعہ سے ظاہر ہے اور کتب عقائد میں اصولِ دین کے بہت سے مسائل میں ہر حدیث جو ان کی صحاح میں سے ہر ایک میں مذکور ہے استدلال کیا ہے قطع نظر شیعوں کی متواتر حدیثوں کے جو انھوں نے آئمہ میں سے ہر ایک سے روایت کی ہے۔ اُن

ہوگا اس کے بغیر نہ ہوگا کہ اُن کے خلیفہ کی اطاعت سے منحرف ہوگئے اور اس کو کمزور کر دیا اور منافقین اُس پر غالب ہوگئے۔ اسی کی مؤید یہ ہے جیسا کہ عامہ اور خاصہ نے روایت کی ہے کہ جب امیرالمومنینؑ کو ابوبکر کی بیعت کے لیے مسجد میں لوگ لائے حضرتؑ نے قبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف مُنہ کر کے اُس آیت کی تلاوت کی جو جناب ہارون پر قوم کے ظلم اور اُن کی جناب موسیٰؑ سے شکایت پر مشتمل ہے اور کہا یا ابن ام ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی یعنی اے میرے ماں کے بیٹے بیشک میری قوم نے مجھ کو کمزور کر دیا اور نزدیک تھا کہ مجھے قتل کر دیں۔

(پانچویں وجہ) یہ کہ مخالفین کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے کہ جناب موسیٰ کی وصایت وخلافت جناب ہارونؑ کی اولاد کی جانب منتقل ہوئی تو موسیٰؑ سے ہارون کی نسبتوں میں سے یہ ہے کہ ہارونؑ کے فرزند اُن کے خلیفہ اور اوصیا جناب موسیٰؑ کے خلیفہ اور اوصیا ہوئے۔ لہٰذا نسبت کا مقتضا ہے کہ حسن وحسین علیہم السلام جو باتفاق خاصہ وعامہ ہارون کے لڑکوں کے نام سے موسوم ہوئے جناب رسول خداؐ کے خلیفہ ہوں لہٰذا ان کے پدر بھی چاہیئے کہ اجماع مرکب کے اقتضا سے خلیفہ ہوں اور منجملہ علمائے مخالفین کے جس نے اس کو ذکر کیا ہے کہ محمد شہرستانی ہیں جنھوں نے کتاب ملل و نحل میں یہودیوں کے حالات کے بیان میں لکھا ہے کہ امر پیغمبری موسیٰؑ اور ان کے بھائی کے درمیان مشترک تھا جبکہ موسیٰؑ نے کہا اشرکہ فی امری تو ہارونؑ موسیٰؑ کے وصی ہوئے۔ چونکہ ہارونؑ جناب موسیٰؑ کی حیات میں فوت ہوگئے تھے اس لیے وصایت امانت کے طور پر یوشع کی جانب منتقل ہوگئی تھی تاکہ وہ جناب ہارون کی اولاد شبر وشبیر تک استقرار کی صورت سے پہنچا دیں۔ کیونکہ وصایت وامامت کبھی مستقر ہوتی ہے اور کبھی امانت کے طور پر۔

(چھٹی وجہ) یہ کہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر حضرتؐ نے خصوصیت سے جناب امیرؑ کو مدینہ میں خلیفہ مقرر کیا اور پھر ان کو معزول کرنا ثابت نہیں لہٰذا چاہیئے کہ وفات کے بعد بھی خلیفہ ہوں۔ اور اگر ان مراتب ومنازل سے ہم قطع نظر کریں تو اس میں شک نہیں کہ حضرتؐ کا یہ ارشاد صاحب منزلت ہارون کی نہایت قرب ومحبت واختصاص اور اخوت روحانی واختصاص جسمانی وقرابت نسبی پر مناقب جلیلہ کے ساتھ دلالت کرتا ہے جو اہل عالم پر ظاہر ہے کہ اس شخص کو جس میں کوئی منزلت نہ ہو سوائے کفر میں رہنے کے جو عین نقص ہے اور اُس میں کوئی کمال کا شائبہ نہ ہو مقدم رکھنا عین خطا ہے اور کسی عاقل کے نزدیک جائز نہیں واللہ ھادی الی سواء السبیل۔

تیسری فصل

جناب امیرؑ کے خدا و رسولؐ کے ساتھ اختصاص کے بیان میں اور اس کا اظہار متعدد موقعوں پر ہوا ہے۔

پہلا موقع۔ جامع الاصول میں صحیح ترمذی سے انس ابن مالک سے روایت کی ہے کہ جناب

رسولِ خداؐ کی خدمت میں ایک طائر بریاں لایا گیا آپ نے دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ ائتنی باحب خلقك الیك یاکل معی ھذا الطیر یعنی خداوندا میرے پاس اس کو بھیج دے جو تیرے نزدیک خلق میں سب سے زیادہ محبوب ہو کہ وہ میرے ساتھ اس طائر کو کھائے۔ تو علیؑ آئے اور ان حضرتؐ کے ساتھ طائر کھانے میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد بیان کیا ہے کہ رزین نے کہا کہ اس حدیث میں ایک قصہ ہے جس کے آخر میں ہے کہ انس نے کہا اے علیؑ میرے لیے مغفرت طلب کیجیے آپ کے لیے میرے پاس خوشخبری ہے پھر یہ حدیث بیان کی اور مسند ابن حنبل میں غلام جناب رسولِ خداؐ ثقیفہ سے روایت کی ہے کہ انصار کی ایک عورت دو مرغ بریاں اور دو روٹیاں جناب رسولِ خداؐ کے لیے ہدیہ لائی۔ جب آنحضرتؐ کے پاس رکھا تو حضرتؐ نے دعا کی کہ خداوندا اپنی خلق میں اپنے اور اپنے رسولؐ کے سب سے زیادہ محبوب شخص کو بھیج دے (کہ وہ میرے ساتھ اس طعام کے کھانے میں شریک ہو) تو علیؑ آئے اور دروازہ پر سے پکارا حضرتؐ نے پوچھا کون ہے۔ ثقیفہ کہتے ہیں میں نے کہا علیؑ ہیں۔ حضرتؐ نے فرمایا دروازہ کھول دو۔ میں نے دروازہ کھول دیا تو ان دونوں بزرگواروں نے ایک ساتھ شریک ہو کر اُس طائر کو تناول فرمایا۔ اور ابن مغازلی شافعی نے کتاب مناقب میں بہت سے طریقوں سے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ انس ابن مالک نے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ کے لیے ایک مرغ بریاں ہدیہ لایا گیا۔ جب حضرتؐ کے سامنے رکھا۔ حضرتؐ نے دعا کی کہ خداوندا میرے پاس اپنی خلق سے اپنے سب سے محبوب بندے کو بھیج دے تاکہ وہ میرے ساتھ اِس مرغ کو کھائے۔ انس کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا خداوندا اس کو انصار میں سے قرار دے۔ لیکن علیؑ آئے اور دروازہ کو آہستہ سے کھٹکھٹایا۔ میں نے کہا کون ہے؟ آپ نے فرمایا میں ہوں علیؑ۔ میں نے کہا رسول اللہؐ ایک کام میں مشغول ہیں۔ حضرت واپس چلے گئے۔ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرتؐ نے دوسری مرتبہ فرمایا خداوندا اپنے محبوب ترین خلق کو میرے پاس بھیج دے تاکہ میرے ساتھ اس طائر کو کھائے۔ پھر میں نے دل میں دعا کی کہ خداوندا کسی مردِ انصار کو بھیج دے لیکن علیؑ ہی آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا میں نے کہا کیا میں نے نہیں کہا کہ حضرتؐ ایک کام میں مشغول ہیں؟ حضرتؑ واپس چلے گئے اور میں پھر حضرتؐ کے پاس جا بیٹھا۔ پھر حضرتؐ نے وہی دعا کی اور علیؑ آئے اور دروازہ ذرا سختی سے کھٹکھٹایا تو آنحضرتؐ نے فرمایا دروازہ کھول دو۔ میں نے دروازہ کھول دیا جب آنحضرتؐ کی نظر اُن پر پڑی تین مرتبہ فرمایا میرے پاس آؤ۔ تو علیؑ بیٹھے اور دونوں بزرگواروں نے وہ طائر بریاں کھایا۔ دوسری روایت کے مطابق انہی سے اور ابن حنبل وغیرہ سے روایت ہے کہ جب امیرالمومنینؑ داخل خانہ ہوئے حضرتؐ نے فرمایا کیوں دیر کی میں نے تین مرتبہ خدا سے طلب کیا کہ اپنے محبوب ترین خلق کو میرے پاس بھیج دے۔

تاکہ یہ طائر میرے ساتھ کھائے۔ اگر تم اب بھی نہ آتے تو خدا سے تمہارا نام لے کر طلب کرتا کہ تم کو بھیج دے۔ جناب امیرؑ نے عرض کی یا رسول اللہؐ میں تین مرتبہ آیا اور ہر مرتبہ انس نے مجھے واپس کر دیا حضرتؐ نے انس سے پوچھا کیوں تم نے ایسا کیا۔ انس نے کہا کہ میں نے چاہا کہ میری قوم کا کوئی آدمی آجاتا۔ یہ سن کر حضرتؐ نے فرمایا ہر شخص اپنی قوم کو دوست رکھتا ہے اور دوسری روایت کے مطابق فرمایا کیا انصار میں کوئی علیؑ سے بہتر اور فاضل تر ہے اور خاصہ و عامہ نے بطریق مستفیضہ روایت کی ہے کہ منجملہ اُن مناقب کے جن سے حضرت علیؑ نے اصحابِ شوریٰ سے احتجاج کیا یہ منقبت بھی تھی اور سب نے اس کی حقیقت کا اعتراف کیا اور حضرت علیؑ نے انس سے بھی گواہی طلب فرمائی اُس نے کہا مجھے یاد نہیں ہے۔ فرمایا اگر تو جھوٹ کہتا ہے کہ تو برص میں مبتلا ہوگا کہ اس کو لوگوں سے عمامہ باندھنے سے چھپا نہ سکے گا۔ اور جب یہ مرض پیدا ہوگیا تو بار بار یہی کہتا تھا کہ یہ علیؑ کی نفرین سے ہوا ہے۔ اور ابن مردویہ نے ابورافع آزاد کردہ عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ جب طائر بریاں آنحضرتؐ کے پاس رکھا تو حضرتؐ نے فرمایا کاش امیر المومنینؑ اور آقائے مسلمین اور امام متقین میرے پاس ہوتے اور میرے ساتھ یہ طائر کھاتے تو امیر المومنینؑ آئے اور آنحضرتؐ کے ساتھ وہ طائر تناول کیا۔ اور اخطب خوارزم نے بھی اس حدیث کو بطریق سابق ابنِ عباس سے روایت کی ہے۔ جو شخص کچھ بھی انصاف رکھتا ہو اور مخالفین کی کتابوں کو دیکھے تو سمجھ لے گا کہ حدِ تواتر سے زیادہ اِس حدیث کی روایت کی گئی ہے۔ کیونکہ ترمذی نے اپنی صحیح میں حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں، بلاذری نے تاریخ میں، خرگوشی نے شرف المصطفےٰ میں، سمعانی نے فضائل الصحابہ میں، طبری نے کتاب الولایۃ میں، ابن البیع نے صحیح میں۔ ابویعلی نے مسند میں۔ احمد بن حنبل نے فضائل میں اور قطنزی نے اختصاص میں روایت کی ہے اور محدثین میں سے محمد بن اسحاق، محمد بن یحییٰ ازدی، مازلی، ابن شاہین، سدی، ابوبکر بیہقی، مالک، اسحاق بن عبداللہ ابن ابی طلحہ، عبدالملک بن عمیر، مسعود بن کدام، داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس اور ابوحاتم رازی نے بہت سی سندوں سے ابن عباس اور ام ایمن سے اور ابنِ بطہ نے ابانہ میں دو طریقہ سے روایت کی ہے۔ اور خطیب و ابوبکر نے تاریخ بغداد میں سات طریقہ سے اور ابنِ عقدہ حافظ نے ایک کتاب تنہا اس حدیث کے طریقہ میں تصنیف کی ہے اور پینتیسؐ صحابہ کی سند سے اس حدیث کو انس سے روایت کی ہے اور دس افراد کی سند سے جناب رسول خداؐ سے روایت کی ہے باوجود اُس عداوت کے جو جناب امیرؑ سے رکھتے ہیں اور آپ کے فضائل چھپانے کی کوشش کرتے ہیں اور جب یہ حدیث ثابت ہوئی تو اُن حضرتؐ کی امامت پر دلیل ہے کیونکہ محبت خدا و رسولؐ کے کچھ معنی نہیں بغیر اس کے (یعنی امامت کے) کیونکہ وہ استحقاق ثواب اور وفور طاعت اور صفات حسنہ سے متصف ہونے

میں سب سے آگے ہیں اور یہ ثابت ہے کہ خداوند تعالیٰ منزہ ہے اس سے کہ محل حوادث ہو اور اُس کی ذات مقدس میں تغیر یا کوئی اثر قبول کرنا ہو نیز معلوم ہے کہ کمال عقائد اور صفات حسنہ سے موصوف اور صحیح نیت اور اعمالِ صالحہ کے بغیر خدا کا ثواب دینا اور اکرام کرنا نہیں ممکن ہے کیونکہ ناقص کی تفضیل کامل پر اور عاصی کی مطیع پر اور جاہل کی عالم پر قبیح ہے اور حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سی جگہوں پر اس مطلب کو بیان فرمایا ہے جیسے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ یعنی اے رسولؐ کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ تو خدا بھی تم کو دوست رکھے گا۔ لہٰذا میری متابعت و پیروی کرو تاکہ خدا تم کو دوست رکھے اور خدا فرماتا ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم بیشک خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ صاحب عزت وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ اور فرمایا ہے کہ خدا نے ان لوگوں کو جو اپنی جان و مال سے جہاد کرتے ہیں، ان لوگوں پر بلند درجہ کی فضیلت دی ہے جو (ہاتھ پر ہاتھ دھرے) بیٹھے ہیں اور جہاد نہیں کرتے اور فرمایا ہے کہ وہ لوگ جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے راہِ خدا میں اپنے مال خرچ کئے اور جہاد کیا ہے اور وہ لوگ جنھوں نے بعد فتح مکہ جہاد کیا برابر نہیں ہیں اور فرمایا ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ یعنی جس شخص نے ذرہ کے برابر نیکی کی ہے اس کا ثواب دیکھے گا۔ اور فرمایا ہے وما یستوی الاعمی والبصیر والذین امنوا وعملوا الصلحت ولا المسئ قلیلا ما تذکرون یعنی اندھے اور آنکھ والے اور ایمان دار اور عمل نیک کرنے والے اور گنہگار برابر نہیں ہیں۔ لوگ بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ دل کا اندھا ہونا اور بینا ہونا مراد ہے۔ اکثر قرآن مجید اس مضمون سے بھرا ہوا ہے۔ نیز معلوم ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ کی محبت محبتِ قرابت و بشریت نہیں ہے۔ لہٰذا جو شخص خدا اور رسولؐ کے نزدیک خلق میں سب سے زیادہ محبوب ہو وہ سب سے افضل ہو گا۔ اور جنابِ رسولِ خداؐ باجماع اور اس قرینہ سے کہ آپ خود اس قول کے قائل ہیں اس حکم سے باہر ہیں اور افضلیت کا ہونا خلافت کے سب سے زیادہ حق دار ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ مکرر مذکور ہوا۔ مخالفین نے اس دلیل پر دو اعتراضات کئے ہیں۔

(اول) یہ کہ کیسے ممکن ہے کہ طائر کھانے میں خلق خدا میں سب سے زیادہ محبوب ہونا مراد ہو۔ حالانکہ زبان سمجھنے والا جس کو کلام سے ذرا بھی ربط ہو گا جانتا ہے کہ یہ خلاف لفظ کے اچانک وارد ہونے سے ظاہر ہے اور اہلِ عربیت میں یہ طے ہے کہ متعلقات کا حذف اور قیود سے پاک ہونا عموم کی دلیل ہے اور کھانا کلام میں حکم کا جواب ہے اور سب سے زیادہ محبوب ہونا نہیں ہے۔ اور بعض روایات میں کھانے کی قید مطلق مذکور نہیں ہے جبکہ اجبیت کھانے میں یا فضیلت و کرامت کے اعتبار سے ہے۔ (پھر بھی ہمارا مطلب ثابت ہے) یا فقر و حقدار ہونے کے اعتبار سے ہے

اور یہ باطل ہے کیونکہ معلوم ہے کہ صحابہ میں اُن حضرتؑ سے زیادہ پریشان بہت تھے۔ شیخ مفید نے اِس اعتراض کا ٹھوس جواب یہ دیا ہے کہ اگر یہ مطلب مراد ہو تو کسی فضیلت کا سبب نہ ہوگا تو پھر انس نے کیوں اِس قدر کوشش کی کہ حضرت علیؑ کو واپس کیا اور اپنے کو جناب رسُول خداؐ کے غصّہ کا مستحق بناتا رہا تاکہ یہ فضیلت انصار کے لیے ثابت ہو جائے اور جناب رسُولِ خداؐ نے اس کے قول کا یہی مطلب سمجھا اور فرمایا کہ ہر شخص اپنی قوم کو دوست رکھتا ہے یا یہ کہ شاید انصار میں کوئی ان سے بہتر ہے۔ اور اگر وہ معنی مراد ہوتے تو چاہیئے کہ جناب رسُولِ خداؐ فرماتے کہ اس کلام میں کون سی فضیلت تھی جس کو تو چاہتا تھا کہ انصار کے لیے ہو جائے۔ اور اگر یہ احتمال ہوتا تو جناب امیرؑ نے یہ حجت اپنی افضلیت اور خلافت کے زیادہ حقدار ہونے پر یہ دلیل شوریٰ میں پیش کی تھی اور ان لوگوں نے کیوں اس کو قبول کر لیا تھا۔ چاہیئے تھا کہ جواب میں کہتے کہ یہ فضیلت پر دلالت نہیں کرتی ہے جو امامت و خلافت کا سبب ہو۔ جناب مفیدؒ کا کلام ختم ہوا۔ ایضاً ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ فضیلت کی دلیل نہیں تھی تو انس نے مخالفین کی رعایت کے لیے کیوں پوشیدہ کیا اور جناب امیرؑ کی نفرین کا مستحق ہو کر مبروص ہوا۔ دوسرے یہ کہ ممکن ہے کہ حضرت اُس وقت خلق میں سب سے افضل اور خدا و رسُولؐ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوں اور بعد میں کوئی صحابی افضل ہو گیا ہو۔ جواب وُہی ہے کہ یہ اطلاق و عموم کے خلاف ہے کہ وہ سوائے پیغمبرؐ کے خدا کے نزدیک تمام خلق سے تمام حالات اور تمام زمانہ میں زیادہ محبوب ہیں یہاں تک کہ تمام انبیاء و اوصیا سے۔ اور تخصیص کی کوئی دلیل نہ کلام میں ہے اور نہ خارج میں اور پہلے جوابات یہاں بھی کافی ہیں خاص طور سے شوریٰ میں اور بعض فضلاء نے جواب دیا ہے کہ یہ اجماع مرکب کی کمزوری ہے کیونکہ تمام امت کے لوگ دو قول کے درمیان سرگرداں ہیں (اول) آنحضرتؑ کی تمام حالات و اوقات میں تفضیل۔
(دوسرا قول) اُن حضرتؑ پر کسی دوسرے کی تمام حالات و اوقات میں تفضیل ہے اور یہ احتمال جو تم نے کہا امت میں سے کوئی ایک اس کا قائل نہیں اور واضح ہو کہ شیعوں کی بعض احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ طائر بریاں بہشت سے جبرئیلؑ لائے تھے۔ اور اس پر یہ قرینہ ہے کہ آنحضرتؐ نے باوجود اس سخاوت و فتوت کے انس اور اس کے علاوہ حاضرین میں سے کسی کو اس میں شریک نہیں کیا اور اُس میں سے کچھ بھی ان کو نہ دیا اس اعتبار سے کہ بہشت کا طعام دنیا میں معصومینؑ کے سوا کسی کے لیے کھانا جائز نہیں۔ اس بنا پر اُن حضرت کی یہ فضیلت اس واقعہ میں اور زیادہ بڑھ جاتی ہے اور عصمت و امامت دونوں پر دلیل ہو سکتی ہے۔
دوسرا اعتراض۔ وہ منقبت ہے جو روزِ خیبر ظاہر ہوئی جیسا کہ صاحب جامع الاصول نے صحیح مسلم سے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ جناب رسُولِ خداؐ نے روزِ خیبر فرمایا کہ بیشک میں یہ علم اُس مرد

کو دوں گا جو خدا و رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور خدا اُسی کے ہاتھ پر فتح عنایت فرمائے گا۔ عمر کہتے
ہیں کہ میں امارت کی خواہش نہیں رکھتا تھا مگر اُسی روز، اور اپنے تئیں آنحضرتؐ کی نظر میں اس اُمید
پر لایا کہ اس امر کے لیے آنحضرتؐ مجھے طلب فرمائیں۔ الغرض جناب رسول خداؐ نے علیؑ کو طلب فرمایا
اور علَم ان کو عطا کیا۔ اور فرمایا جاؤ پیچھے مت مُڑنا۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ تمہارے ہاتھ پر فتح عنایت
فرمائے۔ جب امیر المومنینؑ تھوڑی دُور گئے تو کھڑے ہو گئے پیچھے مُڑ کے نہیں دیکھا اور جناب رسولِ خداؐ
سے باآواز بلند خطاب کیا کہ کس شرط پر لوگوں سے جنگ کروں حضرتؐ نے فرمایا کہ اُن سے یہاں
تک جنگ کرو کہ وہ خدا کی وحدانیت اور میری رسالت کی گواہی دیں۔ جب وہ ایسا کریں تو اپنی
جان و مال تم سے محفوظ کر لیں گے۔ جس کا حق اور حساب خدا پر ہے۔ نیز صاحب جامع الاصول
نے صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں سے سلمہ بن اکوع سے روایت کی ہے کہ علی علیہ السلام جنگ خیبر
میں رسول خداؐ کے ساتھ نہیں گئے تھے اس لیے کہ اُن کی آنکھیں پُر آشوب تھیں۔ جب رسولِ خداؐ
سارے لشکر کو لے کر روانہ ہوئے۔ جناب امیرؑ نے اپنے دل میں کہا کہ جناب رسولِ خداؐ جنگ کے
لیے جاتے ہیں اور میں ان کے ساتھ نہ جاؤں۔ آخر مدینہ سے نکل کر آنحضرتؐ سے جا کر مل گئے۔
جب وہ رات آئی جس کی صبح کو خیبر فتح ہوا جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ کل میں اُس مرد کو علَم دوں گا
یا وہ مرد علَم لے گا جس کو خدا و رسولؐ دوست رکھتے ہیں یا یہ کہا کہ وہ خدا و رسولؐ کو دوست رکھتا ہے
اور خدا اُسی کے ہاتھ پر فتح عنایت فرمائے گا۔ ناگاہ ہم نے دیکھا کہ علیؑ آ گئے حالانکہ مجھے اُمید نہ
تھی کہ وہ آئیں گے۔ لوگوں نے چلّا کر کہا کہ علیؑ آ گئے۔ حضرتؐ نے علَم علیؑ کو دیا اور خدا نے ان کو فتح
عنایت فرمائی۔ نیز جامع الاصول میں صحیح بخاری و مسلم دونوں سے انھوں نے سہل بن سعد سے
روایت کی ہے کہ رسولِ خداؐ نے روزِ خیبر فرمایا کہ یقیناً کل میں اُس مرد کو علَم دوں گا۔ جس کے ہاتھ پر
خدا فتح عنایت فرمائے گا جس کو خدا اور رسولؐ دوست رکھتے ہیں اور وہ خدا و رسولؐ کو دوست
رکھتا ہے۔ لوگ اس تمام رات اسی فکر میں تھے کہ وہ کون ہے جس کو علَم دیا جائے گا۔ جب صبح ہوئی
تمام صحابہ ان حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہر ایک کو یہ اُمید تھی کہ علَم اُسی کو ملے گا لیکن آنحضرتؐ
نے فرمایا کہ علیؑ کہاں ہیں۔ یہ سُن کر سب نے چلّا کر کہا کہ اُن کی آنکھیں دُکھتی ہیں لیکن آنحضرتؐ نے علیؑ
کو طلب فرمایا۔ اُن کی آنکھیں رمد آلود تھیں۔ حضرتؐ نے اپنا لُعابِ دہن اُن کی آنکھوں میں لگا دیا
اور دُعا کی اُسی وقت شفا ہو گئی۔ اسی طرح کہ گویا کبھی درد تھا ہی نہیں۔ پھر علَم ان کے ہاتھ میں دیا
تو علیؑ نے عرض کی کہ کیا ان کے ساتھ اس حد تک جنگ کروں کہ وہ مثل ہمارے ہو جائیں (یعنی
مسلمان ہو جائیں) حضرتؐ نے فرمایا نہایت تیزی سے روانہ ہو اور اُن کے پاس جا کر ٹھہرو، اور
اُن کو اسلام کی دعوت دو۔ اور ان کو اُن امور سے آگاہ کرو جو اُن پر خدا کی جانب سے اسلام میں

واجب ہیں۔ اگر تمھارے سبب سے خدا ایک شخص کی ہدایت کرے تو خدا کی قسم تمھارے لیے تمام سُرخ بالوں والے اونٹوں سے بہتر ہے جو عرب میں بہت قیمتی مانے جاتے ہیں۔ اور سعد بن وقاص کی روایت جو اسی منقبت پر مشتمل ہے۔ حدیث منزلت کے ضمن میں مذکور ہو چکی۔ اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں خدا کے اس قول ویھدیک صراطاً مستقیما کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے اہلِ خیبر کا محاصرہ کیا یہاں تک صحابہ پر بھوک نہایت شدت سے غالب ہوئی۔ تو علم حضرت عمر کو دے کر اہلِ خیبر سے جنگ کے لیے بھیجا۔ جب وہ اُن کے مقابل ہوئے تو عمر اور اُن کے ساتھی بھاگ کر حضرتؐ کے پاس واپس آئے وہ اصحاب پر بزدلی اور بددلی کا الزام لگاتے تھے اور اُن کے اصحاب خود ان کو خوف اور نامردی سے منسوب کرتے تھے۔ اُس روز آنحضرتؐ کو دردِ شقیقہ عارض تھا۔ حضرتؐ خیمہ سے باہر نہیں تشریف لائے تو ابوبکر نے علم کو لے لیا اور حملہ کے لیے گئے۔ وہ بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ آئے۔ پھر عمر نے علم لے لیا اور گئے پھر شکست کھا کر واپس آئے۔ جب یہ خبر آنحضرتؐ کو پہنچی فرمایا خدا کی قسم کل میں اس مرد کو علم دوں گا جو خدا و رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسولؐ اُس کو دوست رکھتے ہیں۔ وہ قلعہ پر طاقت سے قبضہ کرے گا۔ علیؑ اُس وقت لشکر میں موجود نہ تھے۔ جب دوسرا روز ہوا تو ابوبکر و عمر نے حضرتؐ کی جانب اپنی اپنی گردنیں بلند کیں اور ہر ایک امیدوار تھا کہ شاید علم اُس کو ملے۔ لیکن جناب رسول خداؐ نے سلمہ بن رکوع کو بھیج کر علیؑ کو بُلایا وہ فوراً حاضرِ خدمت ہوئے۔ وہ ایک اونٹ پر سوار آنحضرتؐ کے پاس آئے۔ اونٹ کو بٹھایا اور اپنی آنکھوں کو درد کی شدت سے ایک یمنی سُرخ کپڑے سے باندھے ہوئے تھے۔ سلمہ بن رکوع کہتے ہیں کہ میں حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑے کھینچتا ہوا حضرت رسالتمآبؐ کے پاس لایا۔ حضرتؐ نے فرمایا تم کو کیا ہو گیا ہے۔ عرض کی میری آنکھیں پُرآشوب ہیں حضرتؐ نے اپنے نزدیک بُلا کر اپنا آبِ دہنِ مُبارک اُن کی آنکھوں میں لگایا۔ اُسی وقت شفا ہو گئی اس کے بعد جب تک زندہ تھے درد نہ ہوا پھر علم ان کو دے کر روانہ کیا ابن مغازلی نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ جب علی علیہ السلام نے علم کو اپنے دستِ معجز نما میں لیا نہایت تیزی سے اہل خیبر کی طرف روانہ ہوئے اور میں ان کے پیچھے جا رہا تھا۔ حضرتؐ نے کسی مقام پر توقف نہ کیا۔ یہاں تک کہ علم کو قلعہ کے نیچے نصب کیا۔ اُس وقت علمائے یہود میں سے ایک شخص نے قلعہ کے اوپر سے دیکھا اور کہا تم کون ہو فرمایا میں ہوں علی بن ابی طالبؑ یہ سُن کر اُس نے اپنے ہمراہیوں کی جانب رُخ کر کے کہا کہ اُس خدا کی قسم جس نے توریت کو موسیٰؑ پر نازل کیا ہے کہ وہ تم پر غالب ہو گا۔ ثعلبی وغیرہ کی روایت کے مطابق حضرت خلافت پناہ امیرالمومنین علیہ السلام ارغوانی حلہ پہنے ہوئے تھے۔ جب قلعہ کے نیچے پہنچے مرحب گذشتہ دنوں کی عادت کے مُطابق قلعہ سے باہر نکلا۔ سونے کا خود پہنے ہوئے تھا اور ایک

بڑے پتھر کو سوراخ کر کے خود کے اوپر رکھے ہوئے تھا۔ یہ رجز پڑھتا ہوا حضرت کے مقابلہ پر آیا۔ دو ہاتھ
دونوں کے درمیان چلے۔ پھر حضرت نے ایک ضربت اُس کے سر پر ماری کہ پتھر اور خود اور اُس مردود
کے سر کو دو ٹکڑے کرتی ہوئی اُس کے دانتوں تک پہنچی۔ جب یہودیوں نے یہ حال دیکھا تو قلعہ میں بھاگ
گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ وہ دروازہ پتھر کا تھا جس میں سوراخ تھے۔ حضرتؑ نے اُن سوراخوں میں
اُنگلیاں ڈال کر دروازہ کو اس طرح حرکت دی کہ تمام قلعہ ہل گیا اور سپر کے مانند اُس دروازہ کو ہاتھ
میں لے لیا اور سو قدم گئے پھر اُس کو پیچھے پھینک دیا کہ چالیس قدم دُور جا کر گرا، اور چالیس اشخاص
نے چاہا کہ اُس کو حرکت دیں لیکن نہ دے سکے۔ وہ دروازہ گرانی اور وزن میں اِتنا گراں تھا کہ اُس
کو چالیس اشخاص کھولتے اور چالیس اشخاص بند کرتے تھے۔ اُس غزوہ میں اُس ولیٔ خدا کے معجزات
بہت ہیں جن کو خاصہ و عامہ کے محدثین و مورخین نے متعدد طریقوں سے روایت کی ہے اور اس
فقیر (خود مولفؒ) نے اُن میں سے بعض کا کتاب حیات القلوب میں ذکر کیا ہے۔ اس جگہ تو مجھے ان
حضرتؑ کی صرف محبت و محبوبیت خدا و رسولؐ ثابت کرنا مقصود ہے اور یہ کہ جو لوگ اُن حضرتؑ کی
خلافت کے غاصب تھے اس جنگ میں بھاگے اور باوجود اس داغ فرار کے پھر اس مرتبہ عظمیٰ اور
منقبت کبریٰ کے آرزومند ہوئے اور ان تمام مراتب کو بخاری و مسلم و ترمذی نے چند طریقوں
سے اور ابن مغازلی نے بارہ طریقوں سے اور احمدؒ بن حنبل نے مسند میں بہت سے طریقوں سے او
ثعلبی نے متعدد طریقوں سے اور محمد بن یحییٰ ازدی اور محمد ابن جریر طبری اور واقدی اور محمد بن اسحا
بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور حافظ ابو نعیم نے حلیہ میں اور ذہبی نے کتاب اعتقاد میں اور دیلمی
کتاب فردوس الاخبار میں متعدد طریقے سے علی، عمر، عبداللہ بن عمر، سہل بن سعد، سلمہ بن اکو
ابو سعید خدری، جابر انصاری اور دیگر صحابہ سے روایت کی ہے کہ پہلے ابوبکر و عمر کو علم دیا او
وہ بھاگ آئے اور بعضوں نے عثمان کو بھی کہا ہے اور حسان ابن ثابت کے اشعار جن کو اس
میں جناب رسولِ خدا کے حکم سے امیرالمومنینؑ کی مدح میں حسان نے کہا مشہور ہیں اور جس طر
غزوۂ خیبر مشہور ہے یہ خصوصیات بھی مشہور ہیں۔

لیکن اُن حضرتؑ کی امامت و خلافت پر استدلال اس قصہ میں دو طریقوں سے کیا جا سکتا ہے
جس سے کوئی منصف مزاج عاقل انکار نہیں کر سکتا۔

۱۔ ہر عاقل پر واضح ہے کہ اگر مراد اصل محبت ہوتی جس میں وہ لوگ تمام مسلمانوں کو اُن حضر
کے ساتھ شریک سمجھتے ہیں تو صحابہ یقیناً اُس پہلو سے جو اکثر رکھتے تھے اور اپنی جان کو عزیز رکھتے
اس قدر آرزو نہ کرتے کہ علم دوبارہ اُن کو دیا جائے اور اس بارے میں اُن حضرت پر اس قدر حس
نہ کرتے اور شعراء اپنی نظم میں ذکر نہ کرتے اور جناب امیرؑ اپنی مفاخرت میں ذکر نہ کرتے لہٰذا معلوم

کہ اُن حضرتؑ کی خُدا اور رسُولؐ سے وہ محبّت ہے جس کے سبب سے وہ حضرتؑ ہرگز اُن کی مخالفت اختیار نہیں کر سکتے اور اُن کی راہ میں نہایت خوشی و رغبت سے اپنی جان و مال کو فدا کر سکتے ہیں اور خدا و رسُولؐ کی آنحضرتؑ سے محبّت سے یہ مُراد ہے کہ ہر معاملہ میں اور تمام حالات میں اور ہر پہلو سے وہ حضرتؑ ان کے محبُوب ہیں اور یہ دونوں باتیں عصمت کے مرتبہ کے لیے لازم ہیں۔ اور عصمت امامت کے لیے لازم ہے۔ جیساکہ مکرّر مذکور ہوا۔ اور اگر دوسرے طریقے کے ساتھ گفتگو کریں اور کہیں کہ محبّت یا تو تمام پہلوؤں سے ہے یا محبت فی الجملہ مراد ہے تو محبّت فی الجملہ ایمان کی حیثیت سے ہر مومن کے ساتھ ہے۔ پھر یہ خصُوصیت بلا وجہ ہے اور ہر پہلو کے ساتھ عصمت کو لازم قرار دیتی ہے کیونکہ ہر ترجیح دینے والی ہر صفت سے موصُوف ہونا اس کا مستلزم ہے کہ اس وجہ سے اُن کو دوست نہیں رکھتے اور اگر ہم ان مراتب سے بھی قطع نظر کریں تب بھی اس میں شک نہیں کہ البتّہ فضیلت و منقبت عظیم آنحضرتؑ کے لیے ہے لہٰذا اُن حضرتؑ پر غیر کو مقدم کرنا ترجیح مرجوح اور جاننے والے صاحب عقل کے نزدیک محال ہے۔

۲۔ یہ کہ تھوڑے تامل کے بعد صاحب عقل پر پوشیدہ نہیں رہتا کہ جب علم ابوبکر اور اس کے بعد عمر کو دیا گیا اور اُن کے بھاگنے سے آنحضرتؐ آزردہ ہوتے اُس کے بعد فرماتے ہیں کہ کل عَلَم اُس شخص کو دُوں گا۔ جو ان صفتوں کا مالک ہوگا۔ اور اُس کے ہاتھ پر فتح ہوگی تو یقیناً وہ شخص چاہیئے کہ تمام صفتوں سے مخصُوص ہو اور وہ صفتیں اُن لوگوں میں نہ ہوں جو ہزیمت کھا کر بھاگ آئے اور اگر آنحضرتؐ بجائے ان صفتوں کے فرماتے کہ کل عَلَم اُس شخص کو دُوں گا جو مکّہ والوں میں سے ہوگا۔ اور قریشی ہوگا۔ باوجودیکہ یہ دونوں صفتیں اُن دونوں حضرات میں موجود تھیں جو پہلے عَلَم لے کر گئے تھے، یہ قول بلاغت کے خلاف تھا۔ لہٰذا اِس جگہ سے معلوم ہوا کہ ابوبکر و عمر خدا کے دوست نہ تھے اور خدا و رسُولؐ ان کو دوست نہیں رکھتے تھے اور اس میں شک نہیں یہ امر مرتبۂ خلافت و امامت کے مُنافی ہے۔ کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص مومن ہو اور خُدا و رسُولؐ کو دوست نہ رکھے حالانکہ خدا فرماتا ہے والذین اٰمنوا اشدّ حبًّا للّٰہ۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ خدا سے محبّت میں بہت زیادہ ہیں۔ بہ نسبت مشرکوں کے جو بتوں کی محبت رکھتے ہیں۔ نیز فرمایا ہے کہ اگر خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری (رسُولؐ کی) پیروی کرو تو خدا بھی تم کو دوست رکھے گا۔ یہ بھی لازم آتا ہے کہ خداوندِ عالم نے ان کی کوئی عبادت قبول نہیں کی۔ کیونکہ خداوندِ عالم اُن لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور فرمایا ہے کہ خدا توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور پاک و طاہر لوگوں کو۔ لہٰذا ان کا جہاد اور شرک سے توبہ کرنا اور اُن کا پاک ہونا جس معنی سے ہو، لیکن پھر بھی نہ وہ صابروں سے تھے اور نہ پرہیزگاروں سے اور نہ توکّل کرنے والوں سے اور نہ محسنین سے نہ مقسطین سے کیونکہ

خداوند تعالیٰ نے بہت سی آیتوں میں اپنی محبت کو انہی لوگوں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اگر یہ لوگ انہیں سے کسی صفت سے موصوف ہوتے تو خدا اُن کو دوست رکھتا۔ لہٰذا وہ اس گروہ سے تھے جن کی خدا نے اپنی عدم محبت سے نسبت دی ہے جیسے خائنین، ظالمین، کافرین اور دنیا پر خوش ہونے والے، مستکبرین اور حد سے بڑھ جانے والے مسرفین اور زمین میں فساد کرنے والے اور کفّار اثیم اور مختال فخور اور اسی طرح کے اوصاف رکھنے والے ایسی جماعت سے تھے جن سے خدا نے اپنی محبت سلب کر لی۔ اور جو لوگ اس طرح کے ہوں کیسے رسول کی خلافت اور اُمت کی امامت (پیشوائی) کا حق رکھتے ہیں۔ اور جب وہ خلافت کا حق نہیں رکھتے تھے تو خلافت باجماع اُنہی حضرتؑ میں منحصر ہوتی ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور ممکن ہے کہ ان دلیلوں میں سے ایک دلیل سے ہم یہ حجت پیش کریں کہ کہیں اگر تمام احوال میں اور تمام حیثیتوں سے محبتِ کاملہ مُراد ہے۔ تو اُن حضرتؑ کی امامت پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ واضح ہُوا۔ اور اگر مطلق محبت مُراد ہے تو مختلف جہتوں سے آنحضرتؑ کے مقابل لوگوں کے مرتبہ کی پستی پر جیسا کہ معلوم ہُوا دلالت کرتی ہے۔ واضح ہو کر خداوندِ عالم فرماتا ہے۔ یا ایھا الّذین اٰمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ اذلّۃ علی المؤمنین اعزّۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یّشآء واللہ واسع علیم۔ یعنی اے ایمان والو! تم میں سے جو مُرتد ہو جائے گا اور اپنے دین سے پھر جائے گا۔ تو خُدا عنقریب ایسی جماعت لائے گا۔ جن کو خدا دوست رکھتا ہے اور وہ لوگ خدا کو دوست رکھتے ہیں اور مومنین کے لیے منکسر مزاج و متواضع اور کافروں پر سخت اور غالب ہوں گے خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوں گے اور ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پروا نہ کریں گے یہ خدا کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور خُدا بہت زیادہ عطا کرنے والا اور جاننے والا ہے۔ اُن احادیثِ گذشتہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ گروہ جن کے اوصاف خدائے تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمائے ہیں امیرالمومنینؑ اور آپ کے اصحاب کا ہے جنھوں نے طلحہ و زبیر و معاویہ اور خوارج سے جنگ کی۔ کیونکہ جن اوصاف کے ساتھ رسُولِ خُدا نے امیرالمومنینؑ کا وصف فرمایا ہے۔ آیت کی اکثر صفتوں سے مُطابق ہے۔ خاص طور سے یحبّھم ویحبونہ قطع نظر اس کے کہ یہ اوصاف آپ کے علاوہ کسی میں موجود نہ تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک وصف اُن حضرتؑ کی ذات میں کامل طور سے تھا جن کا کوئی اِنکار نہیں کر سکتا اور عامہ کے طریقہ سے عمار و حذیفہ اور ابنِ عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت اُن حضرتؑ کی شان میں نازل ہُوئی ہے اور موید ہے اس کی جو صاحب جامع الاصول نے سنن ابی داؤد اور صحیح ترمذی سے جناب امیرؑ سے روایت

کی ہے کہ جنگِ حدیبیہ میں ہمارے پاس مشرکین کے رؤسا اور سردار آئے اور کہا کہ آپ کے پاس ہمارے لڑکوں، غلاموں اور خادموں کی ایک جماعت بھاگ کر آئی ہے۔ ان کو آپ ہمیں واپس دے دیجیے۔ یہ سُن کر رسولِ خداؐ نے غضبناک ہو کر فرمایا کہ اے گروہ قریش خدا کے حکم کی مخالفت بلا تامل ترک کرو۔ ورنہ خدا تمھاری طرف ایسے لوگوں کو بھیجے گا جو تمھاری گردنیں تلواروں سے کاٹیں گے اور وہ لوگ وُہ ہیں جن کے دلوں کا امتحان پرہیز گاری سے خدا نے لیا ہے۔ یہ سُن کر بعض اصحاب نے کہا یا رسول اللہؐ وہ کون لوگ ہیں آپ نے فرمایا کہ اُن میں سے ایک وُہ ہے جو میری نعلین دُرست کر رہا ہے اور جو کام آنحضرتؐ کے جسمِ مبارک سے متعلق ہوتا تھا سفر میں امیرالمومنینؑ اُس کو انجام دیتے تھے۔ چونکہ اُس وقت آنحضرتؐ نے امیرالمومنینؑ کو اپنی نعلین دُرست کرنے کو دیا تھا اور وہ حضرت اُس کے دُرست کرنے میں مشغول تھے۔ اور عبداللہ بن احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں متعدد طریق سے اس حدیث کی روایت کی ہے اور بعض روایتوں میں اس طرح ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ اے گروہ قریش ایسی باتیں ترک کرو۔ ورنہ تمھاری طرف ایسے شخص کو بھیجوں گا جس کے دل کے ایمان کا خدا نے امتحان کر لیا ہے۔ وہ تمھاری گردنیں دین کے لیے مارے گا۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ وہ ابُوبکر ہیں فرمایا نہیں۔ لیکن وہ شخص وہ ہے جو حجرہ میں میرے نعلین میں پیوند لگا رہا ہے۔ اور بروایت دیگر ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ تم میں ایک وہ شخص ہے جو تاویل قرآن پر جنگ کرے گا جس طرح میں نے تنزیل قرآن پر جنگ کی۔ ابُوبکر نے پوچھا کیا وہ شخص میں ہوں؟ فرمایا نہیں۔ عمر نے کہا کیا میں ہوں فرمایا بلکہ وہ ہے جو میری نعلین دُرست کر رہا ہے۔

تیسرے: متفرق حدیثیں ہیں جو عامہ کی کتابوں میں اس بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ جامع الاصول میں صحیح ترمذی سے براء بن عازب سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے دو لشکر یمن کی طرف روانہ کیے۔ ایک پر علیؑ کو امیر لشکر مقرر کیا اور دُوسرے پر خالد بن ولید کو اور فرمایا اگر لڑائی میں دونوں اکٹھے ہو جائیں تو دونوں لشکر کے امیر علیؑ ہوں گے۔ الغرض جناب امیرؑ نے ایک قلعہ کو فتح کیا اور اس قلعہ کی غنیمت میں سے ایک کنیز اپنے لیے لے لی۔ خالد بن ولید نے آنحضرتؐ کو خط لکھا جس میں جاریہ لے لینے کی حضرت علیؑ کی شکایت لکھی اور مجھے دیا کہ جناب رسُولِ خدا کو پہنچا دُوں۔ جب آنحضرتؐ نے خط پڑھا آپ کا رنگ مُبارک غصہ سے متغیر ہو گیا۔ اور فرمایا کہ تم کیا دیکھتے ہو۔ اُس شخص کے بارے میں جس کو خدا و رسولؐ دوست رکھتے ہیں اور وہ خدا و رسُولؐ کو دوست رکھتا ہے۔ میں نے کہا خدا اور اُس کے رسُولؐ کے غضب سے میں پناہ مانگتا ہوں اور میرا قصُور سوائے اِس کے اور کچھ نہیں کہ میں خط لایا ہوں۔ اور

صحیح بخاری میں بھی وارد ہوا ہے اُس میں اتنا زیادہ ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ علیؑ کا حصہ خمس میں
اس سے زیادہ ہے جو انھوں نے لیا ہے ۔ اور ابن ابی الحدید نے اس قصّہ کی روایت کی ہے
اور کہا ہے کہ خالد نے حضرتؐ کے چار اصحاب سے کہا کہ جاؤ اور علیؑ کی مذمت کرو ۔ وہ چاروں
اصحاب آنحضرتؐ کے پاس آئے اور تین نے شکایت کی اور حضرت نے تینوں کی طرف سے منہ
پھیر لیا ۔ یہاں تک کہ بریدہ اسلمیؓ نے جو ان میں چوتھے اصحابی تھے ۔ علیؑ کی شکایت کی اور کہا
کہ ایک کنیز غنیمت میں سے اپنے لیے لے لی ۔ یہ سنکر جنابِ رسولِ خداؐ اس قدر غضبناک
ہوئے کہ آپ کا رنگِ مبارک سُرخ ہوگیا ۔ اور بار بار فرمایا کہ علیؑ کو میرے لیے چھوڑ دو کیونکہ
علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہُوں اور وہ میرے بعد ہر مومن کا حاکم ہے اور اُن کا حصہ خمس
میں اس سے زیادہ ہے ، جتنا کہ انھوں نے لے لیا ہے ۔

اِس کے بعد ابن الحدید کہتے ہیں کہ اس حدیث کو احمد نے مسند میں کئی سند سے روایت کی
ہے اور اکثر محدثین سے اس حدیث کی روایت کی ہے ۔ نیز جامع الاصول میں صحیح ترمذی سے
روایت کی ہے کہ جنابِ رسول خداؐ نے فرمایا کہ علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہُوں اور میری
جانب سے رسالت کوئی نہ پہنچائے گا ۔ مگر علیؑ ۔ یہ حدیث خلافت کے بارے میں صریح ہے
اُس کے لیے جو ذرا بھی بصیرت رکھتا ہے ۔ اور کتاب معرفت ابراہیم بن سعید سے جابر انصاری
سے روایت کی ہے کہ جب امیرالمومنینؑ نے قلعہ خیبر کو فتح کیا تو جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ اگر
ایسا نہ ہوتا کہ لوگ تمھارے حق میں بھی وہی کہنے لگیں گے جو نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں
کہتے ہیں ۔ تو میں یقیناً آج تمھارے حق میں ایسی بات کہتا کہ تم کسی گروہ کے پاس سے نہ گزرتے
مگر یہ کہ وہ تمھارے پیر کی خاک اُٹھاتے ، اور تمھارے ہاتھ کے دھوون پانی کو شفا کے لیے لیجاتے
لیکن تمھارے لیے اِتنا ہی کافی ہے کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں ۔ تم میرے وارث ہو اور
میں تمھارا وارث ہوں اور تم کو مجھ سے وُہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰؑ سے تھی ۔ لیکن میرے
بعد کوئی پیغمبر نہیں ہوگا ۔ اور تم میرے دین کو ادا کرو گے ۔ اور میری سنت پر جنگ کرو گے اور
تم میرے واسطے آخرت میں خدا کے سب سے مقرب بندے ہوگے اور تم سب سے پہلے حوضِ
کوثر پر میرے پاس وارد ہو گے اور تم ہی حوضِ کوثر پر میرے جانشین ہوگے ۔ اور سب سے
پہلے جو شخص بہشت کا حلہ میرے ساتھ پہنے گا وہ تم ہوگے اور میری اُمت میں جو سب سے
پہلے بہشت میں داخل ہوگا وہ تم ہو اور تمھارے شیعہ میرے گرد نورانی چہروں کے ساتھ نور
کے منبروں پر ہوں گے ۔ میں اُن کی شفاعت کروں گا اور وہ لوگ بہشت میں میرے ہمسایہ ہوں
گے ۔ اور جو شخص تم سے لڑتا ہے وہ مجھ سے لڑتا ہے اور جو تم سے صلح رکھتا ہے وہ مجھ سے صلح

رکھتا ہے تمھارا راز میرا راز ہے۔ تمھارا ظاہر میرا ظاہر ہے۔ تمھارے فرزند میرے فرزند ہیں۔ تم میرے وعدوں کو پورا کرو گے۔ حق تمھارے ساتھ ہے حق تمھاری زبان پہ ہے۔ تمھارے دل میں ہے اور تمھاری دونوں آنکھوں کے درمیان ہے اور ایمان تمھارے گوشت اور خون میں مخلوط ہے جس طرح میرے گوشت و خون میں مخلوط ہے۔ تمھارا دشمن حوضِ کوثر پر میرے پاس نہیں وارد ہو سکتا اور تمھارا دوست حوضِ کوثر سے علیحدہ نہیں رہے گا۔ اور وہ تمھارے ساتھ حوضِ کوثر پر وارد ہوں گے۔ یہ سُن کر جناب امیرؑ نے سجدہ میں سر جھکا دیا اور کہا میں اُس خدا کی حمد کرتا ہوں جس نے مجھ پر ایمان و علم قرآن سے احسان منعم فرمایا اور مجھ کو تمام مخلوق میں خاتم المرسلین و سلطان انبیاء کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب قرار دیا اور یہ مجھ پہ اُس کا صرف احسان و فضل ہے۔ اِس کے بعد رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ اگر تم نہ ہوتے تو مومنین تمھارے بعد پہچانے نہ جاتے۔

چوتھی فصل

حضرت سردارِ انبیاءؐ کے ساتھ اخوت میں اور ہم راز ہونے میں جناب امیرؑ کی خصوصیت اور اِس میں چند مطالب ہیں۔

پہلا مطلب: اخوت کا بیان۔ جامع الاصول میں صحیح ترمذی سے انس سے روایت کی ہے کہ رسولِ خداؐ نے صحابہ کے درمیان رشتہ اخوت قرار دیا۔ جناب امیرؑ گریاں آنحضرتؐ کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہؐ آپ نے اپنے اصحاب کے درمیان بھائی چارہ قرار دیا اور مجھ کو کسی کا بھائی نہیں بنایا۔ یہ سُن کر رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔ اور ابنِ عبدالبر نے استیعاب میں ابنِ عباس سے روایت کی ہے کہ رسولِ خداؐ نے علی المرتضیٰؑ سے فرمایا کہ تم میرے نزدیک بمنزلۂ ہارون کے ہو جو موسیٰؑ کے نزدیک تھے۔ تم میرے بھائی ہو میرے مصاحب ہو۔ اور ابن الطفیل سے روایت کی ہے کہ عمر نے اپنے نزع کے عالم میں خلافت کو شوریٰ پر مقرر کیا جن میں علیؑ، عثمان، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن اور سعد بن وقاص تھے۔ اُس وقت جناب امیرؑ نے اُن سے کہا کہ تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تمھارے درمیان کوئی میرے سوا ہے جس کو جناب رسولِ خداؐ نے اپنا بھائی قرار دیا ہو جس وقت کہ مسلمانوں میں ایک دوسرے کے ساتھ اخوت قائم کی تھی۔ ان لوگوں نے کہا نہیں۔ اس کے بعد عبدالبر نے کہا ہے کہ بہت سی سندوں کے ساتھ روایت کی ہے کہ علیؑ فرماتے تھے کہ میں خدا کا بندہ اور اس کے رسولؐ کا بھائی ہوں اور یہ بات میرے سوا کوئی نہیں کہہ سکتا لیکن وہی جو بہت جھوٹا ہوگا۔ مواخات کا قصہ متواترات سے ہے۔ اور ابنِ حنبل نے اس کو چھ سندوں سے صحابہ کے ایک گروہ سے روایت کی ہے اور ابنِ مغازلی نے آٹھ سندوں سے روایت کی ہے اور ابن صباغ مالکی نے فصول مہمہ میں ابنِ عباس سے روایت کی ہے ان سب کا حاصل یہ ہے کہ رسولِ خداؐ نے نہا جرو

انصار میں سے ہر ایک کو اُس کا بھائی بنایا جو سعادت یا شقاوت میں اُس کے مثل تھا چنانچہ ابوبکر کو عمر کا اور عثمان کا عبدالرحمٰن ابن عوف۔ اور طلحہ کو زبیر کا اور سلمان کو ابوذر کا اسی طرح تمام صحابہ کو ایک کا دوسرے کو بھائی قرار دیا لیکن حضرت علیؑ کو کسی کا بھائی نہ بنایا اور آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں نے تم کو اپنے لیے چھوڑ دیا تھا۔ پھر اُن کا ہاتھ پکڑ کر بلند کیا اور فرمایا کہ علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں اور اس کی میرے نزدیک وہی منزلت ہے جو ہارون کی موسیٰؑ کے نزدیک تھی۔ اور ان حدیثوں کے مضامین صریح ہیں اس پر کہ حضرت علیؑ تمام صحابہ میں ممتاز تھے اور جناب رسُولِ خداؐ کے سوا کوئی آپ کا شبیہ و نظیر برادری کے لائق نہ تھا۔ لہٰذا یقیناً امامت و ریاست میں بھی جناب رسُولِ خداؐ کے شبیہ و مثل تھے اور مسند احمد میں چند سندوں سے جابر انصاری سے روایت کی ہے کہ جناب رسُولِ خداؐ نے فرمایا کہ میں نے بہشت کے دروازے پر دیکھا جو آسمانوں کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال قبل لکھا تھا کہ محمدؐ خُدا کے رسُولؐ ہیں اور علیؑ رسُولِ خداؐ کے بھائی ہیں۔

دوسرا مطلب یہ کہ حضرت علیؑ اسرارِ خدا و رسُولؐ کے جاننے والے تھے۔

ابن شیرویہ نے فردوس میں ابنِ عباس سے روایت کی ہے کہ رسُولِ خداؐ نے فرمایا کہ میرا رازدار علی بن ابی طالبؑ ہے۔ اور صحیح ترمذی اور ابویعلیٰ اور مناقب ابنِ مردویہ اور فضائل سمعانی اور تمام کتابوں میں جابر سے روایت کی ہے کہ فتح طائف کے روز جنابِ رسُولِ خدا نے امیرالمومنینؑ سے راز کی باتیں کیں اور بہت طول دیا۔ تو ابوبکر نے کہا کہ رسُولؐ نے اپنے پسرِ عم سے راز کہنے میں کس قدر طول دیا ——————— اور ترمذی کی روایت کے مطابق صاحب جامع الاصول و صاحبِ مشکوٰۃ نے بھی روایت کی ہے کہ لوگوں نے کہا کہ اُن کے راز بڑے طول و طویل ہوئے۔ جب یہ بات جنابِ رسُولِ خداؐ کو معلوم ہُوئی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اُس سے راز کی باتیں نہیں کی ہیں۔ بلکہ خُدا اُس سے راز کی باتیں کرتا تھا۔ اور ابنِ اثیر نے نہایہ میں بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔ اور ابنِ ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں مسند ابنِ حنبل سے روایت کی ہے اور مسند ابنِ حنبل اور مناقب ابن مردویہ اور خاصہ و عامہ کی تمام کتابوں میں روایت کی کہ آنحضرتؐ نے اپنے آخری وقت فرمایا کہ میرے پاس میرے حبیب کو بُلاؤ۔ دوسری روایت کے مُطابق "میرے خلیل کو" ابوبکر کو بُلایا تو آپ نے جب اُن کو دیکھا تو اپنا مُنہ چھپا لیا۔ پھر فرمایا میرے دوست کو بُلا دو تو عمر کو بُلایا گیا حضرت نے اُن کی طرف سے مُنہ پھیر لیا۔ پھر فرمایا۔ میرے ناصر کو بُلا دو۔ تب عائشہ نے کہا علیؑ کو چاہتے ہیں؟ جب علیؑ آئے تو حضرتؐ نے ان کو اپنی چادر میں داخل کر دیا اور ان کو پاس بٹھالیا اور

راز کہتے رہے یہاں تک کہ عالم قدس کی جانب رحلت فرمائی۔

تیسرا مطلب۔ عامہ اور خاصہ نے متواتر طریقوں سے روایت کی ہے کہ جب مہاجرین مدینہ میں آئے اور مسجد کے گرد مکانات بنائے اور دروازے مسجد کی طرف کھول دیئے بعض مسجد میں سوتے تھے۔ رسولِ خداؐ نے معاذ بن جبل کو بھیجا انھوں نے ندا کی کہ رسول خداؐ نے تم کو حکم دیا ہے کہ سب اپنے اپنے دروازے سوائے دروازہ علیؑ کے بند کر لو۔ یہ سُن کر لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کیں جب وہ باتیں آنحضرتؐ نے سُنیں تو آپ نے خطبہ پڑھا اور فرمایا خدا کی قسم میں نے ان دروازوں کو نہیں بند کیا اور علیؑ کے دروازہ کو نہیں کھولا۔ بلکہ خدا نے مجھے حکم دیا کہ ایسا کروں اور یہ مضمون احمد بن حنبل اور ابویعلی مسند میں اور صاحبِ خصائص علویہ اور سمعانی نے فضائل میں اور ابونعیم نے حلیہ میں اور دوسروں نے تیس اشخاص اکابر صحابہ سے روایت کی ہے اور ابن ابی الحدید نے کہا ہے کہ احمد بن حنبل نے مسند میں اس مضمون کو بہت سی سندوں کے ساتھ روایت کی ہے اور ابن حجر نے بھی روایت کی ہے اور ابن اثیر نے بھی نہایۃ میں لغت قلاع میں روایت کی ہے کہ حدیث میں روایت ہوئی ہے کہ جب یہ ندا کی گئی کہ مسجد سے سوائے آلِ رسولؐ اور آلِ علیؑ کے سب باہر چلے جائیں۔ ہم نے اپنے سامان و اسباب اُٹھائے اور باہر چلے گئے۔ اور اس وقت بھی امیر المومنینؑ کے مکان کے دروازہ کی علامت جو مسجد میں کھلا ہوا تھا موجود ہے۔ اور صاحبِ جامع الاصول نے صحیح ترمذی سے اور صاحب مشکوٰۃ نے مسند احمد بن حنبل سے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے حکم دیا کہ سب اپنے دروازے مسجد کی جانب سے بند کر دیں سوائے علیؑ کے دروازہ کے۔ اور صاحبِ جامع الاصول نے صحیح ترمذی سے روایت کی ہے کہ رسولِ خداؐ نے امیر المومنینؑ سے فرمایا کہ کسی کو حلال نہیں ہے کہ اس مسجد میں جنب داخل ہو۔ سوائے میرے اور تمھارے۔ یہ فضیلت اور اختصاص وہ ہے جس سے بالاتر تصوّر میں نہیں آسکتا۔

چوتھا مطلب۔ عامہ و خاصہ نے بطریق متواتر روایت کی ہے کہ جب حضرت رسالتمآبؐ نے چاہا کہ قریش کے بتوں کو خانۂ کعبہ کی دیواروں سے گرا دیں اور توڑ دیں تو حضرت علیؑ کو اپنے دوش پر اُٹھایا۔ حضرت علیؑ نے ان بتوں کو زمین پر گرایا۔ جیسا کہ احمد نے مسند میں اور ابوعلی موصلی اور صاحبِ تاریخ بغداد نے اور زعفرانی نے فضائل میں اور خطیب خوارزمی نے اربعین میں اور نطنزی نے خصائص میں اور دوسری کثیر جماعت نے جابر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم رسولؐ اللہ کے ساتھ مکّہ میں داخل ہوئے۔ کفّارِ قریش نے تین سو ساٹھ بُت کعبہ کی دیواروں پر آویزاں کر رکھے تھے۔ جناب رسولِ خداؐ نے حکم دیا تو سارے بُتوں کو دیواروں سے گرا

دیا گیا۔ ایک بڑا بت سب سے بلندی پر آویزاں تھا جس کو ہبل کہتے تھے۔ جب اُس پر آنحضرتؐ کی نگاہ پڑی فرمایا کہ اے علیؑ یا تو تم میرے دوش پر سوار ہو یا میں تمھارے دوش پر سوار ہوں تا کہ ہبل کو بامِ کعبہ سے نیچے گراؤں۔ علیؑ نے عرض کی یا رسول اللہؐ آپ میرے کاندھوں پر سوار ہوں۔ علیؑ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ میرے دوش پر بیٹھے رسالت و جلالت کے بوجھ سے مجھ سے ممکن نہ ہوا کہ میں حرکت کر سکوں۔ یہ دیکھ کر حضرتؐ نے تبسم فرمایا اور اتر آئے اور مجھ کو اپنے دوش پر سوار کیا۔ جب کھڑے ہوئے تو اُس خدا کی قسم جس نے دانہ کو شگافتہ کیا۔ اور خلائق کو پیدا کیا ہے۔ میں اس قدر بلند ہوا کہ اگر میں چاہتا تو آسمان کو چھو سکتا تھا میں نے ہبل کو اکھاڑ کر زمین پر پھینک دیا۔ اُس کے بعد خود بھی بامِ کعبہ سے نیچے کود پڑا۔ اور مجھے کوئی گزند نہ پہنچا۔ اور یہ کرامت سب سے بلند تر ہے جب تک کوئی جلالت میں مثلِ پیغمبر نہ ہو پیغمبر کے دوش پر پیر نہیں رکھ سکتا ہے

زہے نقش پائے کہ بر دوش احمد   زہے نبوت مقدم نشیند

مخالفین کے کتب میں لکھا ہوا ہے کہ جب رسولِ خداؐ اُٹھنے کا ارادہ کرتے تھے علیؑ کا ہاتھ پکڑتے تھے اور جب بیٹھتے تھے اُن حضرتؐ پر تکیہ کرتے تھے۔ اور خصائص نطنزی میں روایت کی ہے کہ جب جنابِ رسولِ خداؐ کو چھینک آتی تھی تو حضرت علیؑ کہتے تھے۔ رفع اللہ ذکرک۔ یعنی خداوندِ عالم آپ کا ذکر بلند کرے، اور جناب رسولِ خداؐ جواب میں فرماتے تھے اعلی اللہ کعبک یعنی خدائے تعالیٰ تمھارے پیر کو تمھارے دشمنوں کے سر پر بلند کرے۔ اور جب آنحضرتؐ غضبناک ہوتے تھے تو کوئی شخص سوائے علیؑ کے جرأت نہیں کرتا تھا کہ حضرتؐ سے بات کر سکے۔ عائشہؓ سے روایت کی ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ جناب رسولِ خداؐ نے علیؑ کو سینہ سے لگایا اور پیار کیا اور دو مرتبہ فرمایا میرا باپ تجھ پر فدا ہو اے یگانہ شہید! جب علیؑ موجود نہ ہوتے تو فرماتے تھے کہ خدا و رسولؐ کا محبوب کہاں ہے۔ ابنِ حجر نے اِس حدیث کے جزوِ اوّل کو عائشہؓ سے روایت کی اور بہت سی سندوں سے عامہ کی صحاح اور اُن کی ساری کتابوں میں روایت کی ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں اور کوئی میری طرف سے رسالت ادا نہیں کر سکتا سوائے علیؑ کے۔ اور ابن عبد البر نے استیعاب میں کہا ہے کہ رسولِ خداؐ نے ہجرت کے دوسرے سال اپنی بیٹی سیدۂ زنانِ اہلِ جنت اور نظیرِ مریم دختر عمران فاطمہؑ کو علیؑ سے تزویج کیا۔ اور فاطمہؑ سے کہا کہ تم کو میں نے اُس سے تزویج کیا ہے جو خلق کا دنیا و آخرت میں سردار اور بزرگ ہے۔ بیشک اس کا اسلام تمام صحابہ سے پہلے تھا اُس کا علم سب سے زیادہ ہے اور اُس کا حلم سب سے عظیم تر ہے۔ اسماء بنت عمیس کہتی ہیں کہ جس

وقت آنحضرتؐ نے اُن دونوں خُدا کے برگزیدہ بندوں کو ایک دوسرے کا ہمسر بنایا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت نے اُن کے لیے بہت دُعائیں کیں۔ اور اُن کے ساتھ کسی دوسرے کو دُعا میں شریک نہیں کیا اور علیؑ کے لیے اس طرح دعا کرتے تھے جس طرح جناب فاطمہؑ کے لیے دُعا کرتے تھے۔ نیز مطلب بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے گروہ ثقیف سے خطاب فرمایا جبکہ وہ حضرتؐ کے پاس آئے کہ یا مسلمان ہو جاؤ یا تمھاری طرف ایسے شخص کو بھیجوں گا جو مجھ سے ہے یا یہ فرمایا کہ میری جان کے مانند ہے تو وہ تمھاری گردنیں مارے گا۔ اور تمھارے لڑکوں کو غلام بنائے گا۔ تمھارے مال چھین لے گا۔ عمر کہتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے کبھی امارت کی تمنا نہیں کی۔ لیکن اُسی روز اور اپنے سینہ کو تان کر کھڑا ہو گیا کہ شاید حضرتؐ فرمادیں کہ یہ ہے لیکن حضرتؐ نے علیؑ کی جانب رُخ کیا اور اُن کا ہاتھ پکڑ کر دو مرتبہ فرمایا کہ وہ یہ ہے۔

اور جامع الاصول میں صحیح نسائی اور مشکوٰۃ میں صحیح ترمذی سے روایت کی ہے کہ ابوبکر و عمر نے فاطمہ علیہا السلام کی جناب رسولِ خداؐ سے خواستگاری کی۔ حضرتؐ نے منظور نہ کیا اور فرمایا کہ وہ چھوٹی ہے اور جب علیؑ نے خواستگاری کی تو فرمایا کہ خدا نے تم کو عطا فرمایا ہے۔

اور حدیثیں جناب امیرؑ کے حضرت رسالت مآبؐ سے اختصاص کے بارے میں اس سے زیادہ ہیں کہ اس رسالہ میں ان کا احصا ہو سکے۔ ہر عاقل جس کو انصاف کا کچھ حصہ ملا ہو گا جانتا ہے کہ جب کوئی بادشاہ یا حاکم اپنے اقارب میں سے ایک شخص پر ہمیشہ اپنی عنایتیں فرماتا ہے اور تمام امورِ کلیہ و جزئیہ میں اُسی کا وسیلہ اختیار کرتا ہے اور ہمیشہ اُس کو اپنے اسرار کا محرم قرار دیتا رہتا ہے۔ اور ہر حال میں عامۃ الناس کے مجمعوں میں اس کی تعریف میں مُبالغہ کرتا رہتا ہے۔ تو اُس کا یہ مطلب ہے کہ اُس نے بیشک اُس کو اپنی خلافت کے لیے تیار کیا ہے۔ اور یہ امارت و خلافت اور اس کی نیابت کے لیے سب سے زیادہ اہل و سزاوار ہے۔ اس سے کہ صاف صاف کہہ دے کہ وہ میرا جانشین ہے۔ خاص طور سے جب یہ امور کسی سے صادر ہوں تو معلوم ہے کہ وہ اس کی محبت خدا کی محبت کے تابع ہے اور امورِ دنیاوی اور بشریت کے روابط سے وابستہ نہیں ہے۔ لہٰذا یہ اُن حضرت کی خلافت و امامت پر اولین دلائل ہیں۔

پانچویں فصل

اِس بیان میں کہ صحیح روایتوں اور معتبر حدیثوں سے جن کو عامہ قبول کرتے ہیں، ثابت ہے کہ حق ہمیشہ امیرالمومنینؑ کے ساتھ ہے اور وہ کبھی حق سے جُدا نہیں ہوتے۔ مناقب خوارزمی میں ابولیلیٰ سے روایت کی ہے کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ میرے بعد ایک فتنہ برپا ہو گا۔ جب وہ فتنہ ظاہر ہو تو تم پر علیؑ کی متابعت لازم ہے۔

کیونکہ وہ حق و باطل کے جدا کرنے والے ہیں اور ابن عمر سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ جس نے علیؑ سے جدائی اختیار کی تو وہ مجھ سے جدا ہوا اور جو مجھ سے جدا ہوا وہ خدا سے جدا ہو گیا۔ اور ابوایوبؓ انصاری سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے عمار سے فرمایا کہ اگر تم دیکھو کہ علیؑ ایک وادی کی طرف جا رہے ہیں اور لوگ دوسری وادی کی طرف جا رہے ہیں تو تم علیؑ کے ساتھ جاؤ اور لوگوں کو چھوڑ دو۔ کیونکہ وہ تم کو ضلالت میں داخل نہ کریں گے۔ اور ہدایت سے باہر نہ لے جائیں گے۔ اور ابوذر نے ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق علیؑ کے ساتھ ہے اور وہ آپس سے جدا نہ ہوں گے، یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچیں۔ نیز اسی مضمون کو عائشہؓ سے روایت کی ہے اور ابن ابی الحدید نے کہا ہے کہ یہ حدیث میرے نزدیک ثابت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ حق علیؑ کے ساتھ ہے۔ اور علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق ان کے ساتھ گھومتا ہے جس طرف وہ گھومتے ہیں۔ اور محمد شہرستانی نے علامہ حلی کے جواب کشف الحق میں اسی حدیث سے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ ان حضرتؑ کا حق کے ساتھ ہونا اور ان کا حق سے جدا نہ ہونا وہ امر ہے جس میں کسی کو شک نہیں ہے۔ کہ استدلال کی ضرورت ہو اور ابن حجر نے صواعق محرقہ میں روایت کی ہے طبرانی سے اس نے ام سلمہؓ سے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول خداؐ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں۔ قرآن علیؑ کے ساتھ ہے اور یہ آپس سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر آئیں۔ ابن مردویہ نے بھی اسی مضمون کو متعدد طریقوں سے ام سلمہؓ و عائشہ سے روایت کی ہے اور مؤلف کتاب فضائل الصحابہ نے بھی عائشہ سے روایت کی ہے اور فردوس الاخبار میں رسول خداؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خدا رحمت نازل کرے علیؑ پر۔ اے خدا حق کو اس کے ساتھ پھیر دے جدھر وہ جائے۔ اور مخالفین میں سے کوئی اس مضمون کے انکار کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور جب ان حدیثوں کے مضامین ثابت ہوتے تو ان حضرت کی امامت ثابت ہوتی ہے، چند وجہوں سے: (پہلی وجہ) یہ کہ ان حضرتؑ کی عصمت پر دلالت کرتے ہیں اور یہ واضح ہے کہ عصمت دلیل امامت ہے۔

(دوسری وجہ) یہ کہ ان حضرت کی افضلیت پر دلالت کرتے ہیں اور تفضیل مفضول قبیح ہے۔

(تیسری وجہ) یہ کہ احادیثِ متواترہ اور جناب امیرؑ کے مشہور خطبوں سے جن کو عامہ و خاصہ نے روایت کی ہے۔ واضح ہے کہ امیرالمومنینؑ نے ہرگز خلفائے ثلثہ کی خلافت کی تصدیق نہیں کی اور ہمیشہ ان کو ظلم و جور سے نسبت دی ہے اور ان کے ستم کی شکایت کرتے تھے اور جبکہ وہ آنحضرتؑ کے خلاف رہے تو حق کے مخالف رہے اور ظالم و جابر وغیرہ رہے۔ اگرچہ ان حضرت

کی اُن لوگوں سے شکایت ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے تاہم چند حدیثیں صحاح سے ہم بیان کرتے ہیں۔

صاحب جامع الاصول نے صحیح بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی و سنن ابی داؤد سے مالک بن اوس سے روایت کی ہے کہ علیؑ اور عباسؓ عمر کے پاس آئے اور جناب رسولِ خداؐ کی میراث اُن سے طلب کی عمر نے اُن سے کہا کہ جب جناب رسولِ خداؐ نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ ابوبکر نے کہا میں رسولِ خداؐ کا ولی ہوں تو تم (عباسؓ) آئے اور اپنے بھائی کے لڑکے (رسولؐ) کی میراث طلب کی اور ان کی (علیؑ کی) زوجہ نے اپنے باپ کی میراث طلب کی تو ابوبکر نے کہا کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ ہم گروہِ انبیاء کچھ میراث نہیں چھوڑتے۔ ہماری جو چیزیں ہوتی ہیں وہ صدقہ ہیں تو تم دونوں نے ان کو دروغ گو۔ گناہگار، مکار اور خائن جانا اور خدا جانتا ہے کہ وہ راست گو۔ نیکوکار اور تابع حق تھے۔ پھر جب ابوبکر مر گئے تو میں نے کہا کہ میں خدا و رسولؐ اور ابوبکر کا ولی ہوں تو تم نے مجھ کو بھی جھوٹا گناہگار، مکار اور خائن جانا اور خدا جانتا ہے کہ میں راستگو، نیکوکار اور تابع حق ہوں اور میں خلافت پر متصرف ہوا ہوں۔ اب تم دونوں نے اتفاق کیا ہے اور کہتے ہو کہ ہم کو میراث دو۔ یہ حدیث صحاح کی پانچ کتابوں میں وارد ہوئی ہے۔ ان کے امام کے اعتراف سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین علیہ السّلام ان دونوں صاحبان کو کذاب، غدار، مکار اور گنہگار جانتے تھے تو کس طرح اُن کی امامت و بیعت پر راضی ہوئے ہوں گے؟ نیز جو ثبوت کہ اُنھوں نے ابوبکر کی خلافت کے بارے میں لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے کہ وہ ان کی امامت پر اجماع ہے۔ جبکہ جناب عباس اور جناب امیرؑ اُس میں داخل نہ تھے۔ تو اجماع کیسے صحیح ہوا؟ اور صاحب جامع الاصول نے صحیح مسلم و بخاری سے روایت کی ہے کہ عائشہ رض کہتی ہیں کہ فاطمہؑ بنت رسولِؐ خدا اور عباسؓ ابوبکر کے پاس آئے اور رسولِ خداؐ کی میراث اور فدک طلب کیا اور خیبر سے بھی اپنا حصّہ طلب کیا۔ ابوبکر نے کہا میں نے رسولِؐ خدا سے سُنا کہ آپ نے فرمایا کہ ہماری میراث نہیں ہوتی ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے اور آلِ محمدؐ اس مال سے نہیں کھاتے۔ پیغمبرؐ نے جو کام کیا ہے میں اُس کے خلاف نہیں کرتا جب حاصل صدقہ مدینہ میں آیا تو عمر نے علیؑ و عباسؓ کو دیا۔ اور علیؑ نے اُس پر تصرّف کیا اور حاصل خیبر و فدک عمر نے ضبط کر لیا اور ان کو نہیں دیا اور کہا ہے کہ دوسری روایت میں وارد ہوا ہے کہ فاطمہ صلوات اللہ علیہا ابوبکر سے آزردہ ہوئیں اور ترک گفتگو کی یہاں تک کہ دُنیا سے رخصت ہوگئیں اور حضرت علیؑ نے ان کو شب کو دفن کیا اور ابوبکر کو اُن کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی خبر نہ کی پھر عائشہ نے کہا کہ جب تک فاطمہ علیہا السّلام زندہ تھیں علیؑ لوگوں کے نزدیک قابلِ احترام تھے۔

جب وہ رحلت کر گئیں تو لوگوں کے رُخ علیؑ سے پھر گئے۔ اور لوگ آپ کی رعایت نہیں کرتے تھے۔ اور فاطمہؑ جناب رسولِ خداؐ کے بعد چھ مہینے زندہ رہیں۔ زہری نے راوی سے پوچھا کہ علیؑ نے چھ مہینے تک ابوبکر کی بیعت نہیں کی، راوی نے کہا نہیں واللہ نہ انھوں نے اور نہ بنی ہاشم میں سے کسی ایک نے کی یہاں تک کہ علیؑ نے بیعت کی۔ چونکہ علیؑ سے لوگ منحرف ہو گئے تو آپ نے ضرورتاً ابوبکر سے صلح کی خواہش کی اور ابوبکر کو پیغام بھیجا کہ میرے پاس آؤ اور کسی کو اپنے ساتھ نہ لانا۔ اور یہ اس لیے کہا کہ عمر کو اپنے ساتھ نہ لائیں۔ کیونکہ عمر کی سخت مزاجی جانتے تھے۔ عمر نے ابوبکر سے کہا تنہا اُن کے پاس مت جاؤ۔ تو ابوبکر نے کہا خدا کی قسم میں تنہا جاؤں گا، وہ میرا کیا کرلیں گے اور علیؑ کے گھر آئے۔ وہاں تمام بنی ہاشم جمع تھے۔ جناب امیرؑ کھڑے ہوئے اور خطبہ پڑھا جس میں اپنے فضائل اور اپنے حقوق بیان کئے۔ یہاں تک کہ ابوبکر رونے لگے اور امیرالمومنینؑ خاموش ہو گئے۔ پھر ابوبکر نے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا اور اپنا نامناسب عذر فدک کے بارے میں ذکر کیا اور نمازِ ظہر کے بعد حضرتؑ نے ضرورتاً بیعت کی۔ لہٰذا ہر صاحبِ عقل جو اس حدیث میں غور کرے سمجھ لے گا۔ خود ان کے اقرار سے چھ مہینے کی مُدّت تک ابوبکر کی خلافت پر نہ خوشی سے اور نہ جبراً اجماع منعقد ہوا اور لوگوں کی عورتوں اور اموال اور مسلمانوں کے دین میں ان کا تصرف محض جبر اور غصبی تھا اور اگر آخر میں صلح ہوئی ہو۔ خرابیٔ بصرہ کے بعد تو محض خوف اور اعوان وانصار کی قلت اور دشمنوں کی کثرت کے سبب سے ہوئی اور اجماع اور ایسی بیعت ہر جابر و ظالم وقاہر بادشاہ کے حق میں ہوتی ہے اور اس تقریر کا تتمہ (نتیجہ) انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ مطاعن میں مذکور ہوگا۔ اور احمد بن اعثم کوفی جو عامہ کے معتبر مورخین و محدثین میں سے ہیں۔ اپنی تاریخ میں نقل کرتے ہیں کہ معاویہ نے علیؑ کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ ہے:

امابعد حسد کے دس جزو ہیں۔ اُس کے نو جزو تم میں ہیں اور ایک جزو تمام لوگوں میں کیونکہ اس اُمت کے معاملات رسولِ خداؐ کے بعد کسی جانب نہیں پھرے۔ مگر یہ کہ تم نے اُس سے حسد کیا اور اُس پہ سختی کی اور ہم نے اس کو تمھاری خشم آلود آنکھوں، ناہموار گفتگو، تمھاری بلند آہوں اور بیعت خلفا سے انکار کے سبب جانا اور تم کو بیعت کے لیے اُس اُونٹ کے مانند کھینچتے تھے جس کی مہار کھینچتے ہیں۔ یہاں تک کہ تم نے کراہت سے بیعت کی۔ الخ

امیرالمومنینؑ نے اس کے جواب میں لکھا کہ تیرا خط میرے پاس آیا۔ تو نے اس میں خلفاء پر میرے حسد کو اور ان کی بیعت سے اور اُن کی خلافت سے انکار کو لکھا ہے۔ میں ان امور کے بارے میں نہ تجھ سے کچھ عذر کرنا چاہتا ہوں اور نہ تیرے علاوہ کسی اور سے۔ کیونکہ جب پیغمبر خداؐ نے دُنیا

سے رحلت فرمائی اور اُمت نے ان کی مخالفت کی۔ قریش کہتے تھے کہ چاہیئے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو۔ انصار کہتے تھے کہ امیر ہم میں سے ہونا چاہیئے۔ قریش نے کہا کہ محمدؐ ہم میں سے تھے اس لیے ہم تم سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں یہ سُن کر انصار نے ولایت و سلطنت کو قریش کے لیے چھوڑ دیا۔ اِس سبب سے کہ وہ محمدؐ سے قرابت رکھتے تھے۔ لہٰذا ہم جو آنحضرتؐ کے اہلبیت تھے اس امر کے غیروں سے زیادہ مستحق تھے۔ جب لوگوں نے ابوبکر سے بیعت کر لی تو تیرا باپ ابوسفیان میرے پاس آیا اور کہا کہ اس امر (خلافت) کے دوسروں سے زیادہ حق دار تم ہو۔ اور میں ہر اُس کے خلاف تمھاری مدد کروں گا جو تمھاری مخالفت کرے اور اگر تم کہو تو میں ابو قحافہ کے بیٹے کے خلاف مدینہ کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں۔ میں نے قبول نہیں کیا اس خوف سے کہ اہلِ اسلام کے درمیان افتراق پیدا ہوگا۔ اور ابن ابی الحدید نے کلینی سے روایت کی ہے کہ جب علی علیہ السّلام نے چاہا کہ بصرہ کی جانب روانہ ہوں ایک خطبہ پڑھا جس میں بعد حمد و ثنا و صلوٰۃ فرمایا: بیشک جب حق تعالیٰ اپنے پیغمبرؐ کو عالمِ بقا کی جانب لے گیا۔ قریش امر خلافت ہم سے لے کر اُس پر متصرّف ہوئے اور ہم کو ہمارے حق سے محروم کر دیا۔ حالانکہ ہم اُس کے تمام لوگوں سے زیادہ مستحق تھے۔ لہٰذا ہم نے اس ظلم پر صبر کرنا مناسب سمجھا اس سے کہ مسلمانوں کے شیرازہ کو پراگندہ کریں اور مُسلمانوں کے خوُن بہائیں۔ لوگ اُس وقت تازہ مُسلمان تھے اور دین متزلزل ہو رہا تھا۔ ابھی مستحکم نہیں ہوا تھا۔ تھوڑی سی کمزوری سے فاسد ہو جاتا اور معمولی جلد بازی سے متغیر ہو جاتا۔ الغرض وہ گروہ امر خلافت کا متولی ہوا جس نے اپنے معاملہ کو مضبُوط کرنے میں نہایت اہتمام کیا اور دارِ جزا کی جانب چلے گئے۔ نیز بطریق متعدّدہ روایت کی ہے کہ جنابِ امیرؑ نے فرمایا۔ خداوندا تو قریش کو بدلہ دے جنھوں نے میرے حق سے مجھے محروم کیا اور میرا حق غصب کیا۔ دوسری روایت کے مطابق فرمایا کہ خداوندا میں تجھ سے قریش کے مقابلہ میں مدد چاہتا ہوں جنھوں نے مجھ سے رحم کو قطع کیا اور میرے حق کو غصب کیا اور مجھ سے لڑائی جھگڑے پر متفق ہوئے۔ اُس امر میں جس کا میں اُن سب سے زیادہ حق دار تھا۔ جب علیؑ اُن سے یہ شکایتیں کرتے تھے تو ظاہر ہے کہ ان کو دوست نہیں رکھتے تھے۔ اور نہ وہ لوگ ان کو دوست رکھتے تھے۔ اور حضرت کو ان سے تکلیف پہنچی تھی۔ اور صاحبِ مشکوٰۃ نے صحابہ کی صحیح حدیثوں سے نقل کیا ہے کہ جنابِ رسُولِ خداؐ نے فرمایا دوست نہیں رکھتا اُن حضرتؐ کو مگر مومن اور دشمن نہیں رکھتا اُن کو مگر منافق۔ اور صحیح ترمذی میں ابوسلمہ سے روایت کی ہے کہ ہم منافقوں کو بغض علیؑ سے پہچانتے تھے۔ اور استیعاب میں نقل کیا ہے کہ رسُولِ خداؐ نے فرمایا کہ جو شخص علیؑ کو دوست رکھتا ہے وہ مجھ کو دوست رکھتا ہے اور جو شخص مجھ کو دوست رکھتا ہے وہ خدا کو دوست رکھتا

ہے اور جو شخص علیؑ کو دشمن رکھتا ہے وہ مجھ کو دشمن رکھتا ہے اور جو شخص علیؑ کو ایذا دیتا ہے اُس نے مجھ کو ایذا دی ہے اور جو شخص مجھے اذیت دیتا ہے اُس نے خدا کو اذیت دی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ ولھم عذاب عظیم (یقیناً جو لوگ خدا اور اُن کے رسولؐ کو ایذا دیتے ہیں اُن پر خدا نے دُنیا و آخرت میں لعنت کی ہے اور اُن کے لیے بڑا سخت عذاب ہے) اور جس پر خدا نے دُنیا و آخرت میں لعنت کی ہو اور جو خدا کے سخت عذاب میں ہو مستحقِ امامت و خلافت نہیں ہو سکتا۔

چھٹی فصل

جنابِ امیرؑ کی تمام صحابہ پر افضلیت کا مخالفین کے اقرار کے مطابق اس سے زیادہ بیان جو سابقاً مذکور ہوا۔ ابنِ ابی الحدید نے جو علمائے مخالفین ہیں سب سے بلند مرتبہ ہیں کہا ہے کہ امیرالمومنینؑ کی افضلیت کا قول ایک قدیم قول ہے۔ بہت سے اصحاب و تابعین اس کے قائل تھے منجملہ ان کے عمار، مقداد، ابوذر، سلمان، جابر بن عبداللہ ابی ابن کعب، حذیفہ، بریدہ، ابوایوب، سہل بن حنیف، ابوالہیثم، ابن تیہان، خزیمہ بن ثابت ابوالطفیل، عباس بن عبدالمطلب، بنی عباس، اور بنی ہاشم سب کے سب اور زبیر بھی ابتدا میں قائل تھے اس کے بعد پلٹ گئے اور بنی اُمیہ میں سے ایک جماعت قائل تھی۔ ان میں سے خالد بن سعید بن العاص اور عمر و بن عبدالعزیز تھے۔

اور ثعلبی نے جو ان کے بہت بڑے عالموں میں سے ہیں نقل کیا ہے کہ یہ آیت مصحف ابن مسعود میں جو صحابۂ کبار میں سے تھے اس طرح تھی ان اللہ اصطفیٰ آدم ونوحاً وآلِ ابراھیم و آلِ عمران وآلِ محمد علی العالمین۔ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں فخر رازی سے روایت کی ہے کہ اہلبیت رسولؐ پانچ چیزوں میں رسولِ خداؐ سے مساوی ہیں۔ سلام میں جیسا کہ خدا فرماتا ہے السلام علیک ایھا النبی اور فرمایا سلام علی آل یٰسین۔ اور تشہد میں صلوات میں ان کے ساتھ ہیں اور طہارت میں جیسا کہ فرماتا ہے۔ طٰہٰ یعنی اے طاہر ویطھرکم تطھیرا۔ صدقہ کے حرام ہونے میں اور محبت میں جیسا کہ فرمایا ہے۔ فاتبعونی یحببکم اللہ اور فرمایا ہے۔ قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ اور ابن ابی الحدید نے کہا ہے کہ اُن حضرتؑ کے فضائل کثرت و شہرت سے اس حد تک پہنچے ہیں کہ باوجود ان کے ان کے ذکر و بیان پر اعتراض کرنا زشت و قبیح ہے اور اس کے بعد کہا ہے کہ ایسے شخص کی شان میں کیا کہوں جس کے فضل و شرف کا اقرار و اعتراف دُشمنوں نے بھی کیا اور اُس کے دُشمن اُس کے فضائل سے انکار نہ کر سکے اور نہ پوشیدہ کر سکے اور یہ ظاہر ہے کہ بنی امیہ عالم میں شرق و غرب کے مالک ہوئے اور اُن کے نور کے بجھانے میں نہایت سعی اور حیلہ کیا اور بہت سی حدیثیں ان حضرت

کے اور اُن کے قرابتداروں کے عیوب و ذمائم میں وضع کیں اور منبروں پر ان پر لعنت کرتے اور اُن کو گالیاں دیتے اور اُن کے مداحوں اور شیعوں کو قید و قتل کرتے رہے اور لوگوں کو ان حدیثوں کی روایتوں کے جوائن کی فضیلت اور منقبت میں ہیں بیان کرنے سے روکنے میں بے انتہا کوششیں کیں اس حد تک کہ لوگوں پر ان کا نام زبان سے لینا حرام کر دیا۔ جس قدر ان لوگوں نے اس امر میں اہتمام اور زیادہ سے زیادہ کوششیں کیں اُسی قدر ان کا نام زیادہ بلند اور اُن کی عزت رفیع تر مشک کے مانند ہوتی گئی کہ جس کو ہر چند پوشیدہ کرتے ہیں۔ اُس کی بُو پوشیدہ نہیں رہتی اور آفتاب کے مانند جو ہتھیلی سے نہیں چھپ سکتا اور روز روشن کے مثل کہ اگر ایک آنکھ اُس کو نہ دیکھے تو بے انتہا آنکھیں دیکھتی ہیں اور میں اُس شخص کی شان میں کیا کہوں کہ تمام فضائل اُس سے منسوب اور تمام کمالات کا سلسلہ اُسی پر ختم ہوتا ہے۔ وُہی تمام فضیلتوں کا مالک اور تمام کرامتوں کا سرچشمہ اور تمام شرف کا معدن ہے۔ تم کہو کہ میدان سے تمام مکارم وُہی لے گیا۔ اس کے بعد جو شخص بھی کچھ حصہ فضائل کا رکھتا ہو۔ وہ اُسی کے فضائل سے ہوگا اور جس شخص نے بھی کمال کا کچھ حصہ پایا اُسی سے پایا۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ افضل علوم معرفتِ الٰہی اور علمِ خداشناسی ہے۔ اور جس نے خدا کو پہچانا اُسی کے سبب سے پہچانا اور ہدایت کے میدان میں معرفت کا علم اُسی کے بیان سے بلند ہُوا۔ اور خُدا کی راہ اُسی کے شمعِ کلام سے روشن ہُوئی۔ اُس کی تعلیم کے ہاتھ نے نورِ علم علماء کے دلوں میں سمویا ہے۔ معتزلہ جو اہلِ توحید و عدل اور صاحبانِ عقل و نظر اور اس فن میں لوگوں کے اُستاد ہیں اُسی کے شاگرد ہیں اور اشاعرہ بھی اِس دَوڑ دھوپ کی چادر کاندھے پر رکھے ہوئے اور اِس راہ کے ہوا دار ہیں اسی کے خوان کے زلہ ربا ہیں۔ کیونکہ اِن کے اُستاد ابوالحسن اشعری ہیں اور وہ ابو علی جبائی کے شاگرد ہیں جو معتزلہ کے ایک بزرگ ہیں۔ اور معتزلہ کے اُستاد اور اصل من عطا ہیں اور وہ شاگرد ابو ہاشم عبداللہ بن محمد الحنفیہ ہیں اور وہ اپنے والدِ بزرگوار امیرالمومنینؑ کے شاگرد ہیں۔ اور امامیہ و زیدیہ جن کی آنحضرتؐ سے نسبت ظاہر ہے۔ اور منجملہ علوم تفسیر کے قرأت ہے جو تمام کا تمام انہی حضرتؐ سے ماخوذ ہے۔ اور ابنِ عباس جو مفسرین کے اُستاد ہیں اور اس علم کی اکثر باتیں انہی سے ماخوذ ہیں اُنہی حضرتؐ کے شاگرد ہیں۔ لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ تمھارا علم تمھارے برادر علیؑ کے علم کے مقابلہ میں کیسا ہے۔ کہا بارش کے ایک قطرہ کے مانند جو دریائے محیط سے نسبت رکھتا ہو۔ اور علوم میں سے ایک علم طریقت و حقیقت و احوال تصوف ہے اور ظاہر ہے کہ اس فن کے لوگ اسلامی ممالک میں اُنہی حضرت پر منتہی ہوتے ہیں شبلی، جنید، سری، ابویزید بسطامی، معروف کرخی وغیرہم سب اِس کی نسبت سے غلط فخر کرتے رہے ہیں اور

خرقہ جوان کا طریقہ ہے۔ ان کے اعتقاد میں بسند متصل انہی حضرتؐ تک پہنچتا ہے۔ اور علم نحو وصرف ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ اس علم کو ایجاد انہی حضرتؐ نے کیا اور ابوالاسود دیلمی نے جو اس علم کا اُستاد ہے۔ انہی حضرت کی تعلیم سے اس علم کی تدوین کی ہے اور اس کے اصول و قواعد انہی حضرت نے بیان فرمائے۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ اقسام کلام اسم و فعل و حرف ہیں۔ اور کلمہ منقسم ہوتا ہے معرفہ و نکرہ پر اور اعراب پیش، زبر، اور زیر و جزم میں منحصر ہیں اور فاعل ہمیشہ مرفوع ہوتا ہے یعنی اس کے آخری حرف پر پیش ہوتا ہے اور مفعول منصوب ہوتا ہے یعنی اُس کے آخری حرف پر زبر ہوتا ہے اور مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے۔ یعنی اُس کے آخری پر زیر ہوتا ہے۔ یہی قوانین معجزہ سے قریب ہیں۔ اگر فضائل نفسانی اور خصائل انسانی آپ ملاحظہ کریں۔ تو معلوم ہوگا کہ آپ کے جلال کا نشان بلندی میں کہاں پہنچا ہے اور آپ کی ہمت کا آفتاب کس مشرق سے طلوع ہوا۔ آپ کی شجاعت نے گذشتہ لوگوں کی شجاعت لوگوں کے دماغ سے نکال دی، اور نام آوروں کے نام زبانوں سے مٹا دیئے۔ آپ کے منازل و مراتب مشہور آپ کی حرب و ضرب قیامت تک معروف اور زبانوں پر مذکور ہے۔ وہ ایسے شجاع ہیں کہ کبھی نہ بھاگے اور کسی لشکر سے نہیں ڈرے اور ہرگز کوئی دشمن اُن کے مقابلہ پر نہ آیا جو بچ گیا ہو۔ آپ نے ہرگز کوئی ضربت نہیں ماری جس کے بعد دوسری ضربت کی ضرورت رہی ہو۔ جس شجاع کو آپ مارتے تھے اس کی قوم فخر کرتی تھی کہ علیؑ نے قتل کیا ہے۔ جیسا کہ اُن حضرتؐ نے عمرو بن عبدود کو قتل کیا تو اس کی بہن نے آپ کی مدح میں چند شعر کہے جن کا مطلب یہ ہے کہ اگر عمرو کا قاتل کوئی اور ہوتا، تو میں اپنی تمام زندگی روتی۔ لیکن چونکہ اُس کا قاتل یگانۂ روزگار اور شجاعت میں ممتاز اور کرامت میں سرفراز ہے۔ اُس کے قتل کرنے سے کوئی عار اور اُس کے کشتہ کو کوئی ننگ و شرم کی بات نہیں۔ اُس کا باپ مکہ کا بادشاہ تھا اور جو شجاع اُس کے مقابل ایک لمحہ کے لیے کھڑا ہوا تو ہمیشہ اُس پر فخر کرتا ہے۔ ایک روز مُعاویہ تخت پر سویا ہوا تھا۔ بیدار ہُوا تو دیکھا کہ عبداللہ پسر زبیر اُس کے قریب کھڑا ہے عبداللہ نے مزاحاً کہا اے معاویہ اگر میں چاہتا تو کرسکتا تھا۔ یعنی تم کو قتل کرسکتا تھا معاویہ نے کہا کہ شجاعت کا دعویٰ کرتا ہے۔ اُس نے کہا کیا میری شجاعت سے انکار کرسکتے ہو۔ میں صف جنگ میں علیؑ بن ابی طالب کے مقابلہ پر کھڑا ہو چکا ہوں۔ مُعاویہ نے کہا اگر تو سچ کہتا[1] تو وُہ تجھ کو اور تیرے باپ کو اپنے بائیں ہاتھ سے قتل کر دیتے۔ اُن کا داہنا ہاتھ خالی رہتے ہُوئے دوسرے مُقابل کو طلب کرتا۔ مختصر یہ کہ تمام شجاع جو مشرق و مغرب میں ہوں آپ کو تسلیم کرتے ہیں اور آپ کے نام کی مثال دیتے ہیں۔ آپ کی قوت اور ضربت تمام دُنیا میں ضرب المثل ہے۔ کوئی شخص قوت

---

[1] یعنی اگر تیرا یہ بیان سچ ہوتا تو اب تک تو زندہ نہ ہوتا۔

میں آپ کے برابر نہ تھا۔ باتفاق مورخین ایک ہاتھ سے درِ خیبر کو اکھاڑا جس کو کئی اشخاص حرکت نہیں دے سکتے تھے اور سنگِ عظیم کو ایک کنوئیں کے دہانے سے ہٹا دیا جس کو تمام لشکر ہلانے سے عاجز رہا تھا۔ آپ کی سخاوت اور داد و دہش اس سے زیادہ مشہور ہے جس قدر بیان کیا جائے۔ دنوں کو روزہ سے رہتے تھے۔ اور راتوں کو بھوک میں گذار دیتے تھے۔ اپنی غذا دوسروں کو دے دیتے تھے۔ سورۂ ہل اتی اسی ذکر میں نازل ہوئی اور آیۂ والذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار سرّاً وعلانیۃً آپ ہی کی شان میں نازل ہوا۔ مروی ہے کہ یہودی کے ایک نخلستان کو خود پانی سے سینچتے تھے اِس قدر کہ حضرت کے دستِ مُبارک مجروح ہو جاتے تھے اور اُس کی اُجرت تصدق کر دیتے تھے اور بھوک سے خود شکم پر پتھر باندھے رہتے۔ کہتے ہیں کہ حضرت دُنیا کے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے اور جود و سخا میں اِس قدر بڑھے ہوئے تھے جس کو خدا نے چاہا اور پسند کیا۔ کبھی کسی سائل سے نہیں نہ کہا۔ یہاں تک کہ ایک منافق حضرت کے پاس سے کبیدہ ہو کر معاویہ کے پاس گیا جو آپ کا سب سے بڑا دُشمن تھا اور آپ کو عیب و تہمت لگانے میں نہایت کوشش کرتا تھا۔ اُس شخص نے کہا کہ میں بخیل ترین مردم کے پاس سے آیا ہوں۔ معاویہ نے کہا وائے ہو تجھ پر تو اِس کو بخیل کہتا ہے جو اگر ایک مکان سونے سے بھرا اور ایک بھوسے سے بھرا ہوا رکھتا ہے تو سونے کو پہلے تصدق کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک ذرہ اُس میں باقی نہیں رہتا۔ وہ وہ ہے جو دولت سے بھرے ہوئے مکانات تصدق کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جھاڑو دے کر اُس جگہ نماز ادا کرتا ہے۔ وہ وہ ہے جس نے دُنیا کے اموال سے خطاب کیا اور کہا کہ دوسرے کو فریب دے دنیا میں نے تم کو ایسی طلاق دے دی ہے جس کے بعد ہرگز رجوع نہیں کیا جا سکتا۔ باوجود اس کے کہ تمام دُنیا آپ کے تصرف میں تھی۔ جب دُنیا سے رخصت ہوئے تو کچھ میراث نہیں چھوڑی۔ آپ کا حلم و عفو وہ تھا کہ آپ دُنیا میں سب سے زیادہ حلیم و بردبار اور سب سے زیادہ معاف کرنے والے تھے۔ اُس کو جو آپ کے ساتھ بُرائی کرتا تھا اور اس کی صحت ظاہر ہے اُن سلوک و برتاؤ سے جو آپ نے اپنے دُشمنوں مروان بن الحکم، عبداللہ بن زبیر اور سعید بن العاص کے ساتھ جنگِ جمل میں کیا جبکہ آپ اُن پر غالب ہوئے اور وہ سب گرفتار کیے گئے۔ حضرت نے سب کو رہا کر دیا اور اُن سے معترض نہ ہوئے۔ اور انتقام نہ لیا باوجودیکہ عبداللہ بن زبیر لوگوں کے سامنے حضرت کو گالیاں دیتا تھا اور لئیم اور احمق (معاذاللہ) کہتا تھا۔ جس وقت حضرت نے اس کو گرفتار کیا اُس کو تاکید کی اور کہا کہ تو میرے سامنے سے چلا جا تاکہ میں تجھ کو نہ دیکھوں۔ اِس سے زیادہ کچھ نہ کہا اور عائشہ نے جو کچھ حضرت کے ساتھ کیا ظاہر ہے لیکن جب حضرت نے اُن

پر فتح پائی نہایت شفقت و مہربانی سے پیش آئے۔ اہلِ بصرہ نے اُن پر اور اُن کے فرزندوں پر تلوار اُٹھائی تھی اور لعنت و ناسزا کہا تھا۔ جب حضرت نے اُن پر فتح پائی، تلوار اُن سے روک لی اور اُن کو امان دے دی اور اُن کی اولاد و اموال کو غارت نہ ہونے دیا اور جو کچھ جنگ صفین میں معاویہ کے ساتھ کیا کہ پہلے اُس کے لشکر نے پانی پر قبضہ کر لیا اور حضرت کے لشکر کو پانی لینے سے روک دیا۔ لیکن جب حضرت نے گھاٹ اُس سے بزورِ شمشیر چھین لیا اور اس کے لشکر کو صحرائے بے آب تک بھگا دیا تو آپ کے اصحاب نے کہا کہ آپ بھی ان کو پانی نہ لینے دیجئے تا کہ پیاس سے ہلاک ہو جائیں اور جنگ کی حاجت نہ ہو۔ حضرتؑ نے فرمایا نہیں واللہ میں ایسا نہ کروں گا۔ اور تلوار بھی اس سے بے نیاز ہے اور حکم دیا کہ ایک طرف پانی کا گھاٹ کھول دیں تا کہ وہ لوگ پانی لے جائیں۔ اور راہِ خدا میں جہاد ہر دوست و دشمن جانتا ہے کہ وہ مجاہدین کے سرتاج بلکہ جہاد انہی حضرت سے مخصوص ہے اور کسی دوسرے شخص کو آپ کے جہاد سے کوئی نسبت نہیں۔ اِس بارے میں طول دینا بے فائدہ ہے کیونکہ آنحضرتؐ کا جہاد امورِ ضروریہ متواترہ سے ہے۔
اور فصاحت وہ فصحا کے امام خطبا کے اُستاد ہیں آپ کے کلام کو بلغا نے کلامِ خالق کے سوا کلامِ مخلوق سے بلند کہا ہے۔ کوئی شخص حضرت کے پاس سے معاویہ کے پاس گیا اور کہا کہ کلام میں عاجز ترین مردم کے پاس سے آ رہا ہوں۔ اُس نے کہا وائے ہو تجھ پر تو اس کو عاجز کہتا ہے واللہ جس کے سوا فصاحت و بلاغت کا راستہ قریش پر کسی نے نہیں کھولا اور سخنوری کے قانون کی تعلیم اُس کے سوا کسی نے نہیں دی اور حسنِ خلق و شگفتہ رُوئی آپ کی ضرب المثل ہے اس حد تک کہ آپ کے دشمن اس سے آپ کو عیب لگاتے تھے۔ عمرو عاص نے کہا کہ وہ بہت مذاق و خوش طبعی کرتے ہیں۔ اُس نے اِس قول کو عمر سے لیا کیونکہ اُنھوں نے اِس عذر کے ساتھ خلافت آنحضرتؐ کو نہیں دی اور کہا تھا کہ وہ بازی گر ہیں۔ صعصعہ بن صوحان اور دوسرے شیعوں نے آپ کی مدح میں کہا کہ ہمارے درمیان کون تھا مثل ایک کے جو ہمارا تھا جس جگہ ہم اس کو پکارتے تھے وہ آتا تھا جو کچھ ہم کہتے تھے وہ سنتا تھا جہاں ہم کہتے تھے وہ بیٹھتا تھا۔ باوجود اس کے ہم اسیرِ دست بستہ کے مانند اُس سے ڈرتے تھے۔ جس کے سر پر کوئی ننگی تلوار لیے کھڑا ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ اُس کی گردن مار دے۔ ایک روز معاویہ نے قیس بن سعد سے کہا خدا رحمت کرے ابوالحسن پر کہ نہایت خنداں اور شگفتہ رو اور خوش طبع تھے۔ قیس نے کہا ہاں ایسے ہی تھے۔ اور رسولِ خداؐ بھی صحابہ کے ساتھ خنداں اور خوش طبع تھے۔ اے معاویہ بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو اُن کی مدح کرتا ہے لیکن اُن کی مذمت کا اِرادہ رکھتا ہے۔ خدا کی قسم باوجود اس شگفتگی و خوش مزاجی کے اُن کی ہیبت تمام لوگوں سے زیادہ تھی اور یہ تقویٰ کی ہیبت تھی جو

وہ رکھتے تھے اور اُن لوگوں کی ہیبت کے مانند نہ تھی جو شام کے اراذل اور لئیم تجھ میں سمجھتے ہیں اور اُن کی خوشبوئی آج تک ان کے دوستوں اور محبتوں کے درمیان باقی ہے۔ اسی طرح سختی اور ناخوشی اور بدخوئی اُن کے مخالفوں میں موجود ہے۔ اور دُنیا میں اُن کا زہد۔ وُہ زاہدوں کے سردار تھے۔ تمام زہاد آپ کے ساتھ خلوص رکھتے ہیں۔ آپ نے کبھی سیر ہو کر طعام نہ کھایا۔ آپ کی غذا اور لباس تمام لوگوں سے زیادہ سخت تھے۔ روٹی کے سُوکھے ٹکڑے کھاتے تھے۔ اور روٹی کی تھیلی کو سر بمہر رکھتے تھے تاکہ آپ کے فرزند محبت کی وجہ سے ان ٹکڑوں کو روغن آلُود نہ کر دیں۔ اور لباس میں پیوند کبھی چمڑے کا لگاتے اور لیف خرما کے لگا لیتے۔ آپ کا پیراہن رُوئی کے دھاگوں کا ہاتھ کا بنا ہوا نہایت سخت ہوتا تھا۔ اگر اس کی آستین لمبی ہوتی تو آپ اس کو کاٹ دیتے پھر نہیں سیتے تھے اور اُس کے دھاگے ہاتھ پر کھل کھل کر گرتے رہتے۔ یہاں تک کہ ختم ہو جاتے۔ بہت کم ایسا ہوتا کہ روٹی کے ساتھ سالن ملاتے۔ اگر کبھی ایسا کرتے تو نمک یا سرکہ ہوتا۔ اگر اور ترقی کرتے تو کوئی سبزی ہوتی۔ اس سے بھی زیادہ ترقی کرتے تو اونٹ کا دُودھ ہوتا۔ گوشت نہیں کھاتے تھے لیکن کبھی کھا لیتے۔ فرماتے تھے کہ اپنے شکم کو حیوانات کا مقبرہ نہ بناؤ۔ باوجود اس کے آپ کی قوت و طاقت سب سے زیادہ تھی۔ تمام بلادِ اسلام سے سوائے ملکِ شام کے جو مُعاویہ کے قبضہ میں تھا۔ اموال آپ کے پاس آتے۔ حضرتؑ تمام مال لوگوں پر تقسیم کر دیتے تھے۔ آپ کی عبادت، آپ لوگوں میں سب سے زیادہ عابد تھے۔ آپ کی نمازیں سب سے زیادہ تھیں۔ آپ کے روزے تمام لوگوں سے بیشتر تھے۔ لوگوں نے آپ سے نمازِ شب اور نوافل میں قیام سیکھا اور راہِ دین میں شمع یقین آپ کی مشعل سے جلائی۔ اُس شخص کی عبادت کا ذکر کیا ہو سکے جس کا ایک شمہ یہ ہے کہ لیلۃ الہریر میں جنگ صفین میں دونوں صفوں کے درمیان آپ کا مصلّٰی بچھا ہوا تھا۔ اور حضرت اُس پر نماز میں مشغول تھے۔ اور تیر آپ کے داہنے بائیں سے گذر رہے تھے اور سامنے سے زمین پر گرتے تھے۔ لیکن آپ مطلق پرواہ نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وظیفہ سے فارغ ہوئے۔ آپ کی نُورانی پیشانی سجدوں کے طول دینے سے اونٹ کے پیر کے مانند موٹی ہو گئی تھی۔ اگر آپ کی مناجات اور دُعا کے بارہ میں غور کیجئے اور تعظیم و اجلالِ الٰہی پر غور کیجئے اور آپ کے تواضع و تذلّل اور خضُوع کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ کس قدر خلوص رکھتے تھے۔ اور کس دل سے نکلے اور کس زبان سے جاری ہوئے۔ علی بن حسین علیہما السّلام سے جن کی عبادت انتہا کو پہنچی تھی لوگوں نے پوچھا کہ آپ کی عبادت آپ کے جد علیؑ ابن ابی طالب علیہ السّلام کی عبادت کے مقابلہ میں کتنی ہے۔ فرمایا کہ ایسی جیسی میرے جد کی عبادت جناب رسُولِ خداؐ کے مقابلہ میں تھی اور قرأتِ قرآن وہ

حضرتؑ اس میں تمام قاریوں کے مرجع تھے۔ اور سب اس پر متفق ہیں کہ جناب رسُول خداؐ کے
زمانہ میں اُن حضرتؑ کے سوا تمام قرآن کوئی نہیں جانتا تھا اور نہ آپ کے سوا کوئی حافظِ قرآن
تھا اور رسُولِ خداؐ کے بعد سب سے پہلے جس نے قرآن کو جمع کیا اور لکھا وہی حضرتؑ تھے۔ اگر
آپ کتب قرأت کی جانب رجُوع ہوں تو معلوم ہوگا کہ اُستادانِ قرأت سب آپؑ کے شاگرد
ہیں اور قرأت آپ ہی تک منتہی ہوتی ہے اور سب آپ ہی کی پناہ حاصل کرتے ہیں۔ اور
تدبیر و رائے۔ آپ کی رائے سب سے زیادہ صحیح اور تدبیر ہر امر میں سب سے زیادہ مناسب
تھی۔ خلفاء اور امراء میں ہر ایک آپ ہی سے رجُوع کرتے تھے۔ آپ نے عمر کو ہلاکت سے بچایا
اور آپ کی رائے کی مخالفت نے عثمان کو بلا میں گرفتار کیا۔ اگر آپ کی رائے پر عمل کرتے تو اپنی جان
سے ہاتھ نہ دھوتے۔ اور یہ جو دشمن آپ کے کہتے ہیں کہ آپ صاحبِ رائے نہ تھے۔ اس کا سبب
یہ تھا کہ آپ شریعت کی موافقت میں عمل کرتے تھے۔ اور دین کے حکم کے خلاف نہیں کرتے تھے۔
چنانچہ خود فرمایا کہ اگر تقویٰ کی رعایت کی مجبوری نہ ہوتی تو میں سب سے زیادہ چالاک ہوتا
مُعاویہ اور دوسرے خلفاء اپنے لیے جو بہتر سمجھتے تھے کرتے تھے۔ خواہ وہ موافق شرع ہوتا یا نہ ہوتا
اور ظاہر ہے کہ جو شخص تمام امور میں دین کی رعایت کرتا ہے اُس کی دنیا اس شخص کی بہ نسبت
زیادہ بدنظم ہوتی ہے جو دین کی پرواہ نہیں رکھتا۔ اور سیاست و حکومت۔ آپ کی سیاست تمام
حکمِ الٰہی کے مطابق تھی۔ آپ اپنے رشتہ داروں کی حکمِ خدا کے مقابلہ میں رعایت نہ کرتے تھے
غیروں کا کیا ذکر۔ آپ نے اپنے بھائی عقیل وغیرہ کے ساتھ جو کچھ کیا معلوم ہے اور خصائص الشیر
جو ہم نے بیان کیا اور واضح ہوا کہ ان تمام امور میں وہ سب پر مقدم تھے۔ اور تمام عالم کے نا
ہیں۔ اُس کی مدح میں کیا کہا جا سکتا ہے جس کو کفّار اور دُشمن باوجود تکذیبِ نبوت اور عنادِ ملت
کے اُس کو دوست رکھتے ہیں اور ملکوں کے کافر بادشاہ اُس کی تصویر اپنے عبادت خانوں میں
محفوظ کرتے ہیں اور ترک و دیلم کے بادشاہ اور آل بویہ اُن حضرت کی تصویر یُمن و برکت کے لیے
اپنی تلواروں پر ظفر و نصرت کے واسطے نقش کر کے اپنے ساتھ رکھتے تھے اور میں کیا کہوں اُس
مرد کی شان میں کہ تمام لوگ چاہتے ہیں کہ اُسی سے منسوب ہوں حتیٰ کہ مردانگی و جوانمردی میں کُ
عالم کے بہادر اُس کو اپنا سردار و بزرگ جانتے ہیں اور اپنے کو اس سے منسوب کرتے ہیں۔ ح
یہ ہے کہ روزِ اُحد آسمان سے اُس کی شان میں آنحضرتؐ کے سامنے لوگوں نے سُنا کہ ملائکہ اعلیٰ
لافتیٰ الّا علی لاسیف الّا ذوالفقار کہتے تھے۔ میں اُس کی شان میں کیا کہوں جس کا باپ ابوطالبؑ
ہے جس کو سیدِ بطحا، شیخ قریش اور رئیس مکّہ لوگوں نے کہا ہے۔ کم ہیں ایسے فقیر جو پریشانی میں بز
ہوں۔ ابوطالب باوجود انتہائی فقر کے بزرگ تھے اور جناب رسُولِ خداؐ کی حفاظت اور تربیت

کے آپ کی صغر سنی سے جوانی تک متکفل تھے اور آنحضرتؐ کی کفار و مشرکین سے حفاظت اور مدد کرتے تھے جب تک وہ زندہ تھے آنحضرتؐ کو اپنے وطن سے ہجرت اور غربت اختیار کرنے کی ضرورت نہ ہوئی۔ اُن کے دُنیا سے رحلت کرنے کے بعد خدا نے حضرتؐ کو حکم دیا کہ مکہ سے چلے جائیں کیونکہ اب کوئی دوسرا اس جگہ تمہارا ناصر و مددگار نہیں رہا۔

اُن حضرت کے پدر بزرگوار ایسے رفیع المنزلت اور بلند شان کے، آپ کے پسر عم خاتم النبیین سید الاولین والآخرین، آپ کے بھائی جعفر طیار ملائکہ اخیار کے ساتھ جنت الفردوس میں پرواز کرنے والے، آپ کی زوجہ سیدۃ النساء العالمین، فرزند سرداران اہل جنت، آپ کے آبا و اجداد رسول خداؐ کے آبا و اجداد آپ کی مائیں رسول خداؐ کی مائیں، آپ کا گوشت اور خون رسولؐ کے گوشت و خون کے مانند، آپ کا نور روح آنحضرتؐ کے انوار سے متصل اور مقموم، آدمؑ کی خلقت سے پہلے عبدالمطلب کے صلب تک ساتھ ساتھ، عبدالمطلب کے بعد صلب عبداللہ و ابوطالب میں جدا ہوئے اور دُنیا کے دو سردار پیدا ہوئے ایک عذاب خدا سے ڈرانے والا۔ دُوسرا ہادیٔ عالم۔

میں اُس شخص کی شان میں کیا کہوں جو ہدایت میں تمام دنیا کے لوگوں پر سبقت لے گیا اور خدا پر ایمان لایا جبکہ تمام لوگ پتھروں کی پرستش میں مشغول تھے اور کوئی شخص توحید الٰہی میں اس پر سبقت نہیں رکھتا سوائے رسول خداؐ کے جس نے سبقت کا علم دنیا میں بلند کیا۔ اکثر اہل حدیث قائل ہیں کہ اُس نے تمام لوگوں سے پہلے پیغمبرؐ کی متابعت کی اور اُس پر ایمان لایا۔ سوائے چند کے کسی نے اس کے خلاف نہیں کہا ہے۔ اور اس میں سوائے دو شخصوں کے کسی نے شک کا اظہار نہیں کیا یا صرف ایک نے اُن حضرتؐ نے خود فرمایا ہے۔ انا الصدیق الاکبر و انا الفاروق الاول اسلمت قبل اسلام الناس وصلیت قبل صلوتہم۔ جو شخص احادیث کی پیروی کرتا ہے جو کچھ بیان کیا گیا اُس پر یقین رکھتا ہے۔ ہم نے جو کچھ اس مقام پر ذکر کیا آپ کے فضائل میں سے بہت کم ہے۔ اگر آپ کے مناقب کی شرح تفصیل سے کریں تو اس کے علاوہ ایک اور ضخیم کتاب کی ضرورت ہوگی۔ یہاں تک ابن ابی الحدید کے کلام کا مجمل ترجمہ تھا۔ اگرچہ ہمارے علماء نے اس سے بہت زیادہ ذکر کیا ہے لیکن ہم نے مخالفین کی کتابوں سے لکھا ہے تاکہ اُن پر حجت ہو۔ اور سب سے زیادہ ثابت وہ مناقب ہیں جن کی دُشمن شہادت دیں کیونکہ یہ عالم اس اہتمام کے ساتھ اُس ولیٔ خدا کے مناقب کا ذکر کرتا ہے۔ پھر اُن چند بے علم لوگوں کو خلافت میں مقدم سمجھتا ہے۔ اِس سے زیادہ مخالفت اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس سے زیادہ قابل تعجب یہ ہے کہ باوجود اس کے خود اقرار کرتا ہے کہ وہ خلافت کے زیادہ حق دار اور سزاوار تھے۔

کہتا ہے کہ وہ خود خلافت کے متعرض نہ ہوئے اور لوگوں کو ضلالت و جہالت میں چھوڑ دیا اور ترکِ دُنیا کیا۔ باوجودیکہ اُن شکایتوں کو خود نقل کیا ہے جو حضرتؑ نے اُن لوگوں سے کی تھیں اور بار بار فرماتے تھے کہ ان لوگوں نے میرا حق غصب کیا اور میرا قطع رحم کیا۔ اگر حضرتؑ نے خلافت خود ان پر چھوڑ دی تھی اور اُن کی خلافت حق تھی تو اپنے ائمہ کے لیے کیوں ایسے بڑے عاق ہو گئے اور اُن کے حق میں اس قدر افترا کرتے تھے۔

خلافت خدا اور امامتِ کبریٰ جو مرتبۂ نبوت کے بعد ہے مگر منصف دنیوی دُنیائے فانی کے اموال کے ساتھ ہے کہ کوئی اُس سے ہاتھ اُٹھا لے اور جو شخص اُس کی اہلیت نہ رکھتا ہو اُس پر متصرف ہو۔ لہٰذا ہر صاحبِ عقل پر مانندِ آفتاب روشن اور واضح ہے کہ جو شخص ان مناقب و کمالات کے ساتھ اُمت کے درمیان موجود ہو اور دوسرا ان کمالات میں سے ایک شمہ نہ رکھتا ہو خلافت پر متصرف ہو۔ اگر خدا اور رسولؐ نے ان کو خلیفہ بنایا تو نہایت قبیح ہے کہ خلافت کو ایسے شخص کے سپرد کیا اور صاحبِ کمالات شخص کو اس کی رعایا قرار دیا کہ اس کی اطاعت کرے اگر لوگوں نے ایسا کیا تو ظاہر ہے کہ جاہلیت کی بیعت پر کام چھوڑ دیا اور تعصب و عناد کے سبب خلیفہ برحق سے دست بردار ہوئے اور اپنا حق حاصل کرنے میں اپنے امام کی مدد نہ کی۔ یہاں تک کہ مخالفین اس پر غالب ہو گئے۔ جیسا کہ قوم موسیٰؑ نے ہارونؑ کو کمزور کر دیا تھا اور بچھڑے اور سامری کی اطاعت کی تھی۔ (وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون)۔

ساتویں فصل

کچھ ان خبروں کے بیان میں جن کو مخالفین نے اپنی معتبر کتابوں میں لکھا ہے جن میں اکثر امامت پر نص صریح ہیں اور ان لوگوں نے ان سے تجاہل و تغافل اختیار کیا ہے۔ چونکہ تمام روایتوں کا ذکر اس رسالہ کے مناسب حال نہیں لہٰذا ہم مختصر پر اکتفا کرتے ہیں۔

ثعلبی جو عامہ میں نہایت مشہور مفسر ہیں ابوالحمراء خادم جناب رسولِ خداؐ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ میں نے شبِ معراج دیکھا کہ ساقِ عرش پر لکھا تھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایدتہ بعلی ونصرتہ بہ (یعنی نہیں ہے کوئی معبود سوائے خدا کے محمدؐ اُس کے رسولؐ ہیں۔ میں نے اُن کی مدد علیؑ کے ذریعہ سے کی اور انھیں سے ان کی نصرت کی نیز جابر سے روایت کی ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ لوگ مختلف درختوں سے ہیں اور میں اور تم ایک درخت سے ہیں۔ اور صاحبِ مشکوٰۃ نے احمد ابن حنبل سے روایت کی ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ تم میں عیسیٰؑ کی شباہت ہے۔ یہودیوں نے ان کو اس حد تک دشمن رکھا کہ ان کی مادرِ گرامی کو بہتان لگایا اور نصاریٰ نے ان کو اس حد تک

دوست رکھا کہ اُن کے لیے وہ منزلت قرار دی جس سے وُہ راضی نہ تھے باوجود اس کے ان کو خُدا اور خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں کہ دو طرح کے لوگ میرے حق میں ہلاک ہوں گے۔ وہ دوست جو میری دوستی میں حد سے بڑھ جائیں گے اور وہ دشمن جو مجھ پر بہتان لگائیں گے۔ نیز مسند سے روایت کی ہے حضرت اُمِ سلمہؓ سے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ جو شخص علیؑ کو گالی دیتا ہے، اُس نے مجھے گالی دی۔ اور ابن ابی الحدید نے نہج البلاغہ کی شرح میں لکھا ہے کہ اگر جنابِ امیرؑ مقامِ فخر میں آکر چاہیں کہ اپنے فضائل و مناقب کو شمار کریں اُس حد تک جو خدا نے اُن کو عطا فرمایا ہے اور ان کمالات سے مخصوص فرمایا ہے اور تمام فصحائے عرب ان کی مدد و معاونت کریں، تب بھی جو رسولِ صادق الوعد نے ان کی شان میں فرمایا ہے اس کے عشرِ عشیر تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور میری مُراد ان مشہور خبروں سے نہیں ہے جن سے امامیہ اُن حضرتؑ کی امامت پر استدلال کرتے ہیں۔ جیسے حدیث غدیر و منزلت و قصّہ برآت اور اُن حضرتؑ سے رسولِ خُدا کا راز کہنا اور قصّہ خیبر اور تبلیغ رسالت کی خبر جس وقت کہ حضرتؐ نے اپنے رشتہ داروں کو مکّہ میں جمع کیا اور فرمایا کہ جو شخص مجھ پر پہلے ایمان لائے گا وہ میرا وصی اور خلیفہ ہوگا اور سب سے پہلے علیؑ ایمان لائے۔ اسی قسم کی مشہور خبریں۔ بلکہ میری مراد چند خاص خبروں سے ہے۔ جن کو آئمہ و پیشوایانِ حدیث نے ان کی شان میں روایت کی ہے اور اُن کی ایسی بہت سی خبروں میں تھوڑی اور قلیل بھی کسی دوسرے کے حق میں روایت نہیں کی ہے۔ میں اُن میں سے بہت کم خبروں کو نقل کرتا ہوں جن کو علمائے حدیث نے اُن حضرتؑ کے حق میں روایت کی ہے اور وہ علما متہم نہیں ہیں کہ شیعہ ہیں۔ ان علماء میں سے اکثر نے بعض صحابہ کو اُن پر فضیلت دی ہے۔ کیونکہ جو روایتیں ان لوگوں نے علیؑ کی شان میں نقل کی ہیں نفس اُن پر مطمئن ہوتا ہے وہ دوسروں کی روایت کے مثل نہیں ہیں۔ اس کے بعد چوبیس حدیثیں روایت کی ہیں اور ہم اس رسالہ میں ان میں سے بعض کو نقل کرتے ہیں۔

پہلی روایت: وہ ہے جیسے حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں اور احمد بن حنبل نے مسند میں روایت کی ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ خدا نے تم کو مزیّن کیا ہے اُس زینت سے جس سے اپنے اور بندوں کی زینت نہیں کی۔ ایسی زینت جو اس کے لیے سب سے محبوب ہو اس سے اور وہ خدا کے نزدیک نیکو کاروں اور ابراروں کی زینت ہے اور وہ دُنیا میں زہد ہے اور تمھارے لیے قرار دیا ہے کہ دنیا سے کوئی چیز کم نہ کرو۔ اور نہ دُنیا کوئی چیز تم سے کم کرے اور تم کو محبتِ مساکین عطا کی ہے اور تم کو قرار دیا ہے کہ تم اُن سے راضی ہو جو تمھارے پیرو ہوں اور وہ راضی ہیں کہ تم ان کے امام ہو۔ ابنِ حنبل نے اس میں اور زیادہ کیا ہے کہ خوشحال

اُس کا جو تم کو دوست رکھے اور تمھاری تصدیق کرے اور وائے ہو اُس پر جو تم کو دشمن رکھے اور تمھاری تکذیب کرے۔

دوسری روایت: مسند احمد بن حنبل سے حدیث ثقیف کو جو سابقاً مذکور ہوئی روایت ہوئی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے گروہ ثقیف سے فرمایا کہ مسلمان ہو جاؤ، ورنہ میں ایسے شخص کو تمھاری طرف بھیجوں گا جو مجھ سے ہے یا فرمایا مثل میرے نفس کے ہے اور عمر کی آرزو نقل کی جیسا کہ گذر چکا پھر احمد نے کتاب فضائل علیؑ میں نقل کیا ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ اُس مرد کو بھیجوں گا جو منزلہ میری جان کے ہے۔ ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں اُس وقت اپنے حجرہ میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ عمر آئے اور میری پُشت پر ہاتھ رکھا کہ میں نے اُن کے ہاتھ کی نرمی محسوس کی اور مجھ سے پوچھا کہ کس کے بارے میں تمھارا گمان ہے جس کے متعلق رسولؐ نے ارادہ کیا ہے۔ میں نے کہا وہ تم کو نہیں چاہتے۔ بلکہ اُس کو چاہتے ہیں جو انکی نعلین درست کرتا ہے یعنی علی علیہ السلام۔

تیسری روایت: حافظ ابو نعیم نے حلیہ میں ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ خدا نے مجھ سے علیؑ کے بارے میں عہد کیا ہے۔ میں نے کہا پروردگارا وہ مجھ سے بیان کر۔ فرمایا سُنو! بیشک علیؑ راہِ ہدایت کی علامت ہے اور میرے دوستوں کا امام ہے اور اُس کا نور ہے جو میری اطاعت کرے اور وہ کلمہ ہے جس کو متقیوں کے لیے میں نے لازم قرار دیا ہے اور یہ اشارہ ہے۔ آیہ کریمہ والزمھم کلمۃ التقویٰ کی جانب۔ جو شخص اُس کو دوست رکھتا ہے اُس نے مجھ کو دوست رکھا ہے اور جو اس کی اطاعت کرتا ہے اُس نے میری اطاعت کی ہے، لہٰذا اُن کو اس کی خوشخبری دے دو۔ میں نے کہا پالنے والے میں نے ان کو اس کی بشارت دے دی۔ اُنھوں نے کہا میں خدا کا بندہ ہوں اور اس کے قبضۂ قدرت میں ہوں اگر مجھ پر عذاب کرے تو میرے گناہوں کے سبب سے ہوگا اور مجھ پر مطلق ظلم نہ ہوگا اور اگر جو وعدہ مجھ سے کیا ہے، اُس کو پورا کرے تو وہ اس کا زیادہ سزاوار ہے کہ پورا کرے۔ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ پھر میں نے اُن کے لیے دُعا کی اور کہا خداوندا اُس دِل پر جلا کر اور اُس کا اجر اپنا ایمان قرار دے۔ خدا نے فرمایا میں نے قبول کیا۔ لیکن اُس کو اُن بلاؤں اور امتحانات سے مخصوص کیا ہے جن سے اپنے کسی دوست کا امتحان نہیں لیا ہے۔ میں نے عرض کی پروردگارا وُہ میرا بھائی اور میرا مصاحب ہے۔ فرمایا کہ میرے علم میں گزر چکا ہے کہ وہ مبتلا اور ممتحن ہے۔ اُس کے ذریعہ سے میں لوگوں کا امتحان لوں گا۔ نیز حافظ ابو نعیم نے دوسری سند سے انس سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ خدا نے مجھ سے عہد کیا ہے علیؑ کے حق میں کہ وہ ہدایت کے نشان و علامت ہیں۔ ایمان کے منارے اور میرے دوستوں کے پیشوا ہیں اور تمام

فرمانبرداروں کے نور ہیں۔ علیؑ میرے امین ہیں۔ قیامت میں میرے علمدار ہیں۔ علیؑ کے ہاتھ میں میرے پروردگار کی رحمت کے خزانوں کی کنجیاں ہوں گی۔

چوتھی روایت: احمد بن حنبل نے مسند میں اور احمد بیہقی نے اپنی صحیح میں جناب رسولِ خداؐ سے روایت کی ہے کہ جو شخص چاہے کہ نوحؑ کو اُن کے عزم میں اور ابراہیمؑ کو اُن کے علم میں اور موسیٰؑ کو اُن کی دانائی میں اور عیسیٰؑ کو اُن کے زہد میں دیکھے تو اُس کو چاہیئے کہ علیؑ کے چہرے کو دیکھے۔ مؤلف کہتے ہیں کہ فخر رازی نے اس حدیث کو اربعین میں احمد بیہقی کے فضائل الصحابہ سے اس طرح روایت کی ہے کہ جو شخص چاہے کہ آدمؑ کو ان کے علم میں نوحؑ کو ان کے تقویٰ میں ابراہیمؑ کو ان کی خلت میں، موسیٰؑ کو ان کی ہیبت میں، عیسیٰؑ کو ان کی عبادت میں دیکھے تو اُس کو چاہیئے کہ علی بن ابی طالبؑ کی جانب نگاہ کرے۔ پھر شیعوں کی جانب سے کہا ہے کہ ظاہر حدیث اس پر دلالت کرتا ہے کہ علی علیہ السلام ان صفات میں ان پیغمبروں کے مساوی ہیں اور اس میں شک نہیں وہ پیغمبرانِ خدا ابوبکر سے افضل تھے۔ اور تمام صحابہ سے۔ اور افضل کے مساوی افضل ہے لہٰذا چاہیئے کہ علیؑ ان سے افضل ہوں۔

پانچویں روایت: حافظ ابونعیم نے حلیہ میں اور ابن حنبل نے مسند میں جناب رسولِ خداؐ سے روایت کی ہے کہ جو شخص دوست رکھتا ہے یہ کہ میری زندگی کے مانند زندگی گذارے اور میرے مرنے کی طرح مرے اور یاقوت سرخ کی وہ شاخ پکڑ لے جسے خدا نے اپنے دستِ قدرت سے خلق کیا ہے اور اُس سے کہا کہ ہو جا تو وہ پیدا ہو گئی تو اس کو چاہیئے کہ ولایت علیؑ سے متمسک ہو۔

چھٹی روایت: مسند ابن حنبل سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ روز عرفہ کے بعد باہر آئے اور فرمایا کہ خداوند عالم نے تم سب پر عموماً ملائکہ سے مباہات کیا اور سب کے گناہوں کو بخش دیا۔ میں جو بات کرتا ہوں اُس میں اپنے رشتہ دار کی رعایت نہیں کرتا۔ بیشک سعادتمند اور مکمل سعادت مند وہ ہے اور حق سعادت مندی اُس کے لیے ہے جو علیؑ کو دوست رکھتا ہے اُن کی زندگی میں اور اُن کے مرنے کے بعد بھی۔

ساتویں روایت: اور وہ حدیث احمد بن حنبل ہے جس کو کتاب فضائل و مسند میں روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ سب سے پہلے قیامت میں جس کو طلب کریں گے میں ہوں گا۔ اور عرش کے داہنی جانب سایۂ الٰہی میں کھڑا ہوں گا۔ پھر مجھے حلہ پہنائیں گے۔ پھر ایک کے بعد دوسرے پیغمبر کو طلب کریں گے۔ اور عرش کے داہنی جانب کھڑا کریں گے اور ان کو حلے پہنائیں گے۔ پھر علی بن ابی طالبؑ کو طلب کریں گے۔ اُس قرابت کے سبب سے اور

اُس منزلت کے سبب سے جو میرے نزدیک ان کو حاصل ہے اُن کے ہاتھ میں میرا علم دیں گے جو لوائے حمد ہے اور آدمؑ اور جو اُن کے بعد ہیں ہر ایک اُس علم کے نیچے ہوں گے پھر علیؑ سے خطاب کیا کہ تم علم لیے ہوئے آؤ گے اور میرے اور ابراہیم خلیلؑ کے درمیان کھڑے ہو گے۔ پھر ایک حلّہ تم کو پہنائیں گے پھر عرش سے ایک منادی ندا کرے گا کہ کیا اچھے پدر ہیں تمھارے پدر ابراہیمؑ اور کیا اچھے بھائی ہیں تمھارے بھائی علیؑ۔ لہٰذا تم کو خوشخبری ہو کہ تم کو بلائیں گے جب مجھ کو بلائیں گے اور تم کو خلعت پہنائیں گے جب مجھ کو پہنائیں گے اور تم کو عطا کریں گے جب مجھ کو عطا کریں گے۔

آٹھویں روایت: حافظ ابو نعیم نے حلیہ میں انس سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے ایک روز مجھ سے فرمایا کہ میرے وضو کے واسطے پانی لاؤ۔ میں نے پانی حاضر کیا تو آپ اُٹھے اور وضو کیا اور دو رکعت نماز بجا لائے اور فرمایا کہ سب سے پہلے جو تمھارے پاس اس دروازہ سے آئے گا متقیوں کا امام، مسلمانوں کا بادشاہ، مومنوں کا یعسوب یعنی ان کا سلطان اور خاتم اوصیاء اور بہشت میں سفید یعنی نورانی چہرے اور ہاتھ پیر والوں کو لے جانے والا ہوگا۔ انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے دعا کی کہ خداوندا اُس کو انصار میں سے کوئی آدمی قرار دے۔ میں نے اپنی دعا پوشیدہ رکھی۔ ناگاہ علیؑ آئے اور جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ کون آیا۔ میں نے عرض کی علیؑ آئے۔ یہ سن کر حضرت ان کے پاس شاد و خنداں آئے اور ہاتھ اُن کی گردن میں ڈال کر اُن کے چہرے کا پسینہ پاک کیا۔ علیؑ نے کہا یا رسول اللہؐ آج میں دیکھتا ہوں کہ آپ میری نسبت وہ کام کرتے ہیں کہ پہلے نہیں کیا تھا۔ حضرتؐ نے فرمایا کیوں نہ کروں حالانکہ تم میری جانب سے میری رسالت خلائق کو پہنچاؤ گے اور میری آواز اُن کو سناؤ گے۔ اور ان سے وہ بیان کرو گے جس میں میرے بعد اختلاف کریں گے۔

نویں روایت: حافظ نے حلیہ میں عائشہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ سید عرب کو میرے پاس بلاؤ اور وہ علیؑ ہیں۔ میں نے کہا کیا آپ سید عرب نہیں ہیں۔ فرمایا میں تمام فرزندان آدمؑ کا سردار ہوں اور علیؑ سید عرب ہیں۔ جب علیؑ آئے حضرتؐ نے انصار کو طلب فرمایا اور فرمایا کہ اے گروہ انصار کیا تم چاہتے ہو کہ میں تم کو وہ بات بتاؤں کہ اگر تم اس سے متمسک رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ انھوں نے عرض کی ضرور یا رسول اللہؐ۔ حضرتؐ نے فرمایا وہ علیؑ ہیں۔ اُن کو میری دوستی کے سبب سے دوست رکھو اور گرامی رکھو میری کرامت کی وجہ سے۔ بیشک جبرئیلؑ نے مجھ کو حکم دیا کہ میں خدا کی جانب سے تم کو یہ اطلاع دے دوں۔

دسویں روایت: حافظ نے حلیہ میں روایت کی ہے کہ ایک روز علیؑ آئے تو رسول خداؐ نے اُن سے فرمایا۔ مرحبا اے مومنوں کے سردار اور متقیوں کے امام۔ لوگوں نے کہا اے علیؑ اس نعمت

پر تمہارا شکر کس قدر ہے ؟ آپ نے فرمایا میں خدا کی حمد اُس نعمت پر کرتا ہوں جو اُس نے مجھے دی ہے اور اُس سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے توفیق دے کہ میں اُس کا شکر اس پر ادا کروں جو اُس نے عطا فرمایا ہے۔ اور جو کچھ مجھے انعام کیا ہے اُس پر اور اضافہ کرے۔

گیارھویں روایت: حلیہ میں روایت کی ہے کہ جنابِ رسُولِ خداؐ نے فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہے کہ زندگی گذارے میری زندگی کی طرح اور دُنیا سے رخصت ہو میرے رخصت ہونے کی طرح اور جنّتِ عدن میں سکونت پذیر ہو جسے میرے پروردگار نے تیار کیا ہے۔ تو اُسے چاہیئے کہ میرے بعد علیؑ سے محبت کرے اور اُن کے دوستوں سے دوستی کرے۔ اور میرے بعد اماموں کی پیروی کرے بیشک وہ میری عترت ہیں اور میری طینت سے خلق ہوئے ہیں اور ان کو میرا علم و فہم دیا گیا ہے۔ وائے ہو اُس پر جو میری امت میں سے میرے بعد ان کی تکذیب کرے اور اُن کے حق میں میرا صلہ رحم قطع کرے خدا میری شفاعت اُن کو نہ پہنچائے۔

بارھویں روایت: احمد سے مسند اور کتاب فضائل میں اور صاحب فردوس الاخبار نے روایت کی ہے کہ جنابِ رسُولِ خداؐ نے فرمایا کہ میں اور علیؑ ایک نُور خداوندِ عالم کے نزدیک تھے۔ چودہ ہزار سال قبل اس کے کہ خدا آدمؑ کو خلق کرے، خدا نے اُس نور کے دو حصّے کئے۔ ایک جزو میں تھا اور ایک جزو علیؑ تھے اور فردوس الاخبار میں اضافہ کیا ہے کہ پھر ہم صلبوں میں منتقل ہوئے۔ یہاں تک کہ صلب عبد المطلب تک پہنچے۔ میرے لیے نبوّت اور علیؑ کے لیے وصایت ہوئی۔

تیرھویں روایت: احمد نے مسند میں روایت کی ہے کہ جنابِ رسُولِ خداؐ نے فرمایا اور علیؑ سے خطاب کیا کہ تمھارے چہرہ پر نظر کرنا عبادت ہے تم دُنیا و آخرت میں سیّد و سردار ہو۔ جو شخص تم کو دوست رکھتا ہے اُس نے مجھ کو دوست رکھا ہے اور میرا دوست خدا کا دوست ہے اور تمھارا دشمن میرا دشمن ہے اور میرا دشمن خدا کا دشمن ہے۔ وائے ہو اُس پر جو تم کو دشمن رکھے۔

چودھویں روایت: احمد نے کتاب فضائل میں روایت کی ہے کہ شبِ جنگِ بدر جنابِ رسُولِ خداؐ نے فرمایا کہ کون ہے کہ پانی میرے واسطے لائے۔ سب نے انکار کیا علیؑ نے ایک مشک اُٹھائی، رات بہت تاریک تھی وہ ایک گہرے کنوئیں پر آئے اور اُس کی گہرائی میں اُترے۔ اُس وقت خدا نے جبرئیلؑ و میکائیلؑ اور اسرافیلؑ کو وحی کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کے بھائی علیؑ اور ان کے لشکر کی نصرت و مدد کے لیے تیار رہو۔ وہ آسمان سے زمین پر شور اور آواز لگاتے ہوئے آئے جن کو جو سنتا تھا ڈر جاتا تھا۔ جب وہ فرشتے کنوئیں پر پہنچے سب نے حضرت علیؑ کو ان کے اکرام و اجلال کے سبب سے سلام کیا اور اس حدیث کو احمد

نے دوسری سند سے انس سے روایت کی ہے۔ اُس کے آخر میں اتنا اضافہ اور ہے کہ سرورِ کائنات نے فرمایا کہ اے علیؑ روزِ قیامت ایک ناقہ بہشت کے ناقوں میں سے تمہارے واسطے لایا جائے گا۔ تم اُس پر سوار ہو گے۔ تمہارا زانو میرے زانو کے ساتھ اور تمہاری ران میری ران کے ساتھ ہو گی۔ یہاں تک ہم دونوں داخل بہشت ہوں۔

پندرھویں روایت: پھر احمد نے کتاب فضائل میں روایت کی ہے کہ رسولِ خداؐ نے ایک خطبہ پڑھا۔ اُس میں فرمایا ایہا الناس میں اپنے داماد بھائی اور پسرِ عم علیؑ سے محبت کی تم کو وصیت کرتا ہوں۔ بیشک اس کو دوست نہیں رکھتا مگر مومن اور اس کو دشمن نہیں رکھتا مگر منافق اور جو شخص اُس کو دوست رکھتا ہے اُس نے مجھ کو دوست رکھا ہے اور جس نے اس کو دشمن رکھا اُس نے بیشک مجھ کو دشمن رکھا ہے۔ اور جو شخص مجھ کو دشمن رکھے گا خدا اُس کو جہنم کی آگ میں معذب فرمائے گا۔

سولھویں روایت: پھر کتاب فضائل سے ابن حنبل نے روایت کی ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ خدا نے علیؑ کے حق میں پانچ چیزیں مجھ کو عطا کی ہیں۔ جو مجھ کو دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب سے زیادہ محبوب ہیں (پہلی) وہ پیشِ خدا میرا تکیہ (سہارا) ہے یہاں تک کہ خدا حسابِ خلائق سے فارغ ہو۔ (دوسری) لوائے حمد اس کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور آدمؑ اور ان کی تمام (نیک) اولاد اُس کے سایہ میں ہوگی۔ (تیسری) میرے حوض کے کنارے وہ کھڑے ہوں گے اور جس کو وہ میری اُمت میں سے پہچانیں گے کہ اُن کے دوستوں میں سے ہے کوثر کے پانی سے اس کو سیراب کریں گے۔ (چوتھی) وہ میری ستر پوشی کریں گے اور مجھ کو دفن کریں گے۔ (پانچویں) یہ کہ مجھے ان کے بارے میں خوف نہیں ہے کہ میرے بعد ایمان سے پھر جائیں گے یا زانی ہوں گے۔

سترھویں روایت: حافظ ابونعیم کی حلیہ سے روایت کی ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ مجھے تم پر پیغمبری کی فضیلت حاصل ہے کیونکہ پیغمبری میرے بعد نہیں ہے اور تم تمام صحابہ اور لوگوں سے بہتر ہو۔ اور سات چیزوں میں اُن سے زیادہ ہو۔ قریش میں سے کوئی شخص اُن میں تم سے نزاع نہیں کر سکتا۔ (۱) تم سب سے پہلے خدا پر ایمان لائے ہو اور (۲) سب سے پہلے عہدِ خدا کو پورا کرنے والے ہو (۳) اور سب سے زیادہ خدا کے حکم پر قیام کرنے والے ہو۔ (۴) اور سب سے زیادہ لوگوں میں مساوی تقسیم کرنے والے ہو۔ (۵) اور رعایا میں سب سے زیادہ انصاف کرنے والے ہو (۶) اور خلائق کے درمیان سب سے زیادہ قضا و قدر کے جاننے والے ہو (۷) تمہاری عزت و منزلت خدا کے نزدیک سب سے زیادہ ہے۔

اٹھارویں روایت: مسند احمد نے روایت کی ہے کہ جناب فاطمہؑ نے کہا کہ یا رسول اللہؐ آپ نے مجھ کو ایک فقیر سے تزویج فرما دیا ہے جو مال نہیں رکھتا حضرتؐ نے فرمایا کہ میں نے تم کو اُس سے تزویج کیا ہے جس کا اسلام سب سے پہلے ہے۔ اُس کا علم سب سے زیادہ ہے۔ اُس کا علم سب سے بڑھا ہوا ہے کیا تم نہیں جانتی ہو کہ خدا اہلِ زمین پر مطلع ہوا اور اُن سب میں سے تمھارے شوہر کو برگزیدہ کیا۔

انیسویں روایت: ابن ابی الحدید نے تفسیر ثعلبی سے روایت کی ہے اور تفسیر مذکور میں بالفعل موجود ہے کہ جب سورۂ اذا جاء۔ نازل ہوئی جناب رسولِ خداؐ جنگ حنین سے واپسی کے بعد اس کی سبحان اللہ اور استغفر اللہ کہنے پر بہت مداومت کرتے تھے اور فرمایا کہ اے علیؑ جو کچھ خدا نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا وہ مجھے حاصل ہو گیا۔ مکہ فتح ہوا اور لوگ دینِ خدا میں فوج در فوج داخل ہوئے بیشک تم سے زیادہ کوئی شخص میرے مقام کا سزاوار نہیں اُس تقدم کے سبب سے جو اسلام میں تم کو سب پر حاصل ہے اور اُس قرابت کے باعث جو تم مجھ سے رکھتے ہو۔ تم میرے داماد ہو۔ تمھارے پاس بہترین زنان عالمیان ہے اور اس سے پہلے مجھ پر ابو طالبؑ کی نعمتیں اور ان کے حقوق ثابت ہیں جبکہ قرآن نازل ہوا میں بہت حریص ہوں اور بہت چاہتا ہوں کہ ان کے حقوق کی رعایت ان کی اولاد کے ساتھ کروں۔ ابن ابی الحدید نے بعد اس کے کہ ان احادیث کو نقل کیا ہے کہا ہے کہ میں نے ان خبروں کو اس مقام پر اس لیے نقل کیا ہے کہ بہت سے لوگ جو اُن حضرتؑ سے منحرف ہیں جب دیکھتے ہیں کہ جناب امیرؑ اپنے اوپر خدا کی نعمتوں کی یاد آوری کے لیے خطبوں میں اپنے کمالات و فضائل کو ذکر کرتے ہیں تو اُن حضرتؑ کو تکبر اور گھمنڈ سے نسبت دیتے ہیں اور بعض صحابہ نے بھی اس سے پہلے یہ کہا ہے۔ چنانچہ عمر سے جب لوگوں نے کہا کہ لشکر اور جنگ کی سرداری علیؑ کے اوپر چھوڑ دو تو عمر نے کہا کہ اُن کا تکبر اس سے زیادہ ہے کہ وہ اس کو قبول کریں۔ اور زید بن ثابت کہتا تھا کہ ہم نے علیؑ اور اسامہ سے زیادہ متکبر کسی کو نہیں دیکھا ہے۔ لہٰذا ہم نے ان حدیثوں کو بیان کیا تا کہ لوگ سمجھیں کہ جو شخص یہ منزلت جناب رسولِ خداؐ کے نزدیک رکھتا ہو، اور آنحضرتؐ نے اُن کی شان میں یہ سب فرمایا ہو وہ اگر آسمان کے اُوپر چڑھ جائے اور فرشتوں اور انبیاء پر فخر کرے تو مناسب ہے اس کو ملامت نہ کرنا چاہیے۔ باوجودیکہ اُن حضرتؑ نے کبھی اپنی گفتار اور کردار میں تکبر نہیں کیا اور آپ کا لطف و کرم و خلق و تواضع سب سے بڑھی ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ آپ کے دشمن آپ کی مزاح و خوش طبعی کے بارے میں مذمت کرتے تھے اور جب کبھی اُن حضرتؑ سے اس طرح کی باتیں صادر ہوتی تھیں تو یہ اِس سبب سے ہوتی تھیں

جو آپ کے پُر درد سینہ میں غموں کے امواج طلاطم کے سبب سے جوش مارتے تھے۔ یہ آہ سرد تھی جو حضرت دلِ پُر درد سے کھینچتے تھے اور یہ شکایت تھی جو زمانہ کی ناموافقت کے سبب فرماتے تھے یا خُدا کی نعمتوں کا شکر تھا جو خُدا نے اُن کو عطا فرمایا تھا اور غافلوں کے لیے تنبیہ تھی جو آپ کے فضائل کا اعتراف و اقرار نہ کرتے تھے۔ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے باب سے تھی، جو آپ پر واجب تھا کہ آپ کچھ اپنے فضائل کا اظہار فرماتے تاکہ لوگ آپ کے حق میں اعتقاد باطل نہ کریں اور دُوسروں کو فضیلت میں آپ پر مقدم نہ کریں۔ اور خدا نے اس کو منع فرمایا ہے جیسا کہ فرمایا ہے۔ افمن یھدی الی الحق ان یتبع امن لا یھدی الا ان یھدیٰ فمالکم کیف تحکمون ٥ یہاں تک کلام ابن ابی الحدید کا ترجمہ تھا۔

مؤلف فرماتے ہیں کہ خداوندِ عالم مخالفوں کی آنکھ اور کان کو بند کر کے حق ان کی زبانوں پر جاری کرتا ہے تاکہ اُن پر شیعوں کی حجت قائم ہو۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ یہ فاضل باوجود اپنی فضیلت علمی کے ان حدیثوں کو نقل کرتا ہے اور ان کی صحت کی تصدیق کرتا ہے کہ ان فضائل کے سو حصوں میں ایک حصہ بھی دُوسروں کے حق میں وارد نہیں ہوا ہے، اور اُن حضرتؑ کی فضیلت کا اقرار ہر حیثیت سے کرتا ہے اور اُن حضرتؑ کی مظلومیت کا بھی اقرار کرتا ہے اور اُن حضرت پر واجب بھی جانتا ہے کہ بُرائیوں سے روکنے کی صورت میں اپنی فضیلت اور اُن کے نقص کا اظہار کریں اور اس آیت کو گواہی میں پیش کرتا ہے۔ جو اس امر میں صریح ہے کہ اعلم کے ہوتے ہوئے غیر اعلم کے لیے امامت جائز نہیں ہے اور اسی کے ساتھ ان غیر اعلم کو خلیفہ بھی جانتا ہے اور اُن حضرت کو پچیس سال تک اُن کی رعایا میں بھی سمجھتا ہے اور ان کا اُن حضرت کا واجب الاطاعت امام جانتا ہے۔ انّ ھذا لشیٔ عجاب (یقیناً یہ کس قدر تعجب کی بات ہے)۔

واضح ہو کہ جن حدیثوں کو میں نے اس فصل اور سابقہ فصلوں میں بیان کیا ہے۔ مخالفین ان کی صحت سے انکار نہیں کر سکتے۔ اِس لیے کہ جو کچھ میں نے نقل کیا ان کی صحاح ستہ سے نقل کیا ہے جو متفق علیہ ہیں اور نہ اُن روایتوں اور حدیثوں کی صحت سے انکار کر سکتے ہیں جو اُن کی دوسری تمام مشہور کتابوں سے ہم نے نقل کیا ہے جو ان کے اکابر علماء کی ہیں۔ جیسے مسند احمد بن حنبل جس کا مؤلف ان کے چار اماموں میں سے ایک ہے اور اُن کے چار مذاہب میں ایک مذہب اس کی طرف منتہی ہوتا ہے اور حافظ ابو نعیم کی کتابیں ہیں جن کی توثیق ان کے تمام عالموں نے کی ہے اور اُن کی کتابوں کو معتبر جانتے ہیں۔ اور تفسیر ثعلبی جو ان کے مشہور مفسر کی ہے اور تمام تفسیروں میں اُس سے مضامین نقل کرتے ہیں اور وہ تمام کتابیں ان کی مشہور کتابیں ہیں جن سے ہم نے نقل کیا ہے۔ ان میں سے اکثر فضل و اعتبار میں عامہ کے نزدیک صحاح کے مؤلفین سے زیادہ ہیں

چونکہ اُن چھ اشخاص کا تعصّب دوسروں سے زیادہ ہے اس لیے اُن کو معتبر قرار دیا ہے اور جن
حدیثوں سے ہم اُن پر حجت قائم کرتے ہیں سب متفق علیہ ہیں جن کو ہمارے اور اُن کے علماء سب
نے روایت کی ہے اور جو حدیثیں وُہ ان کے مقابلہ میں لاتے ہیں چند وضعی حدیثیں ہیں جن کا ہماری
کتابوں میں مطلق اثر نہیں ہے اور ان کے وضع کی علامتیں ظاہر ہیں۔ جو شخص کچھ بھی انصاف
رکھتا ہے جانتا ہے کہ اکثر حدیثیں جو اس مقام پر نقل کی گئی ہیں اور اُن کے بڑے بڑے علماء اُن
کی صحت کا اقرار کر چکے ہیں وہ صریح ہیں امامت پر کیونکہ امامت عرف حدیث و قرآن میں امامت
و ریاست کبریٰ میں صریح ہے۔ جو شخص نفسِ رسولؐ کے مثل ہو غیر کی رعایا نہیں ہو سکتا۔ اور حدیث
ابتلاء امامت اور غصب خلافت میں کئی مقام میں صریح ہے۔ اور جو شخص کہ انبیاء کی مشہور
صفتوں سے متصف ہو۔ اور سب اُس کے لوا کے نیچے ہوں اور جس کا درجہ رسولِ خداؐ اور
ابراہیمؑ کے درمیان ہو رعایائے نا اہل نہیں ہو سکتا جس کی چند نا اہلوں نے بیعت کی ہو۔ اور حدیث
وصیت کے اکثر فقرات اُس منصف مزاج شخص کے نزدیک جو لغات و مصطلحات کا جاننے
والا ہو امامت پر دلالت کرتے ہیں خصوصاً امام المتقین، سید المسلمین، یعسوب المومنین اور
خاتم الوصیین کی امامت پر کیونکہ معلوم ہے کہ وصایت سے مراد نیابت پیغمبرؐ، ریاست امور
اُمّت اور ان کی ہدایت ہے۔ جیسا کہ دُوسرے انبیاء کی وصیت کا یہی مطلب ہے۔ لیکن
آنحضرتؐ کے کوئی لڑکا نہ تھا جس کے لیے وصیت فرماتے اور کچھ مال نہیں رکھتے تھے کہ اُس
کے بارے میں وصیت کرتے۔ خصوصاً عامہ کے طریقہ کی بناء پر جو کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ میراث
نہیں رکھتے اور آنحضرتؐ کی حدیث وصایت متواتر ہے۔ ابن ابی الحدید نے اکثر صحابہ کے
بہت سے اشعار نقل کیے ہیں جو وصایت کے ضمن میں ہیں۔ نیز آخر حدیث امامت میں صریح ہے
کیونکہ جناب رسولِ خداؐ کی جانب ادائے رسالت اور آپ کی آواز اُن کو سنوانا یعنی جو کچھ اُن
حضرت سے سُنتے ہیں وہ عصمت کے اعتبار سے یقین رکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ کا فرمودہ ہے گویا خود
رسولؐ کی آواز سُنی ہے نیز جب وہ آنحضرتؐ کی جان اور نفس کے مثل ہیں تو آپ کی آواز
آنحضرتؐ کی آواز ہے۔ نیز امت کے مابین اختلافات میں بیان حق سب امام کا کام ہے اور امامت
کا نتیجہ ہے۔ نیز نویں حدیث میں تمام عرب کا سید و سردار ہونا اور اُن حضرت کی محبت کا ہدایت
ابدی قرار پانا امامت کے رتبہ سے بالاتر ہے۔ دسویں حدیث امامت اُن جہتوں سے صریح
ہے جو مذکور ہوئیں۔ گیارھویں حدیث آپ کی اور آپ کی اولاد امجاد کی امامت میں صریح ہے۔
بارھویں حدیث وصیت اور انتہائی خصوصیت و کرامت کے اعتبار سے امامت میں واضح
ہے۔ سترھویں حدیث دلالت کرتی ہے کہ وہ حضرتؐ سوائے رسولِ خداؐ کے تمام خلق سے افضل ہیں

اور امامت پر حجت کاملہ ہے نہ اُس تقریر کی رُو سے جو مذکور ہوئی۔ آخری حدیث اِس بات پر صریح ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے خلافت کی تعیین اُن حضرت کے لیے کی اور سرورِ عالمؐ بغیر حکمِ خدا کوئی کام نہیں کرتے تھے اور حق تعالیٰ اپنے رسولؐ کی خواہش رد نہیں کرتا تھا اور جب تک آنحضرت نے اس امر کو مکرر خُدا سے نہیں سُن لیا اظہار نہیں فرمایا۔ اور تمام روایتیں اور حدیثیں اُن حضرتؑ کی جلالت و امتیاز میں صریح ہیں اور غیر کو اُن پر ترجیح دینا تفضیل مفضول اور عقلاً قبیح ہے اگر کوئی متعصب ان میں ہر ایک کے بارے میں نزاع کرے تو شک نہیں ہے کہ ان سب کا اجتماع اُن حضرتؑ کی امامت و خلافت کے استحقاق پر باہم علمِ یقین کا مورث ہے اور جس شخص کی آنکھیں تعصب و عناد نے بند کر دی ہوں اور وہ کسی حق سے دُنیا میں ہدایت نہیں پاتا تو وہ اقرار نہ کرے گا۔ ولم یجعل لہ نوراً فمالہ من نور۔

آٹھویں فصل

اُس جماعت کے مطاعن کا تذکرہ جنھوں نے اُن حضرتؑ کا حق غصب کیا اور یہ کہ وہ قابلِ خلافت نہ تھے۔ لہٰذا حق آنحضرت کی ذات میں منحصر تھا۔ کیونکہ باجماع حق ان میں اور اُن حضرتؑ میں منحصر تھا اور جب اُن کی خلافت باطل ہوئی تو جناب امیرؑ کی خلافت ثابت ہوئی۔ اس میں چند مطالب ہیں۔

پہلا مطلب: ابوبکر کے مطاعن کا تذکرہ اور وہ بہت ہیں۔ اس رسالہ میں تھوڑے سے مطاعن کے ذکر پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔

(طعن اوّل) یہ کہ جب امورِ عظیمہ درپیش ہوتے تھے تو جنابِ رسولِ خداؐ بڑے بڑے صحابہ کو سپرد فرماتے تھے۔ اور کوئی معاملہ ابوبکر کے سپرد نہیں کیا سوائے اہلِ مکہ پر آیات سورۂ برائت پڑھنے کے۔ جب وہ آیتیں لے کر روانہ ہوئے تو جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ کوئی رسالت ادا نہیں کر سکتا مگر اے رسول تم یا وہ جو تم سے ہو۔ اس کے بعد امیرالمومنینؑ گئے اور ابوبکر سے آیتیں لے کر ان کو واپس کر دیا۔ اور آیتوں کو موسمِ حج میں مکہ میں پڑھا اور یہ معلوم ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ بغیر حکمِ خدا کچھ نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا خدا نے حکم دیا تو ابوبکر کو دیا پھر اُن سے لے لیا۔ اس میں کوئی حکمت اس کے سوا ظاہر نہیں ہے کہ معلوم ہو جائے کہ وہ خلافت و امامت کی اہلیت نہیں رکھتے۔ بعض مخالفین کہتے ہیں کہ ابوبکر حاجیوں کی سرداری سے معزول نہیں ہوئے اور ان کے ساتھ تھے۔ یہ امر ان کی اکثر معتبر روایتوں میں نہیں ہے بلکہ اُن کی روایتوں کے خلاف ہے اگرچہ ان کے لیے کچھ فائدہ نہیں اور دوسرے گروہ نے کہا ہے کہ عرب میں رواج تھا کہ جب اُن کا کوئی بزرگ کوئی عہد کرتا تھا تو چاہیئے کہ ان کے بزرگانِ قبیلہ اس عہد کو نہ توڑیں۔ یہ بالکل بے اصل بات ہے جو ان کی کسی قدیم کتاب میں موجود نہیں ہے۔ اِن

ابی الحدید نے بھی اعتراف کیا ہے کہ یہ عرب کے رسم و رواج میں معروف نہیں ہے اور یہ وہ تاویل ہے جو ہوا خواہانِ ابوبکر نے اختراع کی ہے۔ نیز اگر عادت معروف اور مقرر تھی تو چاہیئے کہ آنحضرتؐ سے پوشیدہ نہ ہو۔ لہٰذا پہلے ابوبکر کو نہ بھیجتے اور اگر آنحضرتؐ سے پوشیدہ تھی تو چاہیئے کہ ابوبکر و عمر اور تمام صحابہ پر جو جاہلیت کی عادتیں جانتے تھے پوشیدہ نہ ہوں گی۔ وہ آنحضرتؐ کو آگاہ کرتے کہ ابوبکر کا بھیجنا قاعدہ کے خلاف ہے اور اگر یہی سبب تھا تو چاہیئے تھا کہ جب ابوبکر ناکام اور محزون آئے تھے تو آنحضرتؐ اُن سے یہی عذر کرتے۔ اور کسی روایات میں مذکور نہیں ہے کہ حضرتؐ نے یہ عذر کیا ہو۔ بلکہ جو عذر روایتوں میں مذکور ہے یہ ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ جبرئیل نازل ہوئے اور کہا کہ ادائے رسالت تمھاری طرف سے نہیں کرے گا مگر وہ جو تم سے ہو۔ اور سب سے زیادہ تعجب خیز یہ ہے کہ پیشنمازی کی نیابت جو ثابت نہیں ہے کہ رسول کے حکم سے ہوئی ہو بلکہ اس کے خلاف ظاہر ہے اور ان کے اعتقاد میں ہر فاجر نماز کی امامت کر سکتا ہے۔ اور اُس کو ابوبکر کی خلافت کی دلیل قرار دیتے ہیں۔ اور ابوبکر کا معزول ہونا۔ اور آیات کو امیرالمومنینؑ کے حوالے کرنا حکمِ خدا اور آپ کی فضیلت کا منشا نہیں جانتے۔

(دوسری طعن) یہ کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے اسامہ بن زید کو لشکر کا سردار مقرر فرمایا۔ اور صحابہ کی ایک جماعت کو اُس کے ماتحت قرار دیا اور تاکید فرمائی کہ جنگِ روم کے لیے بلاتاخیر روانہ ہو جائیں۔ اور ابوبکر و عمر بھی اُس کے ماتحتین میں تھے اور آنحضرتؐ نے اُس پر لعنت کی جو اسامہ کے لشکر سے پیچھے رہ جائے اور وہ لوگ خلافت غصب کرنے کی غرض سے اسکے ساتھ نہیں گئے۔ اور مستحق لعن ہوئے اور حالات کے قرائن سے واضح ہے کہ آنحضرتؐ کی غرض جیش اسامہ کے روانہ کرنے اور جلد سے جلد مدینہ سے اُس کے نکل جانے سے یہ تھی کہ مدینہ منافقین سے خالی ہو جائے اور خلافت حضرتؐ کے اپنے وصی پر قرار پا جائے۔ یہ مضامین متعدد طریقوں سے اُن کی تاریخ و سیر کی معتبر کتابوں میں مذکور ہے۔ چنانچہ ابن ابی الحدید نے احمد بن عبدالعزیز جوہری کی کتاب سے عبداللہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے اپنے مرضِ موت میں اسامہ کو ایک لشکر پر سردار مقرر کیا جس میں اکثر مہاجر و انصار داخل تھے منجملہ اُن کے ابوبکر و عمر، جبیدہ بن جراح، عبدالرحمٰن بن عوف طلحہ و زبیر تھے اور حکم دیا کہ موتہ پر حملہ کرے۔ جہاں اُس کے باپ زید شہید ہوئے تھے۔ اور اُس وادی میں جو فلسطین ہے جنگ کرے۔ اسامہ اور اُس کا لشکر جانے میں غفلت سے کام لیتا تھا۔ حضرتؐ کا مرض کبھی شدید ہوتا تھا کبھی ہلکا۔ اور آپ ہر حال میں لشکر روانہ ہونے کی تاکید فرماتے تھے۔ آخر اسامہ نے عرض کی کہ میرے باپ ماں آپ پر فدا ہوں۔ اجازت دیجیے کہ اس وقت تک یہاں ٹھہروں جب تک

خُدا آپ کو شفا عطا فرمائے۔ فرمایا شہر سے چلے جاؤ اور خدا کی برکت کے ساتھ جلد جاؤ۔ اُس نے
کہا یا رسول اللہؐ اگر آپ کو اس حال سے چھوڑ کر جاتا ہوں میرا دل آپ کے لیے مضطرب ہوگا۔
فرمایا جاؤ نصرت و عافیت کے ساتھ۔ اُس نے کہا میں اِس بات سے کراہت رکھتا ہوں کہ جاؤ
اور آپ کے حالات لوگوں سے دریافت کروں۔ حضرتؐ نے فرمایا جاؤ اور میری اطاعت کرو۔
پھر آنحضرتؐ پر مرض کی شدت ہُوئی اور اسامہ اُٹھ کر چلے تاکہ لشکر لے کر روانہ ہوں۔ حضرت
ہوش میں آئے تو اسامہ اور اُس کے لشکر کا حال پوچھا۔ لوگوں نے کہا جانے کی تیاری کر رہے
ہیں۔ پھر مکرر فرمایا کہ لشکرِ اسامہ کو روانہ کرو۔ خدا اُس پر لعنت کرے جو اس کے ساتھ نہ جائے
اور بار بار یہ فرماتے رہے۔ آخر اسامہ نے عَلَم بلند کیا اور روانہ ہُوئے اور صحابہ اُس کے ساتھ
چلے یہاں تک کہ جرف میں جو مدینہ کے باہر ایک مقام ہے ٹھہرے۔ اُس کے ساتھ ابوبکر و
عمر اور اکثر مہاجرین اور رؤسا اور انصار کے سرکردہ لوگ تھے۔ یہاں تک کہ ام ایمن نے کسی کو
ان کے پاس بھیجا کہ مدینہ واپس آؤ کیونکہ آنحضرتؐ دُنیا سے روانہ ہونے کی تیاری میں ہیں
اسامہ نے جب یہ سُنا عَلَم اُٹھایا اور لے کر مدینہ میں داخل ہُوئے۔ اور عَلَم حضرت کے دروازہ
پر نصب کیا۔ حضرت نے اُسی وقت عالمِ قدس کی جانب رحلت فرمائی۔ ابوبکر و عمر اپنی تمام
عمر اسامہ کو امیر کہہ کر خطاب کرتے تھے!

واقدی، بلاذری، محمد بن اسحاق، زہری اور بلال بن عامر اور اکثر مورخین و محدثین عامہ
نے کہا ہے کہ ابوبکر و عمر لشکرِ اسامہ میں داخل تھے۔ اور نقل کرتے ہیں کہ ابوبکر و عمر نے جب اپنی
خلافت کی خبر اسامہ کو بھیجی تو اسامہ نے کہا میں نے اور جو لشکر میرے ساتھ ہے اُس نے تم کو اپنا
ولی نہیں بنایا اور جناب رسُولِ خُداؐ نے مجھ کو تم پر امیر مقرر فرمایا اور معزول نہیں کیا۔ یہاں تک
کہ دُنیا سے رحلت فرمائی تم اور تمھارے ساتھی عمر میری اجازت کے بغیر واپس گئے اور کوئی
امر رسُولِ خداؐ سے مخفی نہ تھا وہ مجھ کو اور تم کو پہچانتے تھے۔ مجھ کو تم پر امیر مقرر فرمایا اور تم کو
مجھ پر امیر مقرر نہیں کیا تھا۔ ابوبکر نے چاہا کہ خلافت سے اپنے کو معزول کرلیں۔ لیکن عمر نے نہیں
ہونے دیا۔ پھر اسامہ واپس آئے اور مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہُوئے اور باآوازِ بلند کہا کہ مجھے
تعجب ہے اُس شخص پر کہ جنابِ رسُولِ خداؐ نے مجھ کو اس پر امیر مقرر فرمایا اور اُس نے مجھ کو
معزول کیا اور مجھ پر امیر ہونے کا دعوےٰ کرتا ہے۔ اور محمد شہرستانی نے کتاب ملل و نحل میں ان
اختلافات کے بیان میں لکھا ہے جو صحابہ کے درمیان آنحضرتؐ کے مرض میں ہُوئے یہ تھا کہ
حضرت رسُولِ خُداؐ نے فرمایا کہ اسامہ کی کارسازی کرو، خدا لعنت کرے اُس پر جو اُس کے لشکر
سے پیچھے رہ جائے۔ ایک گروہ نے کہا کہ ہم پر آنحضرتؐ کے حکم کی اطاعت واجب ہے اور اسامہ

آنحضرتؐ کے حکم سے مدینہ سے باہر گئے ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ آنحضرتؐ کا مرض شدید ہو گیا اور ہمارے دل کو تاب نہیں کہ حضرتؐ کو اس حال میں چھوڑیں یہاں تک کہ دیکھیں حضرت کا معاملہ کہاں ختم ہوتا ہے۔

ان ابواب کے ہر ایک باب سے متعلق میں نے بحارالانوار میں بہت سی حدیثیں مخالفین کی کتابوں سے لکھی ہیں اور یہ واقعہ تین صورتوں سے اُن تینوں خلفاء کی خلافت باطل ہونے پر دلیل ہے۔

پہلی صورت:۔ آنحضرتؐ نے اسامہ کو اُن پر امیر مقرر کیا اور معزول نہیں کیا اور وہ اسامہ کی حکومت و امارت کے ماتحت تھے۔ یہاں تک کہ حضرت دُنیا سے رخصت ہوئے۔ لہٰذا جب وہ اسامہ کی رعایا اور محکوم ہوئے اور اسامہ باتفاق خلیفہ نہ تھے بلکہ ان پر واجب تھا کہ جو خلیفہ ہو اُس کی اطاعت کرے۔ لہٰذا یہ حضرات بھی خلیفہ نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ان پر بھی واجب تھا کہ جو خلیفہ ہو اس کی اطاعت کریں۔

دوسری صورت:۔ یہ کہ لشکرِ اسامہ میں شامل ہی نہ ہوئے اور جس نے جیش اسامہ سے تخلف کیا بقول سرورِ عالمؐ ملعون ہے اور ملعون ہونا خلافت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔

تیسری صورت:۔ یہ کہ اُن لوگوں نے آنحضرتؐ کے حکم سے انحراف و اعتراض کیا اور جو شخص ایسا کرے وہ مومن نہیں جیسا کہ خداوندِ عالم نے فرمایا ہے۔ ویقولون اٰمنّا باللّٰہ وبالرسول واطعنا ثم یتولی فریق منھم من بعد ذٰلک وما اولٰئک بالمؤمنین یعنی کہتے ہیں کہ ہم خدا و رسولؐ پر ایمان لائے اور ان کی اطاعت کی۔ اس کے باوجود اُن میں سے ایک فرقہ اس کے بعد روگردانی کرتا ہے اور اطاعت نہیں کرتا تو یہ لوگ مومن نہیں ہیں۔

تیسری طعن:۔ ان مظالم کا بیان جو ابوبکر نے عمر اور تمام منافقین کے ساتھ اہلبیت عصمت و طہارت پر غصبِ خلافت کے سلسلے میں کیئے (اوّل) غصب خلافت کا روایات شیعہ کا بیان جو اہلبیت طہارت و رسالت اور ثقات و متدینین صحابہ سے منقول ہے۔ ہم مختصر بیان کرتے ہیں اور اس کے بعد اس کے ہر جز کو مخالفین کی معتبر کتابوں میں جو مذکور و مشہور ہیں بیان کریں گے تاکہ معلوم ہو کہ اجماع اور بیعت جس سے وہ ان کی خلافت میں متمسک ہوئے ہیں اسلام سے ان کے انحراف کی دلیل ہے نہ کہ ان کی خلافت حق ہونے کی۔

شیخ طبرسی نے احتجاج میں صحیح سندوں سے روایت کی ہے۔ متواتر روایتوں کے مطابق جو تمام شیعہ کتب میں مذکور ہیں وارد ہے کہ جب آنحضرتؐ کا مرض شدید ہوا۔ آپ نے انصار کو طلب کیا اور

علیؑ و عباسؓ پر سہارا دے کر خانۂ اقدس سے باہر نکلے اور مسجد کے ایک ستون سے تکیہ کیا اور خطبہ پڑھا اور اپنے اہلبیتؑ کے بارے میں وصیت فرمائی اور فرمایا کہ کوئی پیغمبرؐ دنیا سے نہیں گیا ہے مگر یہ کہ اپنا خلیفہ اپنی اُمّت میں چھوڑا ہے اور میں تمھارے درمیان دو امر بزرگ چھوڑتا ہوں، کتابِ خدا اور میرے اہلبیتؑ جو شخص ان کو ضائع کرے گا خدا اُس کو ضائع کرے گا۔ پھر انصار کے حق میں وصیت کی کہ لوگ اُن کی رعایت کریں اُس کے بعد اسامہ کو طلب فرمایا اور لشکر لے جانے کا تاکید کے ساتھ حکم دیا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا۔ پھر حضرت خانۂ اقدس میں واپس آئے اور اسامہ اپنا لشکر مدینہ سے باہر لے گئے۔ اور مدینہ سے ایک فرسخ پر ٹھہرے پھر جن لوگوں نے چلنے میں جلدی کی وہ ابوبکر و عمر و ابوعبیدہ جراح تھے۔ لشکر کے درمیان ٹھہرے اور اسی اثنا میں آنحضرتؐ کا مرض شدید ہوا اور سعد بن عبادہ بھی بیمار ہو گئے۔ روزِ دوشنبہ وقتِ چاشت آنحضرتؐ عالمِ بقا روانہ ہو گئے۔ لشکر کے باہر جانے پر دو روز نہیں گزرے تھے کہ یہ خبرِ وحشت اثر لشکر میں پہنچی تو اکثر ان میں سے مدینہ واپس آ گئے۔ اور مدینہ بھر گیا۔ اور ابوبکر ایک ناقہ پر سوار تھے۔ مسجد کے دروازے پر آئے اور چلّا کر کہا کہ ایہاالناس کیوں ایسے بیقرار ہوتے ہو۔ اگر محمدؐ مر گئے تو محمدؐ کا پروردگار نہیں مرا ہے۔ اُس کے بعد یہ آیت پڑھی۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۔ یعنی محمدؐ نہیں ہیں مگر ایک رسول جس طرح اُن سے پہلے رسولان پروردگار تھے تو اگر وہ مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اپنے دین سے پھر جاؤ گے؟ اور جو دین سے پھر گیا وہ خدا کا کچھ نقصان نہ کرے گا۔ اس کے بعد انصار سعد بن عبادہ کے پاس جمع ہوئے۔ اور اُن کو سقیفۂ بنی ساعدہ میں لے گئے تاکہ اُن سے بیعت کریں۔ جب یہ خبر عمر کو پہنچی تو انھوں نے ابوبکر کو اطلاع دی اور دونوں نہایت تیزی سے سقیفہ روانہ ہوئے اور ابوعبیدہ کو جو ان کے ہم سوگند تھے اپنے ساتھ لیا۔ سقیفہ میں انصار کے بہت سے لوگ جمع تھے اور سعد بیمار ان کے درمیان لیٹے ہوئے تھے۔ ان چند لوگوں اور انصار کے درمیان سخت نزاع ہوئی۔ یہاں تک کہ ابوبکر نے انصار سے کہا میں تم کو ان دو میں سے کسی ایک کی بیعت کے لیے چاہتا ہوں یا ابوعبیدہ یا عمر۔ میں نے ان دونوں صاحبان کو خلافت کے لیے پسند کیا ہے۔ عمر اور ابوعبیدہ نے ابوبکر سے کہا کہ مناسب نہیں ہے کہ ہم آپ پر تقدیم کریں۔ آپ ہم سے پہلے مسلمان ہوئے اور آپ مصاحب غار رہے۔ آپ اس امر خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔ انصار نے کہا ہم ڈرتے ہیں کہ اس امر میں ہم پر وہ شخص غالب ہو جائے جو نہ ہم سے ہوا ور نہ تم میں سے لہٰذا ہم اپنے لیے ایک امیر مقرر کرتے ہیں اور تم اپنے لیے ایک امیر مقرر کر لو۔ ابوبکر نے مہاجرین اور انصار دونوں کی فضیلت کا ذکر کیا اور کہا مہاجرین امراء ہوں اور تم لوگ وزیر رہو۔ حباب

بن منذر انصاری اُٹھے اور کہا اے گروہ انصار اپنے اختیارات کو دیکھو کہ مہاجرین تمہارے گھر میں تمہارے زیر سایہ ہیں اور کوئی تمہاری مخالفت کی جرأت نہیں کرتا اگر وہ لوگ تمہاری امارت پر راضی نہ ہوں تو ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر اُن میں سے ہو۔ حضرت عمر نے کہا افسوس ہے دو تلوار ایک نیام میں نہیں رہ سکتی اور عرب راضی نہیں ہوں گے کہ تم امیر ہو۔ پیغمبر تم میں سے نہ تھے۔ اور عرب راضی ہوں گے اس سے کہ خلافت اُس جماعت میں ہو جس میں سے پیغمبر تھے اور ہم سے کون نزاع کر سکتا ہے حالانکہ ہم اُن کے رشتہ دار ہیں۔ مگر وہ شخص جو اپنے کو ہلاکت میں ڈالے اور فتنہ برپا کرے۔ پھر جناب نے ایسی ہی باتیں کیں اور کہا کہ تمہاری تلوار سے اُن لوگوں نے اطاعت کی ہے۔ جو شخص میری باتوں کو رد کرے تو میں اُن کی ناک پر تلوار ماروں گا۔ یہ سُن کر ابو عبیدہ اُٹھے اور بہت سی باتیں کیں۔ بشیر بن سعد جو بزرگان انصار سے تھے چونکہ قبیلہ اوس سے تھے اور وہ خلافت سعد کے لیے چاہتے تھے اور وہ قبیلہ خزرج سے تھے اُس کو یہ حسد تھا کہ قریش کی طرف داری کرے اور لوگوں کو ترغیب دے تو وہ مہاجرین کی بیعت پر راضی ہو گئے۔ اس سبب سے مہاجرین و انصار کے درمیان اختلاف پیدا ہوا اور مہاجرین کو تقویت حاصل ہوئی تو ابوبکر نے کہا کہ یہ عمر و ابو عبیدہ قریش کے دو بزرگ ہیں جس کی چاہو بیعت کرو۔ اور عمر و ابو عبیدہ اُس سازش کی بنا پر جو باہم کر چکے تھے کہا آپ کی موجودگی میں ہم خلافت نہیں اختیار کر سکتے۔ اپنا ہاتھ بڑھائیے تاکہ ہم آپ کی بیعت کریں۔ بشیر نے کہا میں بھی آپ سے متفق ہوں۔ جب قبیلہ اوس نے بشیر کی باتیں سُنیں ابوبکر کی بیعت کرنا شروع کر دی اور لوگوں نے ہجوم کیا۔ یہاں تک کہ نزدیک تھا کہ سعد لوگوں کے پیروں سے کچل کر ہلاک ہو جائیں، تو کہا تم لوگوں نے مجھے مار ڈالا۔ عمر نے کہا سعد کو ہلاک کر دو خدا اس کو ہلاک کرے۔ یہ سُن کر سعد کا بیٹا جست کر کے عمر کی داڑھی سے لپٹ گیا اور کہا اے پسر ضحاک حبشیہ جنگوں میں خوف کے مارے بھاگتا رہتا ہے۔ اور مقام امن میں شیر غرّاں بنا ہوا ہے۔ اگر میرے باپ کا ایک بال بیکا ہوا تو تیرے منہ میں ایک دانت نہ چھوڑوں گا۔ ابوبکر نے کہا اے عمر نرمی اختیار کرو۔ کیونکہ رفق و مدارات بہتر اور نافع تر ہے۔ سعد نے کہا اے پسر ضحاک میں اگر اُٹھنے کی قوت رکھتا تو یقیناً تم لوگ مدینہ کی گلیوں میں آواز سُنتے کہ تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو مدینہ سے نکال دیں۔ پھر تم اُس گروہ سے ملحق ہوتے جن میں تم سب ذلیل اور دوسروں کے فرمانبردار رہے ہو۔ اس وقت مجھ سے جرأت دکھاتے ہو۔ اے آل خزرج مجھ کو اس پُر فتنہ مقام سے باہر نکالو۔ الغرض ان کو وہاں سے اُٹھا کر لوگ ان کے گھر لے گئے۔ پھر ابوبکر نے ان کے پاس آدمی بھیجا کہ لوگوں نے مجھ سے بیعت کر لی ہے تم بھی آکر بیعت کر لو۔ سعد نے جواب دیا کہ نہیں واللہ اُس وقت تک بیعت نہ کروں گا،

جب تک میرے ترکش میں جتنے تیر ہیں تمھاری طرف نہ پھینک دوں۔ اور اپنے نیزہ کی نوک تمھا
خون سے رنگین نہ کر لوں اور تلوار سے اس وقت تک کام نہ لے لوں جب تک اس کے پکڑنے
کی قوت میرے ہاتھوں میں رہے۔ مختصر یہ کہ میں تمھارے ساتھ جنگ کروں گا اُن لوگوں کی حمایت
میں جو میرے اہلبیت میں سے میری مدد و متابعت کریں گے۔ اور خدا کی قسم اگر تمام جن و انس جمع
ہو جائیں تب بھی میں دونوں عاصیوں کی بیعت نہ کروں گا۔ یا میں اپنے پروردگار کی خدمت میں
حاضر ہوں۔ جب یہ جواب اُن سے بیان کیے گئے تو عمر نے کہا کہ بیشک اس سے بیعت لینا چاہیے
بشیر پسر سعد نے کہا اُنھوں نے بیعت سے انکار کر دیا۔ اور غیظ و غضب میں پڑ گئے ہیں اور
بیعت نہیں کریں گے یہاں تک کہ قتل ہو جائیں اور وہ قتل نہ ہوں گے جب تک اوس و خزرج
قتل نہ ہوں اُن کو چھوڑ دو اُن کا بیعت نہ کرنا تم کو کوئی ضرر نہیں پہنچاتا۔ بشیر کی بات اُن لوگوں
نے مان لی اور سعد سے درگزر کیا۔ وہ ان کے ساتھ نمازوں میں بھی شریک نہیں ہوتے تھے اور ان
کی حکومت کے قائل نہ تھے۔ اگر مددگار پاتے تو یقیناً اُن سے جنگ کرتے۔ وہ ہمیشہ اسی حال
سے رہے۔ یہاں تک کہ ابوبکر کا انتقال ہوا اور عمر خلافت پر متصرف ہوئے۔ چونکہ وہ عمر سے
مطمئن نہ تھے اس لیے شام چلے گئے اور وہیں اُن کی وفات ہوئی۔ اور کسی ایک کی بیعت انھوں
نے نہ کی۔ ان کی موت کا یہ سبب تھا کہ ایک اندھیری رات میں ان کو زد و کوب کر کے مار ڈالا۔
اور مشہور یہ کیا کہ ان کو جنوں نے مار ڈالا۔ بعضوں نے کہا ہے کہ محمد بن سلمہ انصاری کے لیے کچھ رقم
مقرر کی اُس نے سعد کو مار ڈالا۔ جناب امیرؑ سے روایت کی ہے کہ مغیرہ بن شعبہ نے ان کو مار ڈالا۔
الغرض تمام انصار نے اور جو لوگ مدینہ میں تھے اُن کی بیعت کی۔ اس دوران میں حضرت امیرالمومنینؑ
جناب رسول خداؐ کی تجہیز غسل و کفن و دفن میں مشغول تھے۔ سلیم بن قیس ہلالی نے کہا کہ میں نے
سلمانؓ سے سنا کہ جب رسالت مآبؐ نے ملاء اعلیٰ کی جانب رحلت کی۔ لوگوں نے کہا جو کچھ کہا
اور کیا جو کچھ کیا۔ ابوبکر و عمر و ابوعبیدہ انصار کے پاس آئے اور اُن سے جھگڑا کیا اور جو حجت
جناب امیرؑ کو کہنا چاہیے تھا اُن لوگوں نے کہی۔ ان کی حجت یہ تھی کہ اے گروہ انصار امر خلافت
کے زیادہ سزاوار قریش ہیں۔ کیونکہ جناب رسول خداؐ قریش سے تھے۔ اور مہاجرین تم سے بہتر
ہیں۔ کیونکہ خدا نے قرآن میں ان کا ذکر انصار سے پہلے کیا ہے اور اُن کو فضیلت دی ہے اور
جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ آئمہ قریش سے ہوں گے۔

سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں امیرالمومنینؑ کی خدمت میں گیا وہ جناب رسول خداؐ کو غسل دینے میں
مشغول تھے اس لیے کہ آنحضرتؐ نے وصیت کی تھی کوئی ان کے سوا حضرتؐ کو غسل نہ دے تو
امیرالمومنینؑ نے کہا تھا کہ یا رسول اللہؐ آپ کے غسل میں میری کون مدد کرے گا۔ حضرتؐ نے فرمایا

جبرئیلؑ ۔ لہذا حضرتؐ آپ کے جس عضو کو دھونا چاہتے تھے ۔ جبرئیلؑ گھماتے اور اُس عضو کو سامنے کر دیتے تھے ۔ جب غسل و کفن و حنوط سے فارغ ہوئے مجھ کو، ابوذرؓ کو اور فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کو طلب فرمایا اور ہم نے ان کے پیچھے صف باندھی اور آنحضرتؐ پر نماز پڑھی عائشہؓ اُسی حجرہ میں تھیں لیکن جبرئیلؑ نے اُن کی آنکھیں بند کر رکھی تھیں کہ اُنھوں نے نماز پڑھتے ہوئے ہم لوگوں کو نہ دیکھا ۔ پھر حضرت علیؑ نے صحابہ کو اجازت دی ۔ دس دس اشخاص داخل حجرہ ہوتے اور حضرتؐ کے گرد کھڑے ہوجاتے ۔ اور جناب امیرؑ آیۂ ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی آخر آیت تک پڑھتے اور وہ لوگ صلوٰۃ بھیجتے تھے اور چلے جاتے تھے ۔ نماز حقیقی وہی تھی جو پہلے پڑھی گئی ۔ اگر وہ لوگ سنتے تو خواہش کرتے کہ نماز کی امامت ابوبکر کریں ۔ سلمان کہتے ہیں کہ میں نے امیرالمومنینؑ کو سقیفہ کے حالات سے آگاہ کیا جبکہ وہ مشغول غسل تھے ۔ میں نے کہا ابوبکر اس وقت منبر پر بیٹھے ہیں اور لوگ راضی نہیں ہوتے ہیں کہ ایک ہاتھ سے ان کی بیعت کریں بلکہ دونوں ہاتھوں سے ان کی بیعت کرتے ہیں ۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ اے سلمانؓ تم نے یہ بھی دیکھا کہ سب سے پہلے کس نے بیعت کی جبکہ منبرِ رسولؐ کے اُوپر وہ بیٹھے ۔ میں نے کہا نہیں لیکن سقیفہ میں سب سے پہلے جس نے بیعت کی وہ بشیر بن سعد تھے ۔ پھر ابوعبیدہ نے ان کے بعد عمرؓ نے ان کے بعد سالم حذیفہ کے غلام نے ۔ پھر معاذ بن جبل نے ۔ حضرتؐ نے فرمایا میں ان کو نہیں کہتا ۔ پہلے اُس شخص کو پوچھتا ہوں جس نے منبر پر ان کی بیعت کی سلمانؓ نے کہا میں نہیں جانتا لیکن میں نے ایک مرد پیر کو دیکھا جو اپنے عصا پر تکیہ کئے ہوئے تھا ۔ اور دونوں آنکھوں کے درمیان سجدہ کا نشان تھا ۔ بہت عبادت گذار معلوم ہوتا تھا ۔ جب ابوبکر منبر پر بیٹھے وہ اوپر منبر کے پہنچا پہلے رویا اور کہا الحمد للہ میں نہیں فوت ہوا ۔ جب تک کہ تم کو اس مقام پر نہ دیکھ لیا اپنا ہاتھ کھولو اور بڑھاؤ ۔ پھر ان کی بیعت کی ۔ پھر کہا کہ یہ روز مثل روز آدمؑ ہے اور منبر سے اُترا اور مسجد سے باہر چلا گیا ۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ تم نے سمجھا کہ وہ کون تھا میں نے عرض کی نہیں ۔ لیکن مجھ کو اس کی بات بُری معلوم ہوئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جناب رسولؐ کی وفات پر شماتت کرتا تھا ۔ حضرتؐ نے فرمایا وہ شیطان تھا ۔ مجھ کو جناب رسولِ خداؐ نے خبر دی کہ ابلیس اور اُس کے ساتھیوں کے سرکردہ روزِ غدیر حاضر ہوئے جبکہ جناب رسولِ خداؐ نے مجھ کو خدا کے حکم سے خلافت پر مقرر کیا اور لوگوں کو خبر دی کہ میں لوگوں کی جانوں پر اُن سے زیادہ اختیار رکھتا ہوں اور لوگوں کو حکم دیا کہ حاضرین ان لوگوں کو یہ خبر پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں تو اس ملعون کی پیروی کرنے والے اور اس کے ساتھیوں کے سرکش شیاطین نے اس سے کہا کہ یہ اُمت مرحوم و معصوم ہے تجھ کو اور ہم کو ان پر قابو حاصل نہ ہوگا ۔ ان لوگوں نے اپنی پناہ اور امام کو پیغمبرؐ کے بعد سمجھ لیا ۔

یہ سن کر شیطان غمگین ہوا اور واپس چلا گیا۔ جناب امیرؑ نے فرمایا کہ پھر رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ جب میں دنیا سے چلا جاؤں گا لوگ بنی ساعدہ کے سایہ میں ابوبکر سے بیعت کریں گے پھر مسجد میں آویں گے اور سب سے پہلے میرے منبر پر جو اس سے بیعت کرے گا وہ شیطان ہوگا۔ ایک مرد پیر کی صورت میں عبادت کرنے والا اور یہ باتیں کہے گا اور پھر چلا جائے گا اور شیاطین اور اپنے فرمانبرداروں کو جمع کرے گا تو وہ سب اس کو سجدہ کریں گے اور کہیں گے کہ اے ہمارے سردار اور اے ہمارے بزرگ تو ہی ہے جس نے آدمؑ کو بہشت سے باہر نکالا۔ تو وہ جواب میں کہے گا کہ کون امت ہے جو اپنے پیغمبر کے بعد گمراہ نہ ہوئی۔ تم کہتے تھے کہ مجھے ان پر کچھ قابو نہ ہوگا تم نے دیکھا کہ میں نے ان کو کس طرح ان کے پیغمبر کی مخالفت پر قائم رکھا۔ یہی مطلب ہے اس کا جو خدا نے فرمایا ہے لقد صدق علیھم ابلیس ظنّہ فاتبعوہ الّا فریقاً من المؤمنین یعنی بیشک ابلیس نے ان پر اپنا گمان سچ کر دکھایا تو اس کی پیروی ان لوگوں نے کی سوائے مومنین کے گروہ کے۔ سلمانؓ کہتے ہیں کہ رات آئی تو علیؑ نے جناب فاطمہؑ کو ایک دراز گوش پر سوار کیا اور حسنینؑ کو ساتھ لیا اور مہاجرین وانصار اہلِ بدر کے ایک ایک کے دروازہ پر گئے اور اپنی امامت وخلافت کا حق لوگوں کو یاد دلایا۔ اور ان سے مدد طلب کی سوائے چوالیس اشخاص کے کوئی آمادہ نہ ہوا۔ دوسری روایت کے مطابق چوبیس اشخاص نے قبول کیا۔ تو فرمایا کہ اگر تم لوگ سچ کہتے ہو تو اپنے سر منڈواؤ اور اپنے اسلحے لے کر صبح کو میرے پاس آؤ تاکہ مجھ سے موت پر بیعت کرو یعنی جب تک قتل نہ ہو جاؤ گے، میری مدد سے ہاتھ نہ اٹھاؤ گے۔ صبح کو سوائے چار اشخاص سلمانؓ، ابوذرؓ، مقداد اور عمارؓ کے کوئی اور نہ آیا۔ دوسری روایت کے مطابق عمار کے بجائے زبیر تھے۔ تین رات حضرتؑ نے ایسا ہی کیا اور دن کو ان چار اشخاص مذکورہ کے سوا کوئی نہ آیا۔ جب حضرتؑ نے یہ سمجھ لیا کہ وہ سب غداری اور مکاری پر عمل کرتے ہیں اور حضرت کی مدد نہیں کریں گے۔ تو خانہ نشین ہو گئے اور قرآن جمع کرنے میں مشغول ہوئے۔ اور گھر سے اس وقت تک باہر نہ نکلے جب تک پورا قرآن جمع نہ کر لیا۔ قرآن چمڑوں، لکڑیوں، رقعوں اور ہڈیوں پر متفرق تھا۔ پھر ابوبکر نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ آ کر بیعت کریں۔ حضرتؑ نے جواب میں کہلا دیا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ ردا دوش پر نہ رکھوں گا مگر نماز کے لیے اور جب تک قرآن نہ جمع کر لوں۔ یہ سن کر ان لوگوں نے چند روز صبر کیا اور حضرتؑ نے پورا قرآن جمع کیا اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر اس کو سر مہر کیا۔ پھر اس کو مسجد میں لائے جس وقت کہ ابوبکر و عمر اور صحابہ مسجد میں تھے اور باآوازِ بلند ندا کی کہ ایہا الناس جب رسولِ خداؐ دنیا سے تشریف لے گئے میں نے ان کا غسل و تجہیز و تکفین کیا

اُس کے بعد تمام قرآن اِس جامہ میں جمع کیا ہے اور کوئی آیت نازل نہیں ہوئی ہے مگر جناب رسُولِ خدا نے مجھ کو بتائی اور اس کی تاویل سے مجھے آگاہ فرمایا۔ قیامت میں نہ کہنا کہ ہم اس سے غافل تھے اور یہ نہ کہنا کہ میں نے تم کو اپنی مدد کے لیے نہیں بُلایا اور اپنے حق کو تمھیں یاد نہیں دلایا اور تم کو کتاب خدا کی جانب دعوت نہیں دی۔ عمر نے کہا جس قدر قرآن سے ہمارے پاس ہے ہمارے لیے کافی ہے ہم کو تمھارے قرآن کی احتیاج نہیں ہے۔ حضرت نے فرمایا پھر اس قرآن کو نہ دیکھو گے۔ یہاں تک کہ مہدی میری اولاد میں سے اس کو ظاہر کرے گا پھر اپنے بیت الشرف واپس آئے۔ پھر عمر نے ابوبکر سے کہا کہ علیؑ کو بُلواؤ تاکہ بیعت کریں۔ جب تک وہ بیعت نہیں کرتے میں مطمئن نہیں ہوں۔ ابوبکر نے کہلایا کہ خلیفۂ رسُولؐ آپ کو بُلاتے ہیں۔ حضرتؑ نے فرمایا سبحان اللہ کس قدر جلد رسُولِ خداؐ پر جھُوٹ تم نے باندھا ہے۔ ابوبکر اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں سب جانتے ہیں کہ رسُولِ خداؐ نے بجز میرے کسی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا ہے۔ دوبارہ کہلایا کہ امیرالمومنینؑ ابوبکر بن ابی قحافہ نے آپ کو یاد کیا ہے۔ حضرتؑ نے تعجب سے فرمایا کہ سبحان اللہ ابھی تھوڑے دن ہوئے رسُولِ خداؐ ان کے درمیان سے تشریف لے گئے ہیں۔ وہ خود جانتے ہیں کہ یہ نام میرے غیر کے لیے سزاوار نہیں ہے اور وُہ اس جماعت کے ساتویں شخص ہیں جن کو رسُولِ خداؐ نے حکم دیا تھا کہ مجھ کو امیرالمومنینؑ کہہ کر سلام کریں تو ابوبکر و عمر نے پوچھا یا رسُول اللہؐ کیا خدا نے یہ حکم دیا ہے حضرتؐ نے فرمایا کہ ہاں خدا و رسُولؐ کی جانب سے حق و راستی کے ساتھ ہے اور وہ مومنین کے امیر ہیں اور مسلمین کے سردار ہیں اور نورانی ہاتھ پاؤں والوں کے علَم والے ہیں۔ خدا ان کو قیامت میں صراط پر بٹھائے گا، تاکہ اپنے دوستوں کو بہشت میں بھیجیں اور اپنے دُشمنوں کو جہنّم میں۔ جب یہ خبر ابوبکر کے پاس لے گئے تو وہ اُس روز خاموش ہو گئے۔ پھر اُس شب جناب امیرؑ فاطمہؑ و حسنین علیہم السلام کو اتمامِ حجت کے لیے اصحابِ رسُولؐ کے مکانات پر لے گئے اور اُن سے مدد کے طالب ہوئے اور سوائے اُن چار افراد کے کسی نے منظور نہ کیا۔ پھر عمر نے ابوبکر سے کہا کیوں کسی کو نہیں بھیجتے کہ علیؑ اور ان چاروں اشخاص کو بیعت کے لیے لائیں کیوں کہ ان کے سوا سب نے بیعت کر لی۔ ابوبکر نے کہا کس کو بھیجوں عمر نے کہا قنفذ کو بھیجتا ہوں کیونکہ وہ سخت اور بے شرم ہے اور قبیلۂ بنی عدی سے ہے۔ آخر اُس کو مددگاروں کے ایک گروہ کے ساتھ بھیجا۔ جب وہ لوگ گئے تو جناب امیرؑ نے اجازت نہ دی کہ داخل خانہ ہوں اور وہ واپس پلٹ آئے اور کہا کہ وہ اجازت نہیں دیتے کہ ہم داخل ہوں۔ عمر نے کہا کہ بغیر اجازت داخل ہو جاؤ۔ جب وہ لوگ گئے تو جناب فاطمہؑ نے ان کو قسم دی کہ بغیر میری اجازت کے میرے گھر میں داخل نہ ہو۔ قنفذ وہیں ٹھہر گیا اور اس کے ساتھی واپس چلے

گئے اور یہ خبر لائے تو عمر غضبناک ہوئے اور کہا مجھے عورتوں کے کہنے سے کیا اور اُن لوگوں کو حکم دیا جو اُن کے پاس تھے کہ لکڑیاں اُٹھائیں اور خود عمر نے بھی لکڑیاں لیں اور اہلبیتؑ کے دروازہ پر جمع کیں۔ اُس گھر میں حضرت امیر المومنینؑ جناب فاطمہ اور حسنینؑ علیہم السلام اور تمام اہلبیت تھے۔ اور چلا کر کہا اے علیؑ باہر نکلو اور خلیفۂ رسولؐ کی بیعت کرو۔ ورنہ تمھارے گھر میں آگ لگا دُوں گا۔ یہ سُن کر جناب فاطمہؑ اُٹھ کر پسِ در آئیں اور کہا اے عمر مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ عمر نے کہا دروازہ کھولو ورنہ گھر کو تم سب سمیت جلا دُوں گا۔ فاطمہؑ نے کہا اے عمر خدا سے نہیں ڈرتے اور میرے گھر میں داخل ہونا چاہتے ہو۔ عمر نے کچھ نہ سُنا اور آگ منگا کر دروازہ میں لگا دی۔ جناب فاطمہؑ نے فریاد دی یا ابتاہ ویا رسول اللہ بلند کی عمر نے شمشیر کے نیام کا سرا اُن معصومہ کے پہلوئے اقدس پر مارا اور تازیانہ بلند کیا اور اُن معصومہ کے بازو پر مارا۔ فاطمہؑ نے اپنے پدرِ بزرگوار سے خطاب کیا کہ یا رسول اللہؐ عمر و ابوبکر نے آپ کے اہلبیت کے حق میں کیسی بُری خلافت کی ہے۔ یہ دیکھ کر جناب امیرؑ بیقرار ہوئے اور جست کر کے اُٹھے اور عمر کی گردن پکڑ کر زمین پر پٹک دیا جس سے اُن کی ناک زخمی ہو گئی اور اُن کی گردن مروڑ کر چاہا کہ مار ڈالیں مگر جنابِ رسولِ خداؐ کی وصیت یاد آئی کہ آنحضرتؐ نے آپ کو صبر کا حکم دیا تھا اور جنگ سے منع کیا تھا اس لیے چھوڑ دیا اور فرمایا۔ اُس خدا کی قسم جس نے محمدؐ کو پیغمبری سے سرفراز فرمایا۔ اے پسر ضہاک اگر خدا کی تقدیر نہ ہوتی جو پہلے گزر چکی ہے اور عہد و پیمان رسولِ خداؐ نے مجھ سے اس بارے میں نہ لیا ہوتا تو تجھ کو معلوم ہوتا کہ بغیر میری اجازت میرے گھر میں داخل ہونے کا کیا انجام ہوتا ہے۔ عمر نے اپنی مدد کے لیے لشکر طلب کیا اور اُن منافقوں نے ہجوم کیا اور مکان جناب فاطمہؑ میں داخل ہو گئے۔ جناب امیرؑ نے اپنی شمشیر اُٹھائی۔ قنفذ نے دیکھا کہ شیرِ خدا نے تلوار پکڑ لی ہے ڈرا، کہ شمشیر کھینچ کر باہر نکلیں گے تو کسی ایک کو زندہ نہ چھوڑیں گے تو ابوبکر کے پاس دوڑا ہوا پہنچا اور سارا قصہ بیان کیا ابوبکر نے کہا کہ اگر علیؑ باہر نکلنے کا ارادہ کریں تو اُن کو گھر سے نکال لاؤ اور گرفتار کر لو۔ اگر مانع ہوں تو اُن کے گھر میں آگ لگا دو۔ پھر قنفذ اور اُس کے ہمراہیوں نے ہجوم کیا اور بغیر اجازت خانۂ اقدس میں داخل ہو گئے اور حضرت کے ہاتھ سے تلوار لے لی اور آپ کے گلوئے مبارک میں رسّی باندھی اور کھینچی تا کہ ان کو گھر سے باہر لائیں اور بروایت ابن عباس خالد نے حضرتؑ پر تلوار ماری آپ نے اس کی تلوار چھین لی اور چاہا کہ اُسی تلوار سے اس کو قتل کریں اُس نے حضرت کو قسم دی کہ مجھ کو چھوڑ دیجئے تو آپ نے تلوار پھینک دی۔ عمر نے قنفذ کو یہ کہہ کر بھیجا کہ اگر فاطمہؑ علیؑ کے باہر آنے میں مانع ہوں تو پرواہ مت کر اور اُن کو زد و کوب کر کے علیحدہ کر دے۔ جب وہ امیر المومنینؑ کو دروازہ تک کھینچ کر لائے جناب فاطمہؑ

دروازہ کے نزدیک آکر مانع ہوئیں۔ قنفذ نے دروازہ پیچھے دھکیل دیا اور جناب فاطمہؑ کے پہلو پر مارا کہ آپ کی ایک پسلی ٹوٹ گئی۔ اور وہ بچہ جو جناب فاطمہؑ طاہرہ کے شکمِ اقدس میں تھا اور جس کا نام جناب رسول خداؐ نے محسنؑ رکھا تھا اسقاط ہو گیا۔ پھر بھی وہ معصومہ روکتی ہی رہیں تو اس ملعون نے آپ کے بازو پر مارا کہ ہڈی ٹوٹ گئی اور انہی ضربتوں سے آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ جب وہ مخدرہ دنیا سے رخصت ہوئیں تو آپ کے بازو پر اس ضربت سے ایک بڑی گرہ پڑی ہوئی تھی۔ الغرض جناب امیرؑ کو اسی حال سے گھر سے باہر کھینچ لائے اور ابوبکر کے پاس لائے اور ان حضرت کے سر پر برہنہ تلوار لیے ہوئے کھڑے تھے اور خالد بن ولید، ابو عبیدہ، سالم، معاذ، ابن جبل، مغیرہ بن شعبہ، اسید بن حضیر، بشیر بن سعد اور تمام مخالفین مسلح ابوبکر کے گرد کھڑے تھے۔

سلیم بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے سلمانؓ سے پوچھا کہ کیا یہ جماعت بغیر اجازت فاطمہؑ کے گھر میں داخل ہوئی تھی۔ اس نے کہا ہاں واللہ فاطمہؑ کے سر پر مقنعہ بھی نہ تھا اور وہ فریاد کر رہی تھیں۔ یا ابتاہ یا رسول اللہ آپ کل ہمارے درمیان سے چلے گئے اور ابوبکر و عمر آپ کے اہلبیتؑ سے یہ برتاؤ کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ ابوبکر اور جو لوگ ان کے گرد تھے سب رو رہے تھے۔ سوائے خالد بن ولید، عمر اور مغیرہ کے۔ عمر کہہ رہے تھے کہ ہم کو عورتوں سے کوئی کام نہیں ہے اور نہ کسی معاملہ میں ان کی رائے کی پرواہ ہے۔ جب علیؑ کو ابوبکر کے پاس لائے۔ حضرتؑ نے فرمایا خدا کی قسم اگر تلوار میرے ہاتھ میں ہوتی تم مجھ پر قابو نہیں پا سکتے تھے۔ خدا کی قسم میں اپنے کو ملامت نہیں کرتا کہ تمھارے ساتھ جہاد نہیں کیا۔ اگر وہ چالیس آدمی جنھوں نے میری بیعت کی تھی بیعت نہ توڑتے تو میں تمھاری جماعت کو پراگندہ کر دیتا۔ لیکن خدا لعنت کرے ان پر کہ مجھ سے بیعت کی اور توڑ دی۔ جب ابوبکر کی نگاہ آنحضرتؑ پر پڑی تو چلائے کہ ان سے دست بردار ہو جاؤ۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ اے ابوبکر کس قدر جلد تم رسول خداؐ کی مخالفت اور ان کے اہلبیت کی اذیت پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ کس حق سے اور کس منزلت سے لوگوں سے اپنی بیعت لیتے ہو۔ کل تم نے خدا اور رسولؐ کے حکم سے میری بیعت نہیں کی تھی؟ عمر نے کہا ان باتوں کو چھوڑو ہم تم سے دست بردار نہ ہوں گے جب تک بیعت نہ کرو گے۔ حضرتؑ نے فرمایا اگر بیعت نہ کروں تو کیا کرو گے۔ کہا تم کو ذلت و خواری سے قتل کر دیں گے۔ حضرتؑ نے فرمایا تو تم خدا کے بندۂ خالص اور برادرِ رسولؐ کو قتل کرو گے۔ ابوبکر نے کہا ہاں۔ ابن عباس کی روایت کے مطابق عمر نے کہا کہ ہم بندۂ خدا تو مانتے ہیں لیکن برادرِ رسولؐ نہیں سمجھتے۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ اس سے انکار کرتے ہو کہ جناب رسولِ خداؐ نے مجھ کو اپنا بھائی قرار دیا۔ ان لوگوں نے کہا ہاں تو حضرتؑ نے صحابہ سے فرمایا

کہ اے گروہ مہاجرین و انصار تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تم نے رسول خداؐ سے روز غدیر نہیں سنا کہ آپ نے میرے حق میں کیا کہا اور غزوہ تبوک میں کیا کہا۔ پھر آنحضرتؐ نے جو کچھ علانیہ آپ کے حق میں کہا تھا بیان کیا تو ان سب نے کہا ہم نے یہ تمام باتیں سُنی ہیں۔ چونکہ ابوبکر نے دیکھا کہ لوگ ان کی مدد کرتے ہیں ڈرے اور خود سبقت کر کے کہا کہ جو کچھ آپ نے کہا حق ہے اور ہم نے اپنے کانوں سے ان سب باتوں کو سُنا اور یاد ہیں لیکن ہم نے رسول خداؐ سے سُنا کہ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ہم اہلبیتؑ کو خدا نے برگزیدہ اور گرامی کہا ہے اور ہمارے لیے آخرت کو دنیا پر اختیار کیا ہے اور خلافت اور پیغمبری دونوں کو ہم میں جمع نہیں کیا ہے حضرت علیؑ نے فرمایا کہ کوئی ہے جو تمہاری اس بات کی گواہی دے۔ عمر نے کہا خلیفہ رسولؐ نے سچ کہا۔ میں نے بھی یہ سُنا ہے۔ اس کے بعد ابوعبیدہ، سالم غلام حذیفہ اور معاذ بن جبل نے بھی شہادت دی۔ تو حضرتؑ نے فرمایا کہ تم پانچ اشخاص نے اُس عہد نامہ پر وفا کیا جو کعبہ میں لکھا کہ اگر محمدؐ قتل ہو جائیں یا رحلت فرمائیں تو ہم ان کے اہلبیت میں خلافت نہ جانے دیں گے تم لوگوں نے یہ حدیث وضع کی۔ ابوبکر نے کہا آپ نے یہ کیسے جانا کہ ہم نے ایسا کیا ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا اے زبیر اور اے سلمان اور اے ابوذر اور اے مقداد میں تم سے خدا کا واسطہ اور اسلام کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ تم نے جناب رسول خداؐ سے سُنا ہے کہ آپ نے ان پانچ اشخاص کے نام لیے اور فرمایا کہ اس طرح کا عہد نامہ لکھا ہے اور آپس میں ایسا عہد کیا ہے۔ ان حضرات نے کہا ہاں ہم سب نے سُنا ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے ایسا عہد نامہ لکھا ہے اور عہد کیا ہے کہ خلافت اہل بیت سے نکال لیں گے تو تم نے کہا کہ میرے باپ ماں آپ پر فدا ہوں یا رسول اللہؐ اگر یہ لوگ ایسا کریں تو میں کیا کروں۔ فرمایا کہ اگر تم کو مددگار مل جائیں تو اُن سے جہاد کرو اور جنگ کرو۔ اگر مددگار نہ پاؤ تو اپنی حفاظت کرنا اور اپنے تئیں قتل ہونے سے محفوظ رکھنا۔ پھر حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اگر وہ چالیس اشخاص جنھوں نے مجھ سے بیعت کی وفا کرتے تو میں ان سے خدا کے لیے جہاد کرتا اور خدا کی قسم یہ خلافت جسے ابوبکر و عمر نے مجھ سے غصب کیا، ان کی اولاد میں سے کسی تک تاقیامت نہ پہنچے گی۔ اور جناب رسول خداؐ پر افترا کرنے میں جو تمہاری تکذیب کرتی ہے یہ آیت ہے ام یحسدون الناس علی ما اٰتیٰھم اللہ من فضلہ فقد اٰتینا اٰل ابراھیم الکتاب والحکمۃ واٰتینٰھم ملکاً عظیما۔ یعنی کیا لوگ حسد کرتے ہیں اُس سے جو خدا نے اپنے فضل سے ان کو عطا کیا ہے۔ بیشک ہم نے آلِ ابراہیم کو کتاب اور حکمت اور ملک عظیم عطا کیا ہے

اُن حضرتؐ نے فرمایا کہ کتاب پیغمبری اور حکمت سُنّت ہے اور ملکِ عظیم خلافت ہے اور ہم ہیں آلِ ابراہیمؑ ۔ یہ سُن کر مقدادؓ اُٹھے اور کہا یا علیؑ آپ کیا فرماتے ہیں ۔ خدا کی قسم اگر آپ مجھے حکم دیں تو اسی تلوار سے ماروں اور اگر آپ فرمائیں تو ہاتھ روکے رکھوں حضرت نے فرمایا کہ اے مقدادؓ اپنے ہاتھ روکے رکھو اور آنحضرتؐ کا عہد یاد کرو جس کی تم کو حضرت نے وصیّت فرمائی ہے ۔ سلمانؓ کہتے ہیں کہ پھر میں کھڑا ہوا ، اور کہا اُسی خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر میں جانتا کہ ظلم رفع کر سکتا اور دینِ خدا کو غالب کر سکتا تو یقیناً اپنی تلوار کھینچتا اور چلاتا ، یہاں تک کہ حق غالب ہو ۔ کیا رسولِ خدا کے بھائی اور اُمّت میں اُن کے وصی اور خلیفہ اور اُن کے دو فرزندوں کے پدر کو اِس ذلّت کے ساتھ کھینچتے ہو اور لاتے ہو لہٰذا تم کو خدا کی جانب سے بلا کی خوشخبری ہو اور اُس کی نعمت اور امید سے مایوس ہو جاؤ ۔ پھر ابوذرؓ اُٹھے اور کہا اے وہ اُمّت جو اپنے پیغمبرؐ کے بعد گمراہ ہو رہے ہو اور گناہوں میں مشغول ہو گئے ہو ۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے ۔ ان اللہ اصطفیٰ آدم ونوحا وآل ابراھیم وآل عمران علی العالمین ذریۃ بعضھا من بعض واللہ سمیع علیم اور آلِ محمدؐ اسلافِ نوحؑ و آلِ ابراہیمؑ ہیں اور برگزیدۂ خاندانِ اسماعیلؑ ہیں اور پیغمبرِ آخر الزمانؐ کی عترت ہیں اور اہلبیتِ نبوّت ہیں اور موضعِ رسالت ہیں اور محلِ آمد و رفتِ ملائکہ ہیں اور وہ مثلِ آسمانِ بلند مقامِ رحمتِ الٰہی ہیں ۔ اور زمین کے پہاڑوں کے مانند زمین کے استقرار کا باعث ہیں اور کعبۂ محترم کے مانند عالم کے قبلہ ہیں اور چشمۂ صاف کے مانند علم کے محل و مقام ہیں اور روشن ستاروں کے مانند خلق کی ہدایت کرنے والے ہیں اور شجرۂ مُبارکہ ہیں کہ خدا نے اپنے نورُ سے اِن کے نورُ کی مثال دی ہے ۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتمِ انبیاء اور اولادِ آدمؑ کے سردار ہیں اور علیؑ سیّدِ اوصیاء متقین کے امام اور قائدِ غر المحجلین ہیں ۔ وُہی صدیقِ اکبر اور فاروقِ اعظم ہیں ۔ وصی محمد صلعم اور اُن کے علم کے وارث ہیں اور لوگوں میں سب سے اولیٰ مومنین پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھنے والے ہیں ۔ جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم واولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ یعنی پیغمبرؐ مومنین سے اُن کی جانوں سے اُن پر زیادہ صاحبِ اختیار ہیں اور اُن کی بیبیاں مومنین کی مائیں ہیں ۔ اور ان کے اقربا بعض اولیٰ اور زیادہ حق دار ہیں بعض سے ۔ اِس کے بعد ابوذرؓ نے کہا مقدم رکھو اُس کو جس کو خُدا نے مقدم رکھا ہے اور موخر رکھو اس کو جس کو خدا نے موخر رکھا ہے اور پیغمبرؐ کی ولایت اور وزارت اُس کو سپرد کرو جس کو خدا نے عطا فرمایا ہے ۔ اُس وقت عمر نے ابوبکر سے کہا کیا بیکار اِس منبر پر بیٹھے ہو ۔ علیؑ تمہارے ساتھ محاربہ کر رہے ہیں اور تمہارے منبر

کے نیچے بیٹھے ہیں اور نہیں اٹھتے ہیں کہ تمھاری بیعت کریں یا منبر سے اتر آؤ یا حکم دو کہ اس کی گردن ماردوں۔ حسنین علیہم السلام اپنے پدر بزرگوار کے پاس کھڑے تھے جب مار ڈالنے کا نام سنا تو رونے لگے اور فریاد کی کہ یا جداہ یا رسول اللہؐ۔ جناب امیرؑ نے ان کو اپنے سینہ سے لگایا اور فرمایا کہ روؤ مت کیونکہ یہ لوگ تمھارے باپ کے قتل پر قادر نہیں ہیں اور اس سے ذلیل و بے قدر ہیں کہ ایسی جرأت کر سکیں۔ پھر ام ایمن رسول خداؐ کی مربیہ آئیں اور کہا اے ابوبکر کس قدر جلد تم نے اپنا حسد و نفاق ظاہر کیا۔ عمر نے کہا ہم کو عورتوں کی باتوں سے کیا غرض اور ان کے حکم سے لوگوں نے ان کو مسجد سے باہر نکال دیا۔ پھر بریدۂ اسلمی اٹھے اور کہا کہ اے عمر تم برادرِ رسولِ خداؐ اور اُن کے فرزندوں کے پدر سے ایسا سلوک کرتے ہو۔ میں تم کو قریش کے درمیان اُن صفتوں سے پہچانتا ہوں جن کو ہر شخص جانتا ہے۔ کیا رسولِ خداؐ نے تم سے اور ابوبکر سے نہیں کہا تھا کہ علیؑ کے پاس جاؤ اور امیرالمومنینؑ کہہ کر ان کو سلام کرو۔ تم نے پوچھا کہ کیا یہ خدا و رسولؐ کا حکم ہے فرمایا ہاں۔ ابوبکر نے کہا ہاں ایسا ہی تھا۔ لیکن پیغمبرؐ نے اس کے بعد فرمایا کہ میرے اہلبیت کے لیے پیغمبری اور خلافت جمع نہیں ہو سکتی۔ بریدہؓ نے کہا خدا کی قسم رسولِ خداؐ نے یہ نہیں فرمایا ہے۔ خدا کی قسم جس شہر میں تم حاکم ہو گے میں نہیں رہوں گا۔ عمر نے حکم دیا تو لوگوں نے ان کو زد و کوب کر کے مدینہ سے نکال دیا۔ پھر عمر نے کہا اے پسرِ ابوطالب اٹھو اور بیعت کرو حضرتؑ نے کہا اگر نہ کروں تو کیا کرو گے، کہا تمھاری گردن ماردوں گا۔ حضرتؑ نے تین مرتبہ یہی فرمایا اور یہی جواب سنا۔ یہاں تک کہ حجت ان پر تمام کی۔ پھر عمر نے حضرتؑ کا ہاتھ پکڑا اور بغیر اس کے کہ حضرتؑ ہاتھ بڑھائیں۔ ابوبکر نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور حضرتؑ کے ہاتھ پر رکھ دیا اور ابن عباس کی روایت کے مطابق جب عمر نے کہا میں تمھاری گردن ماردوں گا تو حضرت نے فرمایا خدا کی قسم اے پسرِ ضہاک تو اس پر قادر نہیں ہے اور تو فرومایہ تر اور کمزور تر ہے اس سے کہ یہ کر سکے یہ سن کر خالد اٹھا اور تلوار کھینچ کر بولا۔ واللہ اگر تم بیعت نہ کرو گے تو تم کو قتل کر دوں گا۔ حضرتؑ اٹھے اور خالد کا گلا پکڑا اور اس کو تکان دی کہ چت گر پڑا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ سلمانؓ کہتے ہیں کہ جب حضرتؑ کو مسجد میں لائے تو حضرتؑ نے قبر جناب رسولِ خداؐ کی جانب رُخ کر کے فرمایا "یا ابن ام ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی" یعنی اے بھائی قوم نے مجھ کو ضعیف کر دیا اور نزدیک ہے کہ مجھ کو قتل کر دیں۔ اور یہ وہ خطاب ہے جو ہارونؑ نے جنابِ موسیٰؑ سے کیا تھا جبکہ ان کی قوم نے گوسالہ پرستی کی تھی۔ پھر زبیر سے کہا گیا کہ بیعت کرو۔ انھوں نے انکار کیا تو عمر، خالد اور مغیرہ نے تلوار ان کے ہاتھ سے لے کر توڑ ڈالی اور ان کو کھینچ کر لائے۔ یہاں تک کہ انھوں نے بجبر بیعت کی۔ سلمان کہتے ہیں کہ پھر مجھ کو پکڑا اور

میرا گلا دبانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ سلمہ نے میری گردن پکڑی اور میں نے جبراً بیعت کی۔ پھر ابوذر و مقداد سے زبردستی بیعت لی، اور امیر المومنینؑ اور ہم چار افراد نے جبراً بیعت کی۔ اور زبیر کا انکار اور سختی بیعت نہ کرنے کی ہم سب سے زیادہ تھی۔ جب زبیر نے بیعت کی تو کہا اے پسر صہاک اگر یہ سرکش نہ ہوتے جنھوں نے تیری مدد کی ہے تو تو مجھ پر جبر نہیں کر سکتا تھا جس وقت کہ میرے ہاتھ میں تلوار ہوتی۔ میں تیری بزدلی اور نامردی سے بخوبی واقف ہوں لیکن چند بد معاشوں نے تیری اطاعت کی کہ ان کی طاقت پر تو حملہ کرتا ہے۔ یہ سن کر عمر کو غصہ آیا اور کہا تو صہاک کا نام لیتا ہے۔ زبیر نے کہا صہاک کون ہے کہ میں اس کا نام نہیں لے سکتا صہاک حبشیہ میرے جد عبد المطلب کی کنیز تھی اور زنا کار تھی اور تیرے جد نفیل نے اس سے زنا کی تو تیرا باپ خطاب پیدا ہوا اور جب وہ ولد الزنا اس سے پیدا ہوا تو عبد المطلب نے صہاک کو تیرے جد کو بخش دیا اور تیرا باپ ہمارے جد کا غلام تھا۔ یہ سن کر ابوبکر نے ان کے درمیان صلح کرا دی اور انھوں نے ایک دوسرے سے ہاتھ اٹھایا۔ سلیم کہتے ہیں کہ میں نے سلمان سے کہا کہ تم نے ابوبکر کی بیعت کی اور کچھ نہ کہا۔ سلمان نے کہا میں نے بیعت کے بعد کہا کہ تم ہلاک ہوئے اور قیامت تک ملعون ہوئے۔ جانتے ہو کہ تم نے اپنے ساتھ کیا کیا۔ کافروں کی سنت تم نے اختیار کی اور اس امت میں افتراق و اختلاف پیدا کر دیا اور اپنے پیغمبرؐ کی سنت سے ہاتھ اٹھا لیا۔ یہاں تک کہ خلافت کو اس کے معدن سے نکالا۔ عمر نے کہا کہ تو اور تیرے امام نے جب بیعت کر لی تو اب تم جو چاہو کہو۔ میں نے کہا کہ میں نے رسول خداؐ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ تجھ پر اور تیرے رفیق پر جس کی تو نے بیعت کی ہے قیامت تک تمام امت کے گناہوں کے مثل گناہ ہے اور تمام امت کے عذاب کے مانند تم پر عذاب ہوگا۔ عمر نے کہا تو جو چاہے کہہ تیرے امام نے بیعت کر لی اور تیری آنکھیں روشن نہیں ہوئیں۔ کیونکہ خلافت ان کو نہیں ملی۔ میں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کی بعض کتابوں میں میں نے پڑھا ہے کہ جہنم کا ایک دروازہ تمھارے نام و نسب و صفت پر ہے کہا تو جو چاہے کہہ۔ خدا نے خلافت ان اہلبیت سے دور کر دی جن کو تم سب خدا کے علاوہ خدا سمجھتے تھے۔ میں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اس آیت فیومئذٍ لایعذب عذابہ احد ولا یوثق وثاقہ احد کی تفسیر میں جناب رسول خداؐ سے سنا کہ یہ تیری شان میں ہے یعنی اس کا عذاب اور اس کی سختی تمام کافروں سے شدید تر ہے۔

آخر عمر نے کہا خاموش ہو۔ خدا تیری آواز کو بند کرے اے زن گندیدہ کے فرزند کے غلام۔ اس وقت جناب امیرؑ نے فرمایا کہ اے سلمانؓ میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ خاموش ہو جاؤ۔ سلمانؓ

کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر امیرالمومنینؑ مجھ کو خاموش رہنے کا حکم نہ دیتے تو ہر آیت جو اس کی شان میں نازل ہوئی ہے اور ہر حدیث جو جناب رسول خداؐ سے اس کے اور ابوبکر کے حق میں سُنی تھی سب کو بیان کرتا۔ جب عمر نے دیکھا کہ میں خاموش ہوگیا تو تہدیداً کہا کہ تو اُن کا مطیع و فرمانبردار ہے۔ الغرض جب ابوذرؓ اور مقدادؓ نے بیعت کی اور کوئی بات نہ کہی تو عمر نے کہا اے سلمان کیوں تو خاموش نہیں ہوتا جس طرح تیرے دو ساتھیوں نے بیعت کی اور کچھ نہ کہا۔ اہلبیتؑ سے تیری محبت اور تیرا اُن کی تعظیم کرنا ان سے زیادہ نہیں ہے۔ ابوذرؓ نے کہا اے عمر کیا تو ہم کو محبت آلِ محمدؐ اور ان کی تعظیم پر طعن و طنز کرتا ہے۔ خدا لعنت کرے، اور کی ہے اُس شخص پر جو اُن کو دشمن رکھتا ہے اور اُن پر افترا کرتا ہے اور اُن کا حق ظلم کے ساتھ اُن سے لیتا ہے۔ اور لوگوں کو اُن پر مسلط کرتا ہے اور اُس امت کو دین سے منحرف کرتا ہے۔ عمر نے کہا آمین خدا لعنت کرے۔ اس پر جو اُن کے حق میں ظلم کرے۔ خلافت میں اُن کا کوئی حق نہ تھا وہ اور تمام لوگ اِس امر میں مساوی تھے۔ ابوذرؓ نے کہا پھر تم نے انصار پر قرابت رسولؐ کیوں حجت قائم کی۔ اُس وقت جناب امیرؑ نے فرمایا کہ اے پسر ضہاک ہم کو اس میں کوئی حق نہیں ہے اور خلافت تجھ سے اور مکھی کھانے والی عورت کے دنی فرزند ابوبکر سے مخصوص ہے عمر نے کہا اب جبکہ تم نے بیعت کر لی ہے ان باتوں کو چھوڑو۔ عوام الناس میرے رفیق سے راضی ہوئے۔ اور تم سے راضی نہیں ہوتے اس میں میرا کیا گناہ ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا مگر خدا اور رسولؐ راضی نہیں ہیں لیکن میرے ساتھ۔ لہٰذا تم کو اور تمہارے صاحب کو اور ان لوگوں کو جنھوں نے تمہاری اطاعت اور مدد کی ہے خدا کے غضب اور اُس کے عذاب و خواری کی خوشخبری ہو، وائے ہو تجھ پر پسر خطاب تو نہیں جانتا کہ تو نے کیا کیا اور کیا عذاب اپنے اور اپنے صاحب کے لیے تو نے مہیا کیا ہے۔ ابوبکر نے کہا اے عمر اب جبکہ انھوں نے بیعت کر لی ہے اور ہم ان کے شر و فتنہ سے مطمئن ہو گئے ہیں چھوڑو جو چاہیں وہ کہیں۔ جناب امیرؑ نے فرمایا کہ ایک بات کے سوا کچھ نہ کہوں گا۔ میں تم کو خدا کی یاد دلاتا ہوں اے چاروں افراد یعنی سلمانؓ ابوذرؓ و مقداد و زبیر کیا تم نے نہیں سنا ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ جہنم میں آگ کا ایک صندوق ہے جس میں بارہ اشخاص ہوں گے چھ سابقہ امتوں میں سے اور چھ افراد اس امت کے اور وہ صندوق جہنم کے قعر میں ایک کنوئیں میں ہے اور اُس کنوئیں کے منہ پر ایک پتھر ہے کہ جب چاہتا ہے کہ جہنم کو مشتعل کرے تو حکم دیتا ہے کہ اُس پتھر کو اس کنوئیں کے دہانے سے ہٹا دیں تو تمام جہنم اُس کنوئیں کی حرارت سے مشتعل ہو جاتا ہے۔ امیرالمومنینؑ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے رُوبرو رسولِ خداؐ سے سوال کیا کہ وہ کون لوگ ہیں فرمایا کہ پہلا پسر آدمؑ ہے جس نے اپنے بھائی

کو مار ڈالا ۔ اور فرعون و نمرود اور بنی اسرائیل میں سے دو اشخاص ایک نے یہود کو گمراہ کیا اور دوسرے نے نصاریٰ کو اور اُن میں کا چھٹا ابلیس ہے ۔ اور اِس اُمّت میں سے دجال ہے اور پانچ اشخاص وُہ جنھوں نے صحیفہ ملعونہ لکھنے پر اتفاق کیا اور اے میرے بھائی تمھاری عداوت پر اتفاق کیا اور ایک دوسرے کی، تمھارا حق غضب کرنے میں مدد کی ۔ یہاں تک کہ اُن پانچوں اشخاص کے نام لیے تو ہم چاروں اشخاص نے گواہی دی کہ ہم اس واقعہ میں موجود تھے اور سب سُنا ہے ۔ عثمان نے کہا کیا تمھارے اور تمھارے اصحاب کے پاس کوئی حدیث ہے جو تم نے میرے حق میں سُنی ہو ۔ علیؑ نے کہا ہاں میں نے رسُولِ خداؐ سے سُنا کہ حضرتؐ نے تم پر لعنت کی ہے ۔ پھر اُس لعنت کے بعد میں نے نہیں سُنا کہ استغفار کیا ہو ۔ عثمان غضبناک ہوئے اور کہا مجھ کو تم سے کیا واسطہ تم کسی حال میں مجھ پر اختیار نہیں رکھتے نہ رسُولِ خداؐ کی حیات میں اور نہ اُن کی وفات کے بعد ۔ زبیر نے کہا ہاں خدا تمھاری ناک خاک پر رگڑے ۔ عثمانؓ نے کہا خُدا کی قسم میں نے رسُولِ خداؐ سے سُنا کہ آپ نے فرمایا کہ زبیر مرتد قتل کیا جائے گا ۔ سلمانؓ کہتے ہیں کہ اُس وقت جناب امیرؑ نے مجھ سے آہستہ فرمایا کہ سچ کہتا ہے ۔ زبیر قتل عثمان کے بعد مجھ سے بیعت کرے گا ۔ پھر میری بیعت توڑ دے گا اور مُرتد قتل ہو گا ۔ سلیم کہتے ہیں کہ پھر سلمان نے کہا کہ رسُولِ خداؐ کے بعد سب لوگ سوائے چار اشخاص کے مُرتد ہو گئے ۔ اور لوگ جناب رسُولِ خداؐ کے بعد بمنزلہ ہارون اور اُن کے پیرو کے اور بمنزلہ گوسالہ اور اس کے پیرو کے ہو گئے ۔ لہٰذا علی علیہ السّلام بمنزلہ ہارونؑ اور اول بمنزلہ گوسالہ اور دوم بمنزلہ سامری کے ۔ اور میں نے رسُولِ خداؐ سے سُنا کہ آپؐ نے فرمایا کہ ایک گروہ میرے اصحاب میں سے میرے پاس آئے گا جو بظاہر میرے نزدیک، قرب و منزلت رکھتا ہو گا کہ صراط سے گذرے جب میں ان کو دیکھوں گا ۔ اور وہ مجھے دیکھیں گے اور میں ان کو پہچانوں گا اور وُہ مجھ کو پہچانیں گے تو ملائکہ ان کو میرے پاس سے اُچک لے جائیں گے ۔ میں کہونگا خداوندا یہ میرے اصحاب ہیں تو وہ مجھ سے کہیں گے کہ آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا ہے ۔ جب آپ اِن سے جُدا ہوئے تو یہ مُرتد ہو گئے اور دین سے پھر گئے ۔ تو میں کہوں گا کہ ان کو دُور کرو ۔ اور میں نے رسُولِ خداؐ سے سُنا کہ (میرے اصحاب) بنی اسرائیل کی سنّت اور طریقوں کے مُرتکب ہوں گے نعلین (جُوتے کے جوڑے) بالشت سے بالشت، ہاتھ سے ہاتھ کے موافق کیونکہ توریت اور قرآن مجید ایک ہاتھ، ایک قلم اور ایک صحیفہ سے لکھا ہوا ہے اور ان دونوں اُمتوں کی مثالیں ایک طریقے مساوی ہیں اور حضرت صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جب جناب امیرؑ کو بیعت کے لیے مکان سے نکالا جناب فاطمہ زہراؑ باہر نکلیں تمام بنی ہاشم کی عورتیں بھی آپ کے ساتھ

باہر نکلیں۔ جب وہ معصومہ جناب رسولِ خداؐ کی قبر کے نزدیک پہنچیں کہا میرے پسرِ عم کو چھوڑ دو، اُس خدائے برحق کی قسم جس نے محمدؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر ان سے باز نہیں آتے ہو تو اپنے بال کھولتی ہوں اور پیراہن رسولِ خداؐ اپنے سر پہ رکھ کر بارگاہِ خدا میں فریاد بلند کرتی ہوں۔ خدا کے نزدیک ناقہ صالح مجھ سے زیادہ گرامی نہ تھا اور اُس کا بچہ میرے بچّے سے زیادہ بلند مرتبہ نہ تھا۔ سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں اُن معظمہ کے قریب تھا۔ خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ مسجد کی دیواریں بُنیاد سے اکھڑ کر اس قدر بلند ہوئیں کہ اگر کوئی چاہتا تو اُس کے نیچے سے گذر سکتا تھا میں اُن معظمہ کے نزدیک گیا اور کہا اے میری سیدہ اور خاتون خدا نے آپ کے پدر کو عالمین کے لیے رحمت بنایا تھا آپ اِن پر نزول عذاب کا سبب نہ ہوں تو وہ معظمہ مسجد سے باہر چلی گئیں اور مسجد کی دیواریں اپنی جگہ پر نیچے آئیں اور اُن کی جڑوں سے بہت زیادہ غبار بلند ہوا، اور ہماری ناکوں میں بھر گیا۔ دوسری روایت کے مطابق جناب فاطمہؑ نے حسنین علیہما السّلام کا ہاتھ پکڑا اور جناب رسولِ خداؐ کی قبر مطہر کی جانب روانہ ہوئیں تاکہ ان پر نفرین کریں امیرالمومنینؑ نے سلمان سے کہا کہ جاؤ اور دخترِ رسولؐ تک جلد پہنچو۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ مدینہ کی دیواریں حرکت میں آگئیں ہیں۔ اگر وہ اپنے بال کھولیں گی اور گریبان چاک کریں گی اور اپنے پدر بزرگوار کی قبر تک جاکر خدا کی درگاہ میں فریاد کریں گی تو اس جماعت کو مُہلت نہ ملے گی۔ اور مدینہ زمین میں اپنی آبادی سمیت دھنس جائے گا۔ یہ سُن کر سلمان اُن معظمہ کے پاس پہنچے اور کہا کہ امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں کہ واپس جائیے اور صبر کیجیے اور اس اُمت پر عذاب کا باعث نہ بنئے۔ یہ سُن کر جناب فاطمہؑ نے فرمایا کہ اگر ان کا حکم ہے تو واپس جاتی ہوں اور صبر کرتی ہوں اور معتبر سندوں سے حضرت صادقؑ سے روایت کی ہے کہ جس وقت جناب امیرؑ کا گریبان پکڑ کر کھینچتے ہوئے ابوبکر کے پاس لائے۔ اور حضرت رسالت مآبؐ کی قبر مطہر کے پاس پہنچے امیرالمومنینؑ نے اِس آیت کی تلاوت فرمائی "یابن ام ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی"۔ اُسی وقت ایک ہاتھ قبر سے باہر نکلا اور ابوبکر کی طرف بڑھا۔ جس کو سب نے پہچانا کہ رسولِ خداؐ کا ہاتھ ہے اور ایک آواز آئی جس کو سب نے پہچانا کہ رسولؐ خدا کی آواز ہے کہ اکفرت بالذی خلقک من تراب ثم من نطفۃ ثم سواک رجلا۔ یعنی کیا تو اُس خدا سے کافر ہوگیا جس نے تجھ کو خاک سے پھر نطفہ سے پیدا کیا۔ پھر تجھ کو درست کرکے ایک مرد بنایا۔ خاصہ کے طریق سے جناب صادقؑ سے اور عامہ کے طریق سے زید بن وہب سے روایت کی ہے کہ اکابر مہاجر و انصار نے ابوبکر کی خلافت سے انکار کیا اور کافی حجتیں اُن پر تمام کیں۔ مہاجرین میں سے خالد بن سعید بن العاص جو بنی اُمیہ میں سے تھے۔ اور سلمانؓ و ابوذرؓ و مقدادؓ و عمارؓ و بریدہؓ اسلمی تھے اور انصار میں سے ابوالہیثم

بن التیہان و سہل بن حنیف و عثمان بن حنیف و ذوالشہادتین و خزیمہ بن ثابت و ابن ابی کعب و ابوایوب انصاری تھے۔ جب ابوبکر منبر کے اوپر گئے، ان لوگوں نے مشورہ کیا بعض نے کہا کہ ہم چلتے ہیں اور اُن کو منبر سے نیچے اُتارتے ہیں۔ دوسرے نے کہا اگر ایسا کرو گے تو قتل کر دیئے جاؤ گے۔ اور خدا نے فرمایا ہے کہ اپنے ہاتھ سے اپنے کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ آخر اُن کی رائے یہ ہوئی کہ جناب امیرؑ کے پاس چل کر اُن سے مشورہ کریں۔ الغرض وہ حضرتؑ کے پاس گئے اور کہا یا امیرالمومنینؑ آپ ابوبکر سے اس کے زیادہ حقدار اور اولیٰ ہیں۔ کیونکہ ہم نے جناب رسولِ خداؐ سے سُنا ہے آپ فرماتے تھے علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق علیؑ کے ساتھ ہے علیؑ جس طرف جاتے ہیں حق اُن کے ساتھ ہوتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان کو منبر سے نیچے کھینچ لائیں اور آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ آپ کی رائے اِس بارے میں معلوم کریں حضرتؑ نے فرمایا۔ خدا کی قسم اگر ایسا کرو گے تو اُن سے جنگ کرنا پڑے گا۔ اور تم ان کی نسبت کھانے میں نمک کے مانند ہو اور آنکھ میں سُرمہ کے مثل ہو۔ وہ میرے پاس شمشیر برہنہ لیے ہوئے جنگ پر آمادہ آئیں گے اور کہیں گے کہ بیعت کرو، ورنہ تم کو قتل کر دیں گے تو مجھے چاہیئے کہ میں ان سے جنگ کروں اور اُن کے شر کو اپنے سے دفع کروں اور یہ جناب رسولِ خداؐ کے ارشاد کے خلاف ہے۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے اپنی وفات سے پہلے مجھ سے فرمایا تھا کہ یہ اُمت تمہارے ساتھ غداری کرے گی اور تمہارے بارے میں میرا عہد توڑ دے گی اور تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی اور میری اُمت میرے بعد ہارونؑ اور اُن کے پیرو اور سامری اور اُس کے پیرو کے مانند ہو جائے گی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہؐ جب ایسا ہو تو میں کیا کروں۔ فرمایا اگر مددگار پاؤ تو جنگ میں سبقت کرنا اور جہاد کرنا اور اگر مددگار نہ پاؤ تو ہاتھ روک رکھنا اور اپنی جان کی حفاظت کرنا تاکہ میرے پاس مظلوم آؤ۔ اور جب جناب رسولِ خداؐ ملاءِ اعلیٰ کی جانب تشریف لے گئے اور میں آپ کے غسل و کفن میں مشغول ہوا تو میں نے قسم کھائی کہ سوائے نماز کے ردا اپنے دوش پر نہ رکھوں گا۔ یہاں تک کہ قرآن کو جمع کروں اور میں نے کیا۔ پھر میں حسنینؑ کو ساتھ لے کر اہلِ بدر کے دروازوں پر گیا۔ جنھوں نے راہِ دین میں کارہائے نمایاں کیے تھے۔ اور اُن کو قسم دی کہ میرے حق کی رعایت کریں اور اُن کو اپنی مدد کے لیے بُلایا۔ اُنھوں نے منظور نہ کیا۔ سوائے چار اشخاص کے اور وہ سلمانؓ ابوذرؓ، مقدادؓ اور عمارؓ ہیں۔ لہٰذا خدا سے ڈرو اور خاموش رہو۔ اس کے لیے کہ جو کچھ ان کے دلوں کے کینوں اور بغض و عداوت کو جانتے ہو۔ جو اُن کو خدا و رسولؐ اور اُن کے اہلبیتؑ سے ہے لیکن تم ان کے پاس جاؤ اور اُن پر ظاہر کرو جو کچھ تم نے میرے اور اُن کے بارے میں

رسولِ خداؐ سے سُنا ہے تاکہ اُن پر پوری طرح حجت تمام ہو جائے اور اُن کا کوئی عذر باقی نہ رہے اور رسولِ خداؐ کے نزدیک جب وہ اُن سے مُلاقات کریں تو اُن کا حال بدتر ہو۔ الغرض روزِ جمعہ جب ابوبکر منبر پر گئے۔ سب لوگ اُن کے منبر کے گرد جمع ہوئے۔ مہاجرین میں سے جس شخص نے سب سے پہلے گفتگو کی خالد بن سعید تھے۔ چونکہ بنی اُمیہ کی مدد پر بھروسہ تھا۔ اس لیے کہا کہ اے ابوبکر خُدا سے ڈرو۔ تم جانتے ہو کہ جناب رسُولِ خداؐ نے روزِ قریظہ فرمایا تھا کہ اے گروہ مہاجرین و انصار میں تم کو ایک وصیت کرتا ہوں۔ یاد رکھو کہ بیشک میرے بعد علیؑ امیر المومنین ہیں، اور تمھارے درمیان میرے خلیفہ ہیں۔ مجھے میرے پروردگار نے یہ وصیت کی ہے اور اگر اُن کے حق میں میری وصیت کو یاد نہ رکھو گے اور اُن کی مدد نہ کرو گے تو اپنے احکام میں اختلاف کرو گے۔ اور تمھارا امرِ دین تم پر مشتبہ ہو جائے گا اور تمھارے بدکردار حاکم ہو جائیں گے یقیناً میرے اہلبیتؑ میرے وارث ہیں اور میرے بعد میری سُنت پر عمل کرنے والے ہیں۔ خداوندا جو شخص میری اُمت سے اُن کی اعانت کرے اور ان کے حق میں میری وصیت کو یاد رکھے۔ تو اُس کو میرے زمرہ میں محشور کر اور اس کے لیے میری موافقت کے سبب کامل حصہ قرار دے جس سے اُن کو آخرت کی کامیابی اور نجات حاصل ہو۔ اور جو شخص میرے اہلبیتؑ سے خلافت رد کرے تو اُس کو بہشت سے محروم رکھنا۔ جس کی چوڑائی ہمارے آسمان و زمین کی چوڑائی کے برابر ہے۔ یہ سُن کر عمر اُن پر معترض ہوئے اور خالد نے اُن کے حسب و نسب اور اُن کے قبیح اعمال کے بارے میں بہت کچھ کہا۔ اور آخر میں کہا کہ تمھاری مثال اس امر میں شیطان کی مثال ہے جس کے بارے میں خدا نے قرآن میں فرمایا ہے کہ اُس کی مثال شیطان کے مانند ہے۔ جبکہ اُس نے انسان سے کہا کہ کافر ہو جا۔ جب وہ کافر ہوا تو کہا میں تجھ سے بیزار ہوں۔ پھر ان دونوں کی عاقبت یہی ہوگی کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور یہ ہے ظالموں کی جزا۔ سلمان کہتے ہیں کہ پھر میں اُٹھا اور ابتدا میں فارسی میں کہا کہ انھوں نے جو کیا تم نے بھی کیا اور تم نے نہیں سمجھا کہ تم نے کیا کیا۔ پھر عربی میں کہا کہ اے ابوبکر اگر کبھی ایسا مسئلہ درپیش ہوا جس کو تم نہ جانتے ہو تو کس سے پوچھو گے اور جب تم سے کسی مشکل امر کے بارے میں لوگ دریافت کریں گے تو کس کی پناہ لو گے اور کیا عذر کرو گے۔ اس بارے میں کہ تم اُس پر تقدم کرتے ہو۔ جو تم سے زیادہ دانا اور سمجھدار ہے اور اُس کی قرابت رسُولِ خداؐ تم سے بہت زیادہ نزدیک ہے اور کتابِ خدا کی تاویل اور پیغمبرؐ کی سنت سے تم سے زیادہ واقف ہے اور رسُولِ خداؐ نے اپنی حیات میں اپنی وفات کے نزدیک اس کو مقدم کیا تھا تو تم نے اُن کی وصیت کو ترک کر دیا اور اُن کے ارشاد کو بُھلا دیا اور اُن سے وعدہ کے خلاف کیا اور ان کے عہد کو توڑ ڈالا اور امارت اسامہ

کے حکم کو کہ رسولِ خداؐ نے اس کو تم پر امیر مقرر کیا تھا کہ تم کو مدینہ سے باہر لے جائے تاکہ تم یہ فسادات برپا نہ کرو اور اُمت پر ظاہر ہو جائے کہ تم نے کسی امر میں رسولؐ کی اطاعت نہیں کی تم نے اس حکمِ رسولؐ کو توڑ ڈالا۔ عنقریب تمھاری عمر ختم ہو جائے گی اور بھاری بوجھ کو لے کر تم قبر میں جاؤ گے۔ لہٰذا جہاں تک جلد ممکن ہو تو یہ کرو اور اس عظیم وبال کو آخرت میں مت لے جاؤ بیشک جو کچھ ہم نے علیؑ کے حق میں سنا ہے تم نے بھی سنا ہے اور جو کچھ ہم نے دیکھا ہے تم نے بھی دیکھا ہے اور یہ تمام باتیں تم کو مانع نہ ہوئیں۔ اس سے کہ ایسے امرِ عظیم کو اپنی گردن پر تم نے اُٹھالیا۔ پھر ابوذر کھڑے ہوئے اور کہا اے گروہ قریش عجیب قباحت تم نے کیا اور قرابتِ رسولؐ سے ہاتھ اُٹھالیا۔ اِس سبب سے عرب کی کثیر جماعت مُرتد ہو جائے گی اور اس دین میں شک کریں گی اگر اپنے پیغمبرؐ کے اہلبیت پر معاملہ کو چھوڑ دیتے تو اختلاف تمھارے درمیان پیدا نہ ہوتا اب جبکہ تم نے ایسا کیا ہے جو بھی طاقت رکھتا ہوگا خلافت پر متصرف ہو جائے گا اور خلافت طلب کرنے میں بہت خون بہہ جائے گا تم بھی جانتے ہو اور تمھارے سب نیک لوگ جانتے ہیں کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ میرے بعد خلافت علیؑ سے متعلق ہے اس کے بعد میرے دونوں فرزند حسن و حسین علیہما السلام سے اس کے بعد میری ذریّت کے طاہر لوگوں سے متعلق ہوگی تو تم نے اپنے پیغمبرؐ کے ارشاد کو پس پشت ڈال دیا اور آخرت باقی کو دنیائے فانی کے عوض فروخت کر دیا اور گذشتہ اُمتوں کی سنتوں کی پیروی کی جو اپنے پیغمبروں کے بعد کافر ہوگئیں تم بہت جلد اپنے عمل کا وبال دیکھو گے اور کردار کا بدلا پاؤ گے اور خدا ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ پھر مقداد اُٹھے اور ان کو بہت نصیحتیں کیں اور کہا اے ابوبکر جانتے ہو کہ علیؑ کی بیعت تمھاری گردن میں ہے اور رسولِ خداؐ نے تم کو اور عمر کو اسامہ کی ماتحتی میں جو رسولِ خداؐ اور امیرالمومنینؑ کا آزاد کردہ ہے داخل فرمایا اور اُس کو تم پر امیر قرار دیا۔ یہ خیال تمھارے دلوں میں نہیں پہنچتا۔ پھر دوسری مرتبہ تم کو غزوہ ذات السلاسل میں معدنِ شقاق و نفاق عمرو بن العاص کی ماتحتی میں داخل کیا اور وہ منافق وہ ہے جس کی شان میں اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَر نازل ہوا اور ایسے منافق کو تم پر امیر مقرر کیا اور تمام منافقوں اور عمر اور تم کو اُس لشکر کا چاؤش لشکر کے آگے چلنے والا یعنی نقیب مقرر کیا۔ چاؤشی سے اکبارگی تم نے خلافت تک ترقی کی اور یقین کے ساتھ جانتے ہو کہ خلافتِ رسولؐ کے بعد علیؑ بن ابی طالب کا حق ہے اُن کا حق اُن کے سپرد کرو اس کے بعد بریدہ اسلمی کھڑے ہوئے اور کہا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن حق نے باطل سے کیسی تکلیف پائی۔ اے ابوبکر کیا تم بھول گئے یہ کہ رسولِ خداؐ نے ہم سب کو حکم دیا تھا کہ علیؑ کو امیرالمومنینؑ کہیں اور ان کو امیرالمومنینؑ کہہ کر سلام کریں اور بہت سے موقعوں پر فرمایا کہ یہ

امیرالمومنینؑ اور قاسطین کا قتل کرنے والا ہے۔ اے ابوبکر خُدا سے ڈرو اور حق کو جو اس کا زیاد
حق دار ہے اُس کو واپس کر دو۔ پھر عمار اُٹھے اور کہا اے گروہ قریش اور اے مُسلمانوں سمجھو ک
اہلبیت رسُولؐ خلافت کے زیادہ حقدار ہیں اور ان کی میراث کے زیادہ سزاوار ہیں اور اُمورِ د
میں سب سے زیادہ قائم رہ سکتے ہیں اور ملتِ رسُول اللہؐ کی بہتر حفاظت کر سکتے ہیں اور س
سے زیادہ اُمت کے خیر خواہ ہیں لہٰذا اپنے صاحب سے کہو کہ حق ان کے اہل کو پہنچا دیں قبل
اس کے کہ تمھارا معاملہ کمزور ہو اور فتنۂ عظیم برپا ہو اور دُشمن تم پر طمع کریں اور تم جانتے ہو کہ خ
و رسُولؐ کے عہد کے ساتھ علیؑ تمھارے ولی ہیں اور یہ بھی جانتے ہو کہ بہت موقعوں پر رسُولِ خ
نے تمھارے اور ان کے درمیان فرق قائم فرمایا ہے۔ حضرتؐ نے تمھارے دروازے مسجد
بند کرا دیئے۔ سوائے علیؑ کے دروازے کے۔ اور دُختر مطہرہ ان کو دی اور بہت سے طلبگارو
کی خواہش رَد کر دی۔ اور فرمایا کہ میں حکمت کا شہر ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہیں۔ جو شخص حکمت
حاصل کرنا چاہے اس کے دروازہ سے آئے۔ اور تم ہمیشہ امورِ دین میں ان کے محتاج ہو
کسی امر میں تمھارے محتاج نہیں ہیں باوجود اُن سابقہ فضیلتوں کے جو وُہ رکھتے ہیں اور
میں سے کوئی نہیں رکھتا۔ لہٰذا کیوں ان کو چھوڑ کر دوسرے کی جانب رُخ کرتے ہو۔ اور اُ
کے حق کو غارت کرتے ہو "بئس للظالمین بدلا" اِس کے بعد اِبن ابی کعب اُٹھے اور
اے ابوبکر اس حق سے اِنکار مت کرو جسے خدا نے دوسروں کے لیے قرار دیا ہے اور حق
اُس کے اہل کو پہنچا دو۔ پھر بہت سی نصیحتیں کیں۔ ان کے بعد خزیمہ اُٹھے اور کہا ایہا النا
کیا نہیں جانتے ہو کہ رسُولِ خداؐ نے میری تنہا شہادت قبول فرمائی ہے لوگوں نے کہا ہاں
ہیں تو کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے رسُولِ خداؐ سے سُنا ہے آپ فرماتے تھے کہ می
اہلبیتؑ حق کو باطل سے جُدا کرنے والے ہیں اور وُہ آئمہ ہیں کہ ان کی پیروی کرنی چاہیئے۔
نے وہ کہا ہے جو جانتا تھا اور "وما علی الرسُول الا البلاغ المبین"۔ پھر ابوالہیثمؓ اُ
اور کہا میں اپنے پیغمبرؐ کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے علیؑ کو روزِ غدیرِ خم کھڑا کیا۔ انصار نے
ہاں نہیں کھڑا کیا مگر خلافت کے لیے بعضوں نے کہا ان کو اس لیے کھڑا کیا تاکہ لوگوں کو معل
ہو جائے کہ وہ ہر اُس شخص کے مولا ہیں جس کے مولا پیغمبرؐ ہیں۔ ہم نے کچھ لوگوں کو آنحضرتؐ
پاس بھیجا کہ وہ حضرتؐ سے سوال کریں۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ کہو علیؑ میرے بعد مومنین کے
ہیں اور لوگوں کے سب سے زیادہ خیر خواہ ہیں۔ میں جو کچھ جانتا تھا اس کی گواہی دی ہے ل
جو شخص چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر ہو جائے۔ سب کی وعدہ گاہ قیامت کا دن
اس کے بعد سہل بن حنیف اُٹھے اور حمد و صلوٰۃ کے بعد کہا اے گروہ قریش گواہ رہنا کہ میں

پر گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ان کو اس مقام پر یعنی قبر و منبر کے درمیان دیکھا کہ وہ علیؑ کا ہاتھ پکڑے ہوئے فرماتے تھے کہ ایہا الناس میرے بعد یہ علیؑ تمھارے امام ہیں اور میری حیات اور میری وفات کے بعد میرے وصی ہیں اور میرے دَین کے ادا کرنے والے ہیں اور میرے عہد اور وعدوں کو پورا کرنے والے ہیں اور وہ پہلے شخص ہیں جو حوضِ کوثر پر مجھ سے مصافحہ کریں گے لہٰذا کیا کہنا ہے اُس کا جو اُن کی پیروی اور مدد کرے اور اُس پر وائے ہو جو اُن سے منحرف ہو اور اُن کی مدد نہ کرے۔ اس کے بعد اُن کے بھائی عثمان اُن کے ساتھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ میں نے رسُولِ خداؐ سے سُنا کہ آپ فرماتے تھے کہ میرے اہلبیتؑ زمین کے ستارے ہیں لہٰذا اُن پر تقدیم مت کرو بلکہ ان کو مقدم رکھو۔ کیونکہ وہ میرے بعد میرے والی ہیں۔ اُس وقت ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا یا رسُولؐ اللہ آپ کے اہل بیتؑ کون ہیں۔ فرمایا علیؑ اور اُس کے طاہر فرزندوں میں سے۔ لہٰذا اے ابوبکر تم پہلے شخص نہ ہو کہ اس بات سے کافر ہو اور خدا اور اُس کے رسُول سے خیانت کرو۔ اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو، حالانکہ حق کو جانتے ہو۔ پھر ابوایوب انصاری اُٹھے اور کہا اے خدا کے بندو! اپنے پیغمبرؐ کے حق کے بارے میں خدا سے ڈرو اور اُن کا حق اُن کو دے دو جسے خدا نے اُن کے لیے قرار دیا ہے۔ بیشک تم نے بھی سُنا ہے جو کچھ ہمارے بھائیوں نے سُنا ہے کہ رسُولِ خداؐ نے متعدد مقامات پر کہا ہے کہ میرے اہلبیتؑ میرے بعد تمھارے امام ہیں اور اشارہ علیؑ کی جانب کیا کہ یہ نیکوں کے امیر ہیں اور کافروں کے قتل کرنے والے ہیں۔ جو شخص ان کو چھوڑ دے گا خدا اس کو چھوڑ دے گا۔ اور جو شخص اُن کی مدد کرے گا خدا اُس کی مدد کرے گا۔ لہٰذا اپنے ظلم سے خدا سے توبہ کرو۔ بیشک خدا توبہ قبُول کرنے والا اور رحیم ہے۔ حضرت صادقؑ نے فرمایا کہ ابوبکر منبر پر خاموش تھے اور کچھ جواب نہ دے سکے۔ پھر کہا میں تمھارا والی و حاکم ہوا ہوں۔ لیکن تم سے بہتر نہیں ہوں۔ تم میری بیعت سے باز آؤ اور ہاتھ مجھ سے اُٹھا لو۔ یہ سُن کر عمر نے کہا اے احمق منبر سے اُتر آ جبکہ تو قریش کی دلیلوں کا جواب نہیں دے سکتا تو کیوں اس مقام پر پہنچ گیا۔ خدا کی قسم میں چاہتا ہوں کہ تم کو معزول کروں اور خلافت حذیفہ کے غلام سالم کو دے دوں۔ یہ سُن کر ابوبکر منبر سے اُتر آئے اور عمر کا ہاتھ پکڑ کے اپنے گھر گئے۔ اور تین روز تک مسجد میں نہیں آئے۔ چوتھے روز خالد بن ولید ہزاروں آدمیوں کے ساتھ آیا اور کہا کیا بیٹھے ہو۔ خدا کی قسم بنی ہاشم خلافت کی طمع میں ہیں کہ خلافت پر متصرف ہوں اور سالم ہزار شخصوں کے ساتھ آیا اور معاذ بن جبل ہزار افراد کے ساتھ آیا اور پے در پے چار ہزار منافقین جمع ہو گئے۔ اور شمشیر برہنہ کے ساتھ باہر نکلے اور عمر اُن کے آگے آگے تھے۔ یہاں تک کہ مسجدِ نبوی میں داخل ہوئے۔ عمر نے کہا کہ خدا کی قسم اے اصحاب

علیؑ اگر تم میں سے کسی ایک نے کوئی بات کہی جیسا کہ گزشتہ روز کہی تھی تو اُس کا سر بدن سے جدا کر دوں گا۔ یہ سُن کر خالد بن سعید اُٹھے اور کہا اے پسرِ صہاک حبشیہ اپنی تلواروں سے تو ہم کو ڈراتا ہے یا اپنی اس جمعیت کے ذریعہ سے تم لوگ چاہتے ہو کہ ہم کو پراگندہ کرو۔ خدا کی قسم ہماری تلواریں بھی بہت تیز ہیں۔ اور باوجود کم تعداد ہونے کے ہم تم سے زیادہ ہیں کیونکہ حجت خدا ہمارے درمیان ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا کہ ہمارا امام ہم کو قتال سے منع کرتا اور اس کی اطاعت ہم پر واجب ہے۔ یقیناً ہم تلوار کھینچتے اور جہاد کرتے تاکہ اپنا عذر ظاہر کریں۔ جناب امیرؑ نے فرمایا کہ اے خالد بیٹھو خدا نے تمہاری کوشش راہِ دین میں جان لی اور تم کو نیک جزا دے گا یہ سُن کر وہ بیٹھ گئے۔ پھر سلمان اُٹھے اور کہا اللہ اکبر اللہ اکبر میں نے جناب رسولِ خداؐ سے سُنا۔ اگر میں نے نہ سُنا ہو تو میرے کان بہرے ہو جائیں کہ آپ فرماتے تھے کہ ایک روز ہوگا کہ میرے بھائی اور میرے پسرِ عم اپنے چند اصحاب کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوں گے کہ ناگاہ اہلِ جہنم کے کتوں کی ایک جماعت اُن کو گھیرے گی اور اُس کے اور اُس کے اصحاب کے قتل کرنے کا ارادہ کرے گی اور مجھے شک نہیں ہے کہ تم وہی ہو۔ یہ سُن کر عمر اُٹھے اور چاہا کہ اُن پر حملہ کریں۔ حضرت علیؑ اُٹھے اور اُن کا گلا پکڑ کر زمین پر پٹک دیا اور فرمایا اے فرزند صہاک حبشیہ اگر وہ نامہ نہ ہوتا جو پہلے لکھا گیا ہے اور وہ عہد نہ کیا ہوتا جو جناب رسولِ خداؐ سے پہلے ہو چکا ہے تو تجھ کو دکھاتا کہ کس کا مددگار زیادہ کمزور ہے اور کس کی تعداد زیادہ کم ہے۔ پھر اپنے اصحاب سے فرمایا کہ واپس چلو خدا تم پر رحمت نازل کرے۔ خدا کی قسم اس کے بعد مسجد میں داخل نہ ہونگا۔ مگر اُس روش سے جس طرح موسیٰؑ و ہارونؑ دو بھائی داخل ہوئے جس وقت کہ اصحاب موسیٰؑ نے اُن سے کہا کہ جاؤ تم اور تمہارا خدا جنگ کرو۔ ہم اسی جگہ بیٹھے ہیں۔ اور تمہارے ساتھ جنگ کے لیے نہیں جائیں گے۔ خدا کی قسم ہم یہاں نہیں آئیں گے۔ مگر زیارت رسولِ خداؐ کے لیے یا اُس معاملہ کے لیے جو لوگوں پر مشتبہ ہو جائے گا اور صحیح حکم اُس میں کروں گا کیونکہ اُس حجت کے لیے جائز نہیں ہے جس کو جناب رسولِ خداؐ نے لوگوں کے درمیان نصب کیا ہو یہ کہ لوگوں کو سرگشتہ حیران چھوڑ دے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ مجمل اور قلیل بیان ہے اس میں سے جو بطریق شیعہ اس واقعہ ہائلہ میں وارد ہوئے ہیں۔ اور اکثر یہ مضامین مخالفین کی سیر اور حدیث کی کتابوں میں متفرق طور پر وارد ہوئے ہیں۔ ان میں بعض مضامین کتاب بحار الانوار میں مَیں نے لکھا ہے۔ ان میں سے یہ کہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ قضیہ سقیفہ میں روایتیں مختلف ہیں اور جو کچھ شیعہ کہتے ہیں اور محدثین کی کثیر جماعت نے روایت کی ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے بیعت سے انکار کیا یہاں تک کہ اُن کو جبراً لائے اور زبیر نے بیعت سے انکار کیا اور کہا کہ میں سوائے علیؑ کے کسی کی بیعت

نہ کروں گا۔ اِسی طرح ابوُسفیان، خالد بن سعید، عباسؓ رسُولِ خدا کے چچا اور اُن کے لڑکے، ابُوسفیان بن الحارث اور تمام بنی ہاشم نے بیعت سے اِنکار کیا اور کہتے ہیں کہ زبیر نے تلوار کھینچ لی۔ جب عمر آئے اور اُن کے ساتھ ایک گروہ انصار کا اور ان کے علاوہ لوگوں کا تھا عمر نے کہا زبیر کی تلوار چھین لو اور پتھر پہ مار کر کند کر دو۔ لوگوں نے اُن کی تلوار چھین لی اور پتھر پہ ماری اور توڑ ڈالی اور سب کو جبراً ابوبکر کے پاس لائے یہاں تک کہ بیعت کی اور سوائے علیؑ کے کوئی باقی نہ رہا اور جنابِ فاطمہؑ کی رعائیت کے لیے ان کو باہر نہ لائے بعض کہتے ہیں کہ ان کو گھر سے باہر لائے اور انھوں نے ابوبکر کی بیعت کی۔ اور محمد بن جریر طبری نے ان میں سے بہت کی روایت کی ہے اور کہا ہے کہ جب انصار نے دیکھا کہ خلافت اُن کو نہیں ملتی ہے تو سب نے یا بعض نے اُن میں سے کہا کہ ہم سوائے علیؑ کے کسی کی بیعت نہ کریں گے اسی کے مانند علی بن عبدالکریم معروف بہ ابن اثیر موصلی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ نیز ابن ابی الحدید نے نقل کیا ہے کہ علیؑ جنابِ رسُول خداؐ کی وفات کے بعد کہتے تھے کہ اگر چالیس اشخاص مضبوط ارادہ والے میں پاتا تو جہاد کرتا۔ یہ نصر بن مزاحم نے کتاب صفین میں اور بہت سے اہل سیر نے نقل کیا ہے، اور جو محدثین عامہ اور اُن کے معاونین اور معتبر لوگ کہتے ہیں یہ ہے کہ حضرت امیرؑ نے ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا اور چھ ماہ تک اپنے گھر میں قیام پذیر رہے اور بیعت نہ کی۔ یہاں تک کہ جنابِ فاطمہؑ نے دار فنا و محن سے عالم راحت و بقا کی جانب رحلت کی۔ اور اُن معظمہؑ نے جب رحلت کی تو آپ نے بیعت کی۔ اور صحیح بُخاری میں مذکور ہے کہ جب تک جنابِ فاطمہؑ زندہ رہیں لوگوں کی توجہ اُن حضرتؑ کی جانب رہی اور جب جنابِ فاطمہؑ نے وفات پائی لوگوں کا رُخ آپ کی جانب سے پھر گیا اور آپ کے گھر سے نکل گئے تو آپ نے بیعت کی۔ اور جنابِ فاطمہؑ کی حیات کی مُدت آپ کے پدر کے بعد چھ ماہ تھی۔

تعجب تو یہ ہے کہ باوجودیکہ اس مردِ فاضل نے اپنی صحاح سے نقل کیا ہے اور ابتدا میں کہا ہے کہ جنابِ فاطمہؑ کے بعد جبراً بیعت کی حالانکہ صحیحین کی عبارت صریح ہے اس پر کہ جب تک مددگار پاتے تھے اور جب تک اُن کے لیے ممکن تھا قبول بیعت سے اِنکار کیا۔ اور جب لوگوں کی توجہ آپ کی طرف سے ہٹ گئی تو آپ نے مضطرب ہو کر بیعت کر لی۔ نیز ابن ابی الحدید نے احمد بن عبدالعزیز جوہری کی کتاب سقیفہ سے جس کی ہمیشہ توثیق و توصیف کی ہے نقل کیا ہے کہ جب ابوبکر سے لوگوں نے بیعت کی زبیر و مقداد و صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ علیؑ کے پاس غور و فکر کرتے تھے۔ اور وہ خانۂ فاطمہؑ میں تھے۔ وہ لوگ اپنے معاملات میں مشورہ اور صلاح کرتے تھے۔ وہاں عمر آئے اور جنابِ فاطمہؑ کے گھر میں داخل ہو گئے اور کہا اے دخترِ رسُولِ خداؐ خلائق میں

تمھارے پدر سے زیادہ ہم کو کوئی محبوب نہیں اور تمھارے پدر کے بعد کوئی ہمارے نزدیک تم سے
زیادہ محبوب نہیں ہے۔ خدا کی قسم یہ (محبوبیت) میرے لیے مانع نہیں ہے اس سے کہ اگر یہ
جماعت تمھارے مکان میں جمع ہو گی تو میں آگ سے تمھارا گھر جلا دوں گا۔ تو جب عمر باہر گئے اور
وہ لوگ آئے تو فاطمہؑ نے فرمایا کہ عمر نے ایسا کہا ہے اور میں جانتی ہوں کہ وہ یہ کام کر گزریں گے۔
تم لوگ دوبارہ اس گھر میں مت آنا تو وہ لوگ چلے گئے اور ابوبکر کی بیعت کر لی۔ پھر ابن ابی الحدید
نے کہا ہے کہ معاویہ کی مشہور باتوں میں سے یہ ہے کہ علیؑ کو لکھا کہ کل اپنی زوجہ کو تم نے دراز گوش
پر سوار کیا اور اپنے دونوں فرزندوں حسنؑ و حسینؑ کا ہاتھ پکڑا اور جس روز کہ لوگوں نے ابوبکر کی
بیعت کی تم نے اہلِ بدر و سابق لوگوں کو نہ چھوڑا، مگر یہ کہ اپنی زوجہ اور اپنے لڑکوں کو لے کر
ہر ایک کے دروازہ پر گئے اور چاہا کہ ان کو مصاحب رسُولِ خداؐ سے جنگ کے لیے جمع کرو
اُن لوگوں نے قبول نہ کیا سوائے چار یا پانچ اشخاص کے۔ اگر تم حقدار ہوتے تو تمھاری مدد
کرتے۔ اگر میں تمام باتوں کو بھول جاؤں لیکن یہ نہ بھولوں گا کہ تم نے میرے باپ سے کہا جس
وقت کہ وہ چاہتے تھے کہ اس خیال سے تم کو پھیر دیں جو تم کہتے تھے کہ اگر چالیس اشخاص کو
جو عزم والے ہوں پاتا، تو ابوبکر سے جنگ کرتا۔ ایضاً کتاب جوہری سے روایت کی ہے
کہ سلمانؓ، ابوذرؓ اور انصار چاہتے تھے کہ رسُولِ خداؐ کے بعد علیؑ کی بیعت کریں۔ اور
سلمانؓ نے کہا کہ خوب کیا کہ اختیار انصار کو نہ دیا۔ لیکن یہ غلط کیا کہ اس کے معدن کو جو علیؑ
ہیں نہ دیا۔ دُوسری روایت کے مطابق کہا کہ یہ غلطی کی کہ اہلبیتؑ پیغمبر کو نہیں دیا۔ اگر تم اُن کو
دیتے تو دو شخص بھی تم سے اختلاف نہ کرتے اور اطمینان سے زندگی بسر کرتے۔ جوہری نے
ابوالاسود سے روایت کی ہے کہ ابوبکر کی بیعت میں چند مہاجرین نے غیظ و غضب کیا اور
علیؑ و زبیر نے بھی غصہ کیا اور فاطمہؑ کے گھر میں مسلح ہو کر داخل ہوئے۔ پھر عمر ایک گروہ کے ساتھ
آئے جن میں اسید بن حضیر اور سلیمان بن سلامہ تھے۔ حضرت علیؑ چلائے اور ان کو خدا کی قسم
دی۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اور ہجوم کر کے علیؑ اور زبیر کی تلوار چھین لی اور دیوار پہ مار کر توڑ ڈالی
پھر عمر نے ان کو سختی سے باہر نکالا اور کھینچتے ہوئے لائے یہاں تک کہ انھوں نے بیعت کی
پھر ابوبکر کھڑے ہوئے اور خطبہ پڑھا اور لوگوں سے عذر کیا کہ میری بیعت ایک امر ناگہانی تھی
اور بغیر سوچے سمجھے واقع ہوئی اور خدا نے اُس کے شر سے محفوظ رکھا۔ میں ڈرا کہ فتنہ و فساد
برپا ہو جائے گا۔ خدا کی قسم میں نے کسی دن خلافت کی طمع نہیں کی۔ تم لوگوں نے وہ امر میری
گردن پر ڈالا ہے۔ جس کی طاقت مجھ میں نہیں ہے اور میرے ہاتھ سے پورا نہ ہوگا۔ میں چاہتا
تھا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ طاقتور آدمی میری جگہ پہ ہوتا۔ انھی باتوں سے عذر کرتے تھے

اور مہاجرین نے اُن کا عذر قبول کیا اور دُوسری روایت میں کہا ہے کہ ثابت قیس بھی انہی لوگوں کے ساتھ تھا جبکہ عمر داخل خانۂ فاطمہؑ ہوئے۔ دُوسری روایت میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف بھی اُن کے ساتھ تھے جو عمر کے ساتھ خانۂ فاطمہؑ میں داخل ہوئے۔ اور محمد بن سلمہ بھی اُن لوگوں کے ساتھ تھا۔ اُس نے زبیر کی تلوار توڑ دی۔ پھر کتاب جوہری سے سلمہ بن عبدالرحمٰن نے روایت کی ہے کہ جب ابوبکر منبر پر بیٹھے علیؑ اور زبیر ایک گروہ کے ساتھ خانۂ فاطمہؑ میں تھے۔ عمر ان کے پاس آئے اور کہا اُس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے چلو بیعت کے لیے ورنہ میں گھر جلا دُوں گا۔ یہ سُن کر زبیر شمشیر برہنہ لیے ہوئے باہر آئے۔ انصار میں سے ایک شخص زیاد بن لبید نے اِن کو پکڑ لیا۔ تلوار زبیر کے ہاتھ سے گر پڑی۔ ابوبکر نے منبر سے آواز دی کہ اُس کی تلوار پتھر پہ مار کر توڑ ڈالو۔ تو پتھر پر مار کر توڑ دی۔ پھر ابوبکر نے کہا کہ چھوڑ دو، خدا ان کو لائے گا۔ اور جوہری نے کہا ہے کہ دوسری روایت میں یہ ہے کہ سعد بن ابی وقاص خانۂ فاطمہؑ میں اُن کے ساتھ تھے اور مقداد بھی تھے اور وہ جمع ہوئے تھے کہ علیؑ سے بیعت کریں اور عمر آئے کہ آگ گھر میں لگا دیں۔ زبیر تلوار لیے ہوئے باہر آئے اور جناب فاطمہؑ بھی باہر آئیں فریاد کرتی اور روتی تھیں۔ پھر جوہری نے روایت کی ہے کہ عبداللہ موسیٰ حسنی سے لوگوں نے ابوبکر و عمر کا حال دریافت کیا۔ کہا میں تم کو جواب دیتا ہوں۔ اُس کے جواب میں جو عبداللہ بن حسن نے کہا جس وقت ان دونوں کے بارے میں اُن سے پوچھا تو اُنھوں نے کہا کہ فاطمہؑ صدیقہ اور معصومہ تھیں۔ اور پیغمبر مُرسل کی بیٹی تھیں وُہ دُنیا سے رُخصت ہوئیں اس حال میں کہ اس جماعت پر غضبناک تھیں۔ جن میں یہ دونوں تھے اور ہم اُن کی وجہ سے ان دونوں پر غضبناک ہیں۔ ایضاً جوہری نے امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا کہ میں نے عمر سے سُنا وُہ کہتے تھے کہ تمہارے صاحب (علیؑ) لوگوں میں سب سے زیادہ رسُول خداؐ کے بعد خلافت کے سزاوار تھے۔ مگر میں ان سے دو باتوں کے بارے میں ڈرا۔ میں نے کہا وہ کیا تھیں۔ وہ بولے کہ میں ان کی کمسنی اور اولاد عبدالمطلب سے اُن کی محبت سے ڈرا۔ اس کے بعد ابن ابی الحدید نے کہا ہے کہ علیؑ کا ابوبکر کی بیعت سے انکار۔ یہاں تک کہ ان کو سختی سے باہر لائے۔ اُس طرح جو مذکور ہوئی۔ محدثین اور راویانِ سیر و تواریخ نے روایت کی ہے اور تم نے سُنا جو کچھ جوہری نے اِس بارے میں رجال حدیث سے نقل کیا ہے اور وہ سب ثقہ اور دروغ وغیرہ سے محفوظ ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اس قدر ذکر کیا ہے جس کا احصا نہیں ہو سکتا۔ نیز جوہری نے ابوبکر باہلی سے اور اسماعیل بن مجاہد نے شعبی سے روایت کی ہے کہ ابوبکر نے عمر سے کہا کہ خالد بن ولید کہاں ہے کہا حاضر ہے۔ ابوبکر نے کہا تم دونوں جاؤ۔

اور علیؑ اور زبیر کو لاؤ تاکہ بیعت کریں۔ الغرض عمر داخل خانہ ہوئے اور خالد دروازہ پر کھڑے ہوئے۔ عمر نے زبیر سے کہا کہ یہ تلوار کیسی ہے کہا اس کو علیؑ کی بیعت کے لیے لایا ہوں۔ مکان میں بہت سے لوگ تھے۔ جیسے مقداد اور تمام بنی ہاشم۔ عمر نے زبیر کی تلوار لے کر پتھر پہ مارا جو اُس گھر میں تھا۔ تلوار توڑ ڈالی اور زبیر کو اُن کا ہاتھ کھینچ کر اُٹھایا اور باہر لائے اور خالد کے سپرد کیا۔ خالد کے ساتھ بہت سے لوگ تھے جن کو ابوبکر نے اُن کی مدد کے لیے بھیجا تھا۔ پھر عمر مکان میں داخل ہوئے۔ اور امیرالمومنینؑ سے کہا اُٹھو اور چل کر بیعت کرو۔ حضرتؑ نے انکار کیا تو حضرتؑ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور خالد کے ہاتھ میں دیا اور تمام منافقین نے ہجوم کیا اور ان لوگوں کو نہایت سختی سے کھینچا۔ لوگ مدینہ کے راستوں پر جمع تھے اور دیکھ رہے تھے۔ اور جنابِ فاطمہؑ بنی ہاشم وغیرہ کی بہت سی عورتوں کے ساتھ باہر نکلیں اور نالہ و فریاد کی آوازیں بلند ہوئیں۔ جنابِ فاطمہؑ نے ابوبکر کو ندا دی اور کہا کہ خوب خانۂ اہلبیت رسولِ خداؐ کو غارت کر رہے ہو۔ خدا کی قسم میں تم سے ایک حرف بات نہ کروں گی۔ یہاں تک کہ خدا سے ملاقات کروں۔ جب علیؑ و زبیر نے بیعت کی اور یہ فتنہ ختم ہوا۔ ابوبکر آئے اور عمر کی سفارش کی اور فاطمہؑ اُن سے راضی ہوگئیں۔ ابن ابی الحدید نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ فاطمہؑ دُنیا سے گئیں اور ابوبکر و عمر پر غضبناک تھیں اور وصیّت کی تھی کہ وہ اُن پر نماز نہ پڑھیں۔ اور یہ سب ہمارے اصحاب کے نزدیک گناہانِ صغیرہ تھے، اور بخش دیئے گئے۔ سب سے بہتر تو یہ تھا کہ وہ لوگ ان کو گرامی رکھتے اور ان کی حرمت کی رعایت کرتے۔ نیز ابن ابی الحدید نے کہا ہے کہ میں اپنے اُستاد ابوجعفر نقیب کے پاس اس حدیث کو پڑھ رہا تھا کہ ہبار بن اسود نے زینب دختر رسولؐ کی ہودج پر نیزہ مارا تو وہ ڈریں اور ان کا حمل ساقط ہوگیا۔ اس سبب سے جنابِ رسولِ خداؐ نے فتح مکہ کے دن اُس کا خون ہدر (باطل) کر دیا۔ (یعنی جو شخص اس کو جہاں پائے قتل کر دے تو اُس پر کوئی گناہ نہیں)۔ جب میں نے یہ حدیث پڑھی تو نقیب نے کہا۔ جبکہ رسولِ خداؐ نے ہبار کا خون مباح کر دیا، فقط زینب کو ڈرانے اور اس باعث اُن کا حمل ساقط ہو جانے کی وجہ سے۔ تو ظاہری صورت یہ ہے کہ اگر آنحضرتؐ زندہ ہوتے تو اُس شخص کا خون بھی مباح کر دیتے جس نے فاطمہؑ کو ڈرایا اور اُن کے فرزند (محسن کو شکم میں) ہلاک کیا۔ ابن ابی الحدید نے کہا میں نے نقیب سے کہا کہ میں آپ سے یہ روایت کروں کہ فاطمہؑ کو ڈرایا اور اُن کے فرزند محسن کو ساقط کیا تو انھوں نے تقیہ کیا اور کہا اس کے صحیح اور غلط ہونے میں کسی ایک کی روایت مجھ سے مت کرنا کیونکہ میں اس معاملہ میں خاموشی اختیار کرتا ہوں۔ پھر ابن ابی الحدید نے بیعت

سقیفہ کی محمد بن جریر طبری سے جو ان کے معتبر ترین مورخ ہیں اسی طرح روایت کی ہے جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا اور واقدی نے روایت کی ہے۔ عمر اسید بن حضیر اور سلمہ بن اسلم اور ایک جماعت کے ساتھ علیؑ کے دروازہ پر آئے اور کہا باہر نکلو۔ ورنہ یہ گھر میں تم لوگوں سمیت جلا دوں گا۔ اور ابن خزانہ نے کتاب غرر میں زید بن اسلم سے روایت کی ہے۔ اس نے کہا کہ میں ان میں سے تھا جو عمر کے ساتھ لکڑی لیے ہوئے تھے اور ہم فاطمہؑ کے دروازہ پر آئے جب کہ علیؑ اور ان کے ساتھیوں نے بیعت سے انکار کیا۔ عمر نے فاطمہؑ سے کہا کہ جو شخص بھی اس گھر میں ہو اس کو باہر نکالو۔ ورنہ میں گھر کو جلا دوں گا۔ اس وقت علیؑ و حسنینؑ اور صحابہ کی ایک جماعت اس گھر میں تھی۔ فاطمہؑ نے کہا کیا مکان کو مجھ پر اور میرے فرزندوں پر جلا دو گے؟ کہا ہاں خدا کی قسم یہاں تک کہ وہ لوگ باہر آئیں اور بیعت کریں اور ابن عبدربہ جو اُن کے مشہور عالموں میں سے ہیں کہا ہے کہ علیؑ اور عباسؓ خانۂ فاطمہؑ میں تھے۔ ابوبکر نے عمر سے کہا کہ اگر آنے سے انکار کریں تو اُن سے جنگ کرنا۔ یہ سُن کر عمر آگ لے کر آئے تاکہ مکان کو جلا دیں۔ فاطمہؑ نے کہا اے پسرِ خطاب تم میرا گھر جلانے آئے ہو۔ کہا ہاں۔ پھر ابن ابی الحدید نے سقیفہ کی روئیداد کو جوہری کی کتاب سے زیادہ بسط کے ساتھ جو سابقاً مذکور ہوئی اسی طرح روایت کی ہے۔ اُس جگہ تک جہاں کہا ہے کہ بنی ہاشم خانۂ علیؑ میں جمع ہوئے اور زبیر اُن کے ساتھ تھے۔ کیونکہ وہ بھی اپنے کو بنی ہاشم میں شمار کرتے تھے اور امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ زبیر ہمیشہ ہم اہلبیتؑ کے ساتھ تھے۔ یہاں تک کہ ان کے فرزند جوان ہوئے اور اُن کو ہم سے منحرف کر دیا۔

پھر عمر ایک گروہ کے ساتھ خانۂ فاطمہؑ پر گئے۔ اسید اور سلمہ ساتھ تھے اور کہا آؤ اور بیعت کرو۔ ان لوگوں نے انکار کیا۔ زبیر تلوار کھینچے ہوئے باہر نکلے، عمر نے کہا اس کُتّے کو پکڑ لو سلمہ بن اسلم نے اُن کی تلوار لے کر دیوار پر ماری۔ اُن کو اور علیؑ کو کھینچتے ہوئے ابوبکر کے پاس لائے۔ بنی ہاشم ہمراہ تھے۔ علیؑ کہتے تھے کہ میں خدا کا بندہ اور اُس کے رسولؐ کا بھائی ہوں۔ میں تمہاری بیعت نہ کروں گا تم اِس لائق ہو کہ میری بیعت کرو۔ تم نے اِس کو انصار سے قرابت رسولؐ کے سبب سے حاصل کیا۔ میں بھی اُسی دلیل سے تم سے احتجاج کرتا ہوں۔ لہٰذا انصاف کرو اگر خدا سے ڈرتے ہو۔ ہمارے حق کا اعتراف کرو جس طرح انصار نے تمہارے حق کا اقرار کیا ورنہ اعتراف کرو کہ دانستہ مجھ پر ظلم کرتے ہو۔ عمر نے کہا ہم تم سے باز نہ آئیں گے جب تک بیعت نہ کرو گے۔ علیؑ نے کہا تم دونوں نے سازش کی ہے کہ آج تم اُن کے لیے خلافت قرار دیتے ہو کل وہ تمہارے لیے مقرر کریں۔ خدا کی قسم میں تمہاری بات نہ

مانوں گا اور تمھاری بیعت نہ کروں گا۔ ابوبکر نے کہا اگر تم میری بیعت نہیں کرتے ہو تو میں تم پر جبر نہیں کرتا۔ ابوعبیدہ نے کہا اے ابوالحسن تم کمسن ہو اور یہ بوڑھے اور بزرگ ہیں تم ان کے ایسا تجربہ نہیں رکھتے ہو۔ ابوبکر تم سے زیادہ اس امر کی قوت رکھتے ہیں اور اس کی برداشت کی طاقت تم سے زیادہ رکھتے ہیں۔ لہٰذا راضی ہو جاؤ اور اگر زندہ رہو گے اور تمھاری زندگی دراز ہوگی تو تم اس فضیلت اور قرابت کے اعتبار سے جو سابقہ امور اور جہادوں میں تم کو حاصل ہے اور جو تم نے کیا ہے اس امر کے لائق ہو گے۔ علیؑ نے کہا اے گروہ مہاجرین خدا سے ڈرو۔ اور سلطنت کو محمدؐ کے گھر سے اپنے مکانوں کی طرف مت لے جاؤ۔ اور ان کے اہل کو اور ان کے حق کو اُن کے مقام سے مت ہٹاؤ۔ خدا کی قسم اے مہاجرین ہم اہلبیت تم سے اس کے زیادہ حق دار ہیں۔ جب تک ہمارے درمیان ایسا شخص ہے جو کتاب خدا کو پڑھے اور سمجھے اور دین خدا میں سمجھ رکھتا ہو۔ اور سنتِ رسولِ خداؐ کا جاننے والا ہو اور رعایا کے معاملہ کو صحیح طریقہ سے چلا سکے اور خدا کی قسم یہ تمام باتیں ہم میں موجود ہیں۔ لہٰذا اپنے نفس کی متابعت مت کرو کیونکہ حق سے دور ہو جاؤ گے۔ یہ سُن کر بشیر بن سعد نے کہا اے علیؑ اگر انصار یہ باتیں ابوبکر کی بیعت سے پہلے سُنتے تو کوئی شخص تم سے اختلاف نہ کرتا لیکن ان لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کر لی۔ پھر علیؑ اپنے گھر چلے گئے اور وہیں قیام پذیر رہے۔ یہاں تک کہ جنابِ فاطمہؑ نے دنیا سے رحلت کی۔ اس کے بعد ابوبکر کی بیعت کی اور پھر کتاب سقیفہ سے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ علیؑ نے فاطمہؑ کو (قاطر پر) سوار کیا اور رات کو انصار کے گھروں پر گئے۔ اور مدد کے طالب ہوئے لوگوں نے قبول نہیں کیا اور کہا اے دخترِ رسولِ خداؐ ہم نے اس مرد سے بیعت کی ہے اگر آپ کے پسرِ عم ہم سے پہلے یہ بات کہتے ہم اُن سے دوسرے کے لیے عدول نہ کرتے۔ علیؑ نے کہا میں رسولِ خدا کی میت گھر میں چھوڑ دیتا اور ان کی تجہیز سے پہلے طلبِ خلافت کے لیے چلا آتا؟ فاطمہؑ نے کہا کہ جو کچھ علیؑ نے کیا بہتر کیا اور ان لوگوں نے وہ کام کیا کہ خدا ان کو اس کا بدلہ دے گا۔ محمد بن قتیبہ نے جو عامہ کے بڑے عالموں اور مورخین میں سے ہیں قصہ سقیفہ کو اپنی تاریخ میں اُسی طرح جیسا کہ گذرا بلکہ اس سے زیادہ بسط سے روایت کی ہے۔ یہاں تک کہ کہا ہے کہ جب ابوبکر کو خبر پہنچی کہ کچھ لوگوں نے اُن کی بیعت سے تخلف کیا اور خانۂ علیؑ میں جمع ہوتے ہیں تو عمر کو ان کی طرف بھیجا اور اُن کو طلب کیا۔ جب آنے سے اُن لوگوں نے انکار کیا۔ عمر نے لکڑی طلب کی اور کہا اُس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں عمر کی جان ہے یا تو باہر آؤ۔ ورنہ میں جتنے لوگ اس گھر میں ہیں سب کے ساتھ اس گھر کو آگ لگا دوں گا۔ لوگوں نے کہا فاطمہؑ اس گھر میں ہیں تو کہا اگرچہ وہ

بھی ہیں تب بھی میں جلا دوں گا۔ یہ سن کر سب لوگ باہر آئے اور بیعت کی سوائے علیؑ کے کہ انھوں نے کہا خدا کی قسم میں نے کھائی ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کروں گا گھر سے باہر نہ نکلوں گا۔ پھر جناب فاطمہؑ دروازہ پر کھڑی ہوئیں اور کہا میں نے تم سے زیادہ بیحیا اور بداعمال کسی قوم کو نہیں دیکھا۔ رسول خداؐ کا جنازہ ہمارے روبرو چھوڑ دیا۔ اور ہماری رائے اور صلاح کے بغیر خلافت لوٹنے میں مشغول ہو گئے۔ پھر عمر ابوبکر کے پاس آئے اور کہا علیؑ کو جنھوں نے بیعت سے تخلف کیا ہے۔ اس طرح تم گھر میں چھوڑے دیتے ہو۔ ابوبکر نے قنفذ سے کہا جا اور علیؑ کو لے آ۔ قنفذ گیا اور کہا خلیفہ رسولؐ نے تم کو طلب کیا ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا کس قدر جلد تم نے رسول خداؐ پر جھوٹ باندھا ہے۔ جب اُس نے آکر یہ ابوبکر سے کہا تو وہ روئے اور کہا جا کر کہو کہ امیرالمومنین تم کو بلاتے ہیں۔ جب اُس نے یہ کہا تو حضرتؑ نے فرمایا۔ سبحان اللہ وہ اس امر کا دعویٰ کرتے ہیں جس کا تعلق اُن سے نہیں ہے۔ جب قنفذ نے یہ پیغام پہنچایا تو ابوبکر روئے۔ پھر عمر اُٹھے اور ایک گروہ کو اپنے ساتھ لیا اور فاطمہؑ کے دروازہ پر آئے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب حضرت فاطمہؑ نے عمر کی آواز سُنی گریاں ہوئیں اور فریاد کی یا رسول اللہؐ آپ کے بعد ہم نے پسر خطاب اور پسر ابوقحافہ سے کیا کیا ظلم دیکھے۔ جب لوگوں نے ان معظمہؑ کی آواز گریہ سُنی روتے ہوئے واپس چلے اور نزدیک تھا کہ اُن کا دل پھٹ جائے اور ان کے جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ عمر ایک گروہ کے ساتھ ٹھہرے رہے اور علیؑ کو باہر لائے اور ابوبکر کے پاس پہنچایا اور کہا بیعت کرو کہا اگر نہ کروں تو کیا کرو گے۔ ان دونوں نے کہا خدا کی قسم تمھاری گردن ہم ماردیں گے۔ علیؑ نے کہا پھر ایک بندۂ خدا اور برادرِ رسولؐ کو قتل کرو گے۔ عمر نے کہا بندۂ خدا کو ہاں لیکن برادرِ رسولؐ نہیں ہو۔ ابوبکر خاموش تھے اور کچھ نہیں بولتے تھے۔ عمر نے ابوبکر سے کہا کہ ان کے بارے میں کیا حکم دیتے ہو۔ کہا میں کسی امر میں ان پر جبر نہیں کرتا۔ جب تک فاطمہؑ زندہ ہیں۔ پھر علیؑ مرقد جناب رسول خداؐ کے نزدیک گئے۔ اور فریاد کی کہ یابن ام ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی۔ پھر عمر نے ابوبکر سے کہا آؤ فاطمہؑ کے گھر چلیں، کیونکہ ہم نے اُن کو آزردہ کیا ہے۔ جب وہ آئے اور اجازت طلب کی تو فاطمہؑ نے ان کو اجازت نہیں دی تو جناب امیرؑ کی خدمت میں آئے اور استدعا کی کہ وہ اجازت دلوا دیں۔ جناب امیرؑ نے فاطمہؑ سے التماس کیا کہ ان کو اجازت حاضری کی دے دیں اور کپڑا آپ کے روئے اقدس پر ڈال دیا جب وہ لوگ داخل ہوئے حضرت فاطمہؑ نے اُن کی طرف سے دیوار کی جانب منہ پھیر لیا۔ اُن لوگوں نے سلام کیا۔ فاطمہؑ نے جواب نہ دیا۔ ابوبکر نے کہا اے حبیبۂ رسول خداؐ میں صلہ

قرابتِ رسولؐ کو اپنے صلہ قرابت سے زیادہ دوست رکھتا ہوں اور آرزو رکھتا ہوں کہ جس روز آپ کے پدر بزرگوار نے رحلت کی میں بھی کاش مرجاتا اور اُن کی وفات کے بعد زندہ نہ رہتا۔ کیا آپ گمان رکھتی ہیں کہ جبکہ میں آپ کو پہچانتا ہوں اور آپ کے حق کو جانتا ہوں تو آپ کی میراث جو رسولِ خدا کی ہو آپ کو نہ دوں گا مگر میں نے رسولِ خداؐ سے سُنا ہے کہ ہم گروہ انبیاء میراث نہیں رکھتے جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔ جناب فاطمہؑ نے فرمایا کہ اگر میں کوئی حدیث رسولِ خداؐ کی بیان کروں تو تم اُس کو مانو گے۔ ان لوگوں نے کہا ہاں۔ فرمایا میں تم کو خدا کی قسم دیتی ہوں کیا تم نے آنحضرتؐ سے نہیں سُنا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ فاطمہؑ کی رضامندی میری رضامندی ہے اور فاطمہؑ کا غصّہ میرا غصّہ ہے اور جو شخص میری بیٹی فاطمہؑ کو دوست رکھے تو اُس نے یقیناً مجھے دوست رکھا اور جو شخص فاطمہؑ کو راضی رکھے تو اُس نے بیشک مجھے راضی رکھا ہے اور جس شخص نے فاطمہؑ کو غضبناک کیا اُس نے مجھے غضبناک کیا ہے۔ ان دونوں حضرات نے کہا ہاں ہم نے سُنا ہے تو فاطمہؑ نے کہا کہ میں خدا اور فرشتوں کو گواہ کرتی ہوں کہ تم نے مجھے غضبناک کیا اور مجھے خوشنود نہیں کیا اور جب رسولِ خداؐ سے ملاقات کروں گی تو تمہاری شکایت کروں گی۔ ابوبکر نے کہا میں اُن کے اور تمہارے غصّہ سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں اے فاطمہؑ۔ پھر اس قدر روئے کہ نزدیک تھا کہ ہلاک ہو جائیں۔ جناب فاطمہؑ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں تم پر ہر نماز میں نفرین کروں گی۔ ابوبکرؓ نے کہا میں تمہارے لیے ہر نماز میں دُعا کروں گا۔ پھر گریاں باہر آئے۔ ابوبکر نے لوگوں سے کہا کہ تم ہر ایک جاتے ہو اپنی بیبیوں کے ساتھ سوتے ہو اور مجھ کو اس حال سے چھوڑ دیتے ہو۔ مجھے تمہاری بیعت کی احتیاج نہیں ہے میری بیعت فسخ کر دو۔ لوگوں نے کہا اے خلیفۂ رسولؐ یہ امر خلافت بغیر تمہارے صحیح و درست نہ ہو گا۔ اگر تم فسخ کرتے ہو تو دینِ خدا قائم نہ رہے گا۔ ابوبکر نے کہا اگر اس کا خوف نہ ہوتا کہ اسلام کی عروۃ الوثقیٰ کمزور ہو جائے گی۔ یقیناً ایک رات بھی تمہاری بیعت کے ساتھ نہ سوتا اس کے بعد جو کچھ فاطمہؑ سے میں نے سُنا اور دیکھا۔ الغرض علیؑ نے بیعت نہ کی جب تک فاطمہؑ زندہ تھیں وہ اپنے پدر بزرگوار کے بعد پچھتّر روز زندہ رہیں۔ اور بلاذری نے جو عامہ کے مشہور محدثین و مورخین میں سے ہیں روایت کی ہے کہ جب علیؑ کو ابوبکر نے بیعت کے لیے طلب کیا اور انھوں نے قبول نہ کیا تو عمر آئے اور آگ طلب کی کہ آپ کا مکان جلا دیں۔ جناب فاطمہؑ نے پسِ در سے کہا اے پسرِ خطاب میرا گھر مجھ سمیت جلائے گا؟ عمر نے کہا ہاں اور یہ زیادہ قوی ہے اُس سے جو تمہارے باپ (خدا کی جانب سے) لاتے ہیں۔ تو علیؑ آئے اور بیعت کی۔

اور ابراہیم بن سعد ثقفی نے جو طرفین میں مقبول ہیں حضرت صادق ؑ سے روایت کی ہے کہ جناب امیر ؑ نے ابوبکر کی بیعت نہ کی۔ مگر اُس وقت جبکہ دیکھا کہ اُن کے گھر میں آگ لگا دی گئی اور دُھواں اُٹھنے لگا۔ اور بلادری نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب علی ؑ نے ابوبکر کی بیعت سے اِنکار کیا تو ابوبکر نے عمر کو بھیجا اور کہا کہ ان کو نہایت سختی اور شدّت سے لے آؤ۔ جب وہ لائے گئے ان کے درمیان باتیں ہوئیں اس کے بعد علی ؑ نے عمر سے کہا وہ دُودھ دوہو جس کا نصف حصّہ کل تم کو ملے گا۔ خدا کی قسم تم کو امارت کی طمع نہیں ہوئی مگر اس لیے کہ کل ابوبکر دوسروں پر تم کو اس کے لیے اختیار کریں اور ابراہیم ثقفی نے زہری سے روایت کی ہے کہ علی ؑ نے بیعت نہ کی لیکن چھ مہینے کے بعد اور شیخین کو ان سے بیعت لینے کی جرأت نہ ہوئی مگر جناب فاطمہ ؑ کی وفات کے بعد۔ ایضاً ابراہیم نے روایت کی ہے کہ قبیلہ اسلم نے ابوبکر کی بیعت سے اِنکار کیا اور کہا جب تک بریدہ بیعت نہ کریں گے ہم بیعت نہ کریں گے۔ کیونکہ جناب رسُولِ خدا ؐ نے بریدہ سے کہا ہے کہ علی ؑ میرے بعد تمھارے ولی ہیں۔ امیرالمومنین ؑ نے فرمایا کہ اُن لوگوں نے مجھے اختیار دیا ہے کہ یا تو یہ لوگ مجھ پر ظلم کریں اور میرا حق چھین لیں اور میں اُن کی بیعت کروں یا معاملہ جنگ تک منتہی ہو اور لوگ مُرتد ہو جائیں۔ میں نے یہ اختیار کیا ہے کہ یہ لوگ مجھ پر ظلم کریں لیکن لوگ دین سے منحرف نہ ہوں۔ ایضاً عدی بن حاتم سے روایت کی ہے اُس نے کہا کہ مجھ کو کسی پر اس قدر رحم نہیں آیا جس قدر علی ؑ پر آیا جس وقت اُن کا گریبان پکڑ کے کھینچا اور ابوبکر کے پاس لائے اور ابوبکر نے ان سے کہا کہ بیعت کرو۔ علی ؑ نے کہا اگر نہ کروں تو کیا کرو گے، کہا سر اُتار لوں گا۔ یہ سُن کر علی ؑ نے سر آسمان کی جانب اُٹھایا اور کہا خداوندا تو گواہ رہنا۔ آپ نے اپنا داہنا ہاتھ نہ کھولا اور نہ بڑھایا۔ اس طرح وہ لوگ بیعت سے راضی ہوئے۔

واضح ہوا اے طالبِ حق ویقین کہ عامہ کی سب سے مضبُوط و مستحکم دلیل خلافت ابوبکر پر یہ ہے کہ ان کی خلافت پر تمام صحابہ نے اجماع کیا اور اجماع حجّت ہے۔ لہٰذا اُن کی خلافت حق ہے اور اجماع کی خود یہ تعریف کی ہے کہ اس وقت کے تمام مجتہدین کسی امر پر ایک وقت میں اجماع و اتفاق کریں۔ لیکن اس اجماع میں بہت سے اعتراضات ہیں۔

۱۔ اپنے اصول کی کتاب میں اِس مسئلہ میں کئی اختلافات کیے ہیں۔ (پہلا اختلاف) یہ کہ اس امر کی تحقیق ممکن ہے یا محال (دُوسرا اختلاف) امکان کی صُورت میں آیا کسی امر میں محقق ہوا یا نہیں (تیسرا اختلاف) تحقیق کی صورت میں حقیقت پر دلیل ہوئی ہے یا نہیں (چوتھا اختلاف) حجت ہونے کی صورت میں آیا شرط ہے کہ تواتر تک پہنچے یا نہ پہنچے۔ ان ہر ایک میں بہت تکرار و

نزاع کی ہے۔ لہٰذا ابوبکر کی امامت وخلافت پر اجماع کا ثبوت ان تمام امور کے ثبوت پر موقوف ہوگا اور ان کے عالموں میں سے جو لوگ ان امور کے قائل نہیں ہیں کیونکر اس دلیل سے استدلال کر سکتے ہیں۔ پھر اس میں اختلاف کیا ہے کہ آیا اجماع کی حجت میں شرط ہے یہ کہ جن لوگوں نے اس رائے پر اتفاق کیا تو وہ وقت وفات تک باقی رہے یا نہیں۔ پھر اس میں اختلاف کیا ہے کہ فقط اجماع حجت ہے یا چاہیئے کہ کوئی سند بھی ہو۔ اور یہ سند حجت ہے۔ اور جس سند کا ذکر کیا ہے وہ قیاس فقہی ہے۔ کیونکہ نماز کو ریاست دین و دُنیا پر قیاس کیا ہے۔ اور وہ مختلف وجوہ سے باطل ہے۔

(پہلی وجہ) یہ کہ علمائے امامیہ نے عامہ وخاصہ کے طریق سے بہت سی حدیثوں سے ثابت کیا ہے کہ اُن کی نماز جناب رسُولِ خدا کے حکم سے نہ تھی۔ بلکہ عائشہؓ کے کہنے سے تھی۔ جب آنحضرتؐ مطلع ہوئے تکیہ امیرالمومنینؑ یا عباسؓ یا فضل بن عباسؓ پر کر کے مسجد میں آئے اور محراب سے اُن کو ہٹا دیا اور خود بیٹھ کر اُن کے ساتھ نماز پڑھی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں عروہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسُولِ خداؐ نے اپنے مرض میں کچھ افاقہ پایا تو باہر تشریف لائے اور محراب میں پہنچے تو ابوبکرؓ نے آنحضرتؐ کے پیچھے نماز پڑھی اور لوگوں نے ابوبکر کی نماز کے ساتھ نماز پڑھی یعنی اُن کی تکبیر کے ساتھ۔

(دوسری وجہ) یہ کہ قیاس کا حجت ہونا منع ہے۔ علمائے اہلبیت اور ظاہریۂ اہلسنّت اور جمہور معتزلہ قیاس کو حجت نہیں جانتے اور دلائل شافیہ اُس کے باطل پر قائم کی ہیں۔

(تیسری وجہ) حجیت کی صورت میں حجت اُس جگہ ہے جہاں کوئی علّت ہو اور اس علّت میں فرع اصل کے مساوی ہو اور یہ اس جگہ مفقود ہے۔ بلکہ یہ فرق ظاہر ہے کہ یہ لوگ نماز کو ہر نیک و بد کی اقتداء میں جائز جانتے ہیں اور خلافت میں عدالت اور شجاعت اور قریشی ہونا اور دوسری شرطوں کو شرط جانتے ہیں۔ ایضاً امامت جماعت ایسا امر ہے جس میں بہت علم کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اس میں شجاعت اور تدبیرات رعایا معتبر نہیں ہے اور چونکہ خلافت وسلطنت و ریاست امور دین و دُنیا سے متعلق ہے اس لیے بہت علم اور بیشمار شرطوں کی ضرورت ہے جن میں سے ایک بھی ابوبکر و عمر و عثمان میں نہ تھی۔ ہر امر میں عاجز رہتے تھے۔ اور امیرالمومنینؑ اور تمام صحابہ سے فریاد کرتے تھے۔ ان میں سے بعض کہتے تھے کہ رسُولِ خداؐ نے اُن کو ہمارے دین کے لیے اختیار فرمایا ہے تو ہم ان کو دُنیا کے لیے کیوں نہ اختیار کریں۔ یہ محض کذب و افترا تھا۔ اور ان کے محققین جیسے شارح تجرید وغیرہ نے امامت کی تعریف دین و دنیا میں حکومت عامہ سے کی ہے۔ نیز اگر یہ دلیل امامت تھی تو کیوں ان لوگوں نے انصار کے مقابلہ میں نہیں کہی اور قرابت کا سہارا لیا۔

14

(چوتھی وجہ) اگر قیاس حجت ہو تو فروعی مسائل میں حجت ہے۔ اصول کے مسائل میں حجت نہیں ہو سکتا اور تمام امور میں تسلیم کرنے کی صورت میں تو ہم جناب رسولؐ کے حضرت امیرؑ کو مدینہ میں غزوۂ تبوک کے لیے جاتے وقت اپنا خلیفہ بنانے سے مقابلہ کریں گے۔ جبکہ آنحضرتؐ نے اُن کو اس کے بعد معزول نہیں کیا۔ اور جب وہ مدینہ میں خلیفہ ہوتے ہیں تو تمام شہروں میں ہوگئے کیونکہ کوئی فصل کا قائل نہیں ہے اور یہ اُن کی دلیل سے زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ مدینہ کی خلافت امور دین و دنیا میں تھی برخلاف خلافت نماز کے۔

۲۔ اخبار سابقہ سے معلوم ہوگیا کہ ان کا اجماع کس طرح کا اجماع تھا۔ سعد بن عبادہ اور اُن کے اصحاب سب کے سب اجماع سے الگ تھے اور ابوبکر کی بیعت مطلق نہ کی اور اہلبیت رسالت اور تمام بنی ہاشم نے چھ مہینہ تک بیعت نہیں کی۔ اور جن لوگوں نے بظاہر بیعت کی اس وقت کی جبکہ آگ خانۂ اہلبیت رسالت میں لگائی اور برہنہ تلواریں اپنے سروں پر دیکھیں۔ لہٰذا ہر ظالم جس کو تسلط حاصل ہو اور کچھ دُنیادار لوگ مال کی طمع میں اس کے ساتھ ہو جائیں تو چاہیئے کہ وہ خلیفہ ہو جائے اور اس کی اطاعت تمام اہل علم و فضل و صلاح پر لازم ہو تو معلوم نہیں کہ بخت النصر، شداد، نمرود اور مسیلمہ کذاب کی بیعت باوجود اس رسوائی کے ہوئی ہوگی اگر کہیں کہ اجماع ابتداء میں متحقق نہیں ہوا تو چھ مہینے کے بعد جبکہ امیرالمومنینؑ نے بیعت کی اجماع متحقق ہوا۔ تو ہم جواب میں کہیں گے کہ وہ بھی ممنوع ہے بلکہ معلوم ہے کہ سعد بن عبادہ اور اس کی اولاد ہرگز اس بیعت میں داخل نہیں ہوئے۔ چنانچہ ابن عبدالبر نے استیعاب میں ابوبکر کے حالات میں لکھا ہے کہ لوگوں نے اُن کی خلافت پر سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت کی۔ جس روز کہ جناب رسول خداؐ نے دنیا سے رحلت فرمائی اور دوسرے روز جو سہ شنبہ تھا عام بیعت ہوئی۔ لیکن ان کی بیعت سے سعد بن عبادہ اور قبیلۂ خزرج کے ایک گروہ نے اور قریش کے ایک فرقہ نے انکار کیا۔ ابن عبدالبر نے کتاب مذکور میں اور ابن حجر عسقلانی نے کتاب اصابہ میں لکھا ہے کہ سعد نے ابوبکر و عمر میں سے ایک کی بیعت نہیں کی اور یہ لوگ اُن پر بیعت کے لیے سختی بھی نہ کر سکے جس طرح دوسروں پر جبر کیا۔ اس لیے کہ اُن کی قوم قبیلۂ خزرج سے بہت تھی۔ ان لوگوں نے ان کے فتنہ سے پرہیز کیا۔ جب خلافت عمر کو ملی تو عمر کی نگاہ اُن پر پڑی تو کہا کہ یا میری بیعت میں داخل ہو جاؤ یا مدینہ سے نکل جاؤ۔ سعد نے کہا مجھ پر اس شہر میں رہنا حرام ہے جس میں تم امیر ہو۔ اور مدینہ سے چلے گئے اور بہت سے قبیلے دمشق کے اطراف میں ان کے تھے۔ ان میں سے ایک جماعت کے پاس گئے اور ہر روز اس قریہ سے دوسرے قریہ میں جاتے تھے۔ ایک باغ میں اُن کو تیر مار کر مار ڈالا۔ صاحب روضۃ الصفا

نے لکھا ہے کہ سعد نے ابوبکر کی بیعت نہ کی اور شام کی جانب چلے گئے اور ایک مُدت کے بعد
ایک سرکردہ کی تحریک سے قتل کر دیئے گئے اور ظاہر ہے کہ اُس سرکردہ سے اُن کی مُراد کون
ہے۔ بلاذری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ عمر نے خالد بن ولید اور محمد بن سلمہ سے سعد کو
مار ڈالنے کے لیے کہا۔ اور ہر ایک نے ان کو تیر کا نشانہ بنایا آخر وہ قتل ہو گئے اور لوگوں
کو وہم میں ڈالا کہ جن نے ان کو مار ڈالا۔ اور یہ مشہور شعر جن کی زبان میں وضع کیا ؎

نحن قتلنا سید الخزرج سعد بن عبادہ　　فرمیناہ بسہمین فلم نخط فؤادہ

(ہم نے سید الخزرج سعد بن عبادہ کو قتل کیا۔ اور ہم نے دو تیر کا ان کو نشانہ بنایا اور ہم
اور امیر المومنین علیہ السلام کا اُن سے ظلم اُٹھانا اپنی زندگی کے آخری دنوں تک متواتر ہے۔
اور حضرت نے مُعاویہ کے جواب میں جو لکھا صریح ہے۔ یہ کہ باختیار خود آپ نے بیعت نہیں کی۔

۳۔ یہ کہ چھ مہینے کے بعد بیعت مان لینے کی صورت میں وہ چھ ماہ سے پہلے اس مدت
میں کیوں بغیر کسی دلیل کے نفوس و خون اور اموال میں مسلمانوں کے کیوں تصرف کرتے تھے۔
اور فوجیں اطراف و جوانب میں کیوں بھیجتے رہے۔ نیز واضح ہوا کہ عامہ نے اجماع کی تعریف
یہ کی ہے کہ اہلِ زمانہ ایک امر پر اتفاق کر لیں تو اگر ایک وقت میں نہ ہو ممکن ہے پہلا
شخص پچھلے کی موافقت میں اُس رائے سے پھر جائے۔ لہٰذا ابوبکر و عمر کا اجماع تدریجی کیا
نفع دے سکتا ہے؟ اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ ان کے اکثر متاخرین نے جیسے
ملا سعد الدین نے مقاصد میں اور صاحب مواقف اور سید شریف اور دوسرے محدثین نے
جب دیکھا کہ ایسے اجماع سے متمسک ہونا فضیحت کا سبب ہے تو اجماع سے ہاتھ اُٹھا
لیا۔ اور کہا ہے کہ جب امامت اختیار اور بیعت سے ثابت ہوئی تو خلافت کے لیے تمام
اہلِ حل و عقد کے اجماع کی محتاج نہیں رہی کیونکہ اجماع پر عقل و نقل سے دلیل قائم نہیں ہوئی ہے
بلکہ اہل حل و عقد میں سے ایک دو کی بیعت امامت کے ثبوت اور امام کی اطاعت اہل
اسلام پر واجب ہونے میں کافی ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ صحابہ نے اُس استحکام کے ساتھ
جو دین میں رکھتے تھے، امامت کے بارے میں اسی پر اکتفا کی ہے۔ جیسے عمر کی رائے ابوبکر
کے بارے میں اور عبد الرحمٰن کی رائے عثمان کے بارے میں اور اپنی رائے میں ہر ایک کے
اجماع کی شرط نہیں کی ہے جو مدینہ میں ہو۔ چہ جائیکہ اُمت کے دوسرے شہروں کے عالموں
کا اجماع اور کسی نے ان کا انکار نہیں کیا اور اس امر پر اُس کے بعد اُس زمانہ سے اِس زمانہ
تک کے لوگوں نے اتفاق کیا ہے اور ملا سعد الدین نے شرح مقاصد میں لکھا ہے کہ ابوبکر
کی خلافت کی دلیل چند چیزیں ہیں۔

(پہلی بات) یہ کہ اہلِ حل و عقد کا اجماع ہر چند بعض افراد کے تردّد و توقف کے بعد تھا جیسا کہ روایت کی ہے کہ انصار نے کہا منّا امیر و منکم امیر (ایک امیر تم میں سے اور ایک امیر ہم میں سے ہونا چاہیئے) اور ابوسفیان نے کہا اے آلِ عبد مناف تم کیسے راضی ہو گئے کہ تیم (نا اہل) تمہارا والی ہو۔ میں مدینہ کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں گا۔ (تم اپنا حق طلب کرو) اور صحیح بخاری و مسلم وغیرہ اصحاب کی کتابوں سے مذکور ہے کہ علیؑ کی بیعت کافی دیر کے بعد ہوئی اور ابوبکر کا عمر و ابوعبیدہ کو علیؑ کے پاس بھیجنا ایک پُر لطف بات ہے جسے موثق لوگوں نے بہت سی صحیح سندوں سے روایت کی ہے اور جانبین سے بہت سی پُر لطف باتوں پر مشتمل ہے۔ اور کچھ نے عمر کی سختی کے بارے میں روایت کی ہے کہ جب علیؑ آئے اور آپ نے بیعت کی جب اُٹھ کر چلے تو کہا خدا تم کو اُس امر میں برکت نہ دے جس نے مجھے آزردہ کیا ہے اور تم کو خوش کیا ہے۔ اور یہ جو روایت کی ہے کہ ابوبکر کی لوگوں نے بیعت کی اور علیؑ و زبیر و مقدادؓ و سلمانؓ و ابوذرؓ نے انکار کیا تو دوسرے روز ابوبکر اپنے اصحاب کے ساتھ آئے اور ان لوگوں نے بیعت کی محل نظر ہے۔ اس کے بعد بیعت کے بارے میں صاحب مواقف کے مثل باتیں لکھی ہیں۔ فخر رازی نے نہایۃ العقول میں کہا ہے کہ ابوبکر کی خلافت پر ان کے زمانہ میں اجماع منعقد نہیں ہوا بلکہ ان کے مرنے کے بعد عمر کی خلافت کے زمانہ میں جبکہ سعد بن عبادہ مر گئے اجماع منعقد ہوا۔ اے عاقل صاحب دیانت غور کرو کہ کس طرح ان کے فضلاء نے اجماع سے گریز کیا ہے اور اپنے کو اس سے بدتر بلا میں گرفتار کر لیا ہے ــــــــــــ جیسے کوئی شخص بالوعہ (وہ کنواں جس میں گندہ پانی گرتا ہے) سے بھاگ کر اپنے تئیں کیچڑ میں ڈال دے۔ جب اجماع ثابت نہ ہوا تو اس بیعت کا حجت ہونا جو اخبار سقیفہ سے معلوم ہوا جو قبیلہ اوس و خزرج کے تعصب و عناد پر تھا اور عمر و ابوبکر کے مابین سازش ہوئی تھی کہ ابوبکر کو وہ خلیفہ کریں اور ابوبکر اپنے بعد ان کو خلیفہ مقرر کریں ــــــــــــ جب کہ اُس جماعت کے بیعت نہ کرنے کی وجہ سے اجماع ثابت نہ ہوا تو سب کا بیعت کر لینا کیسے معلوم ہوا، اور جب وہ ایک شخص کے بیعت کر لینے کو کافی سمجھتے ہیں تو امامت کے ثبوت میں اتنے ہزار اشخاص کی بیعت ابوبکر کا کیوں مقابلہ کرتے ہیں۔ بلکہ کہا جا سکتا تھا کہ اجماع ابوبکر کی خلافت و امامت کے خلاف اور ایک شخص کے بیعت کر لینے پر اکتفا کے خلاف متحقق تھا کیونکہ ان کی صحاح میں مذکور ہے کہ بنی ہاشم میں سے کسی نے چھ مہینے تک بیعت نہ کی اور تمام اہلبیت ان میں داخل تھے۔ اور حدیث متواتر یعنی انی تارک فیکم الثقلین الخ اور حدیث مشہور مثل اھل بیتی مثل سفینۃ نوح الخ کی رو سے اجماع اہلبیت حجت ہے اور صاحب کشاف نے روایت کی ہے کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ فاطمہؑ میرے دل کا چین ہے۔

اور اس کے دونوں فرزند میرے میوۂ دل ہیں۔ اُس کا شوہر میری آنکھوں کا نور ہے اور اُس کی اولاد میں سے آئمۂ اطہار میرے پروردگار کے امین ہیں اور ایک کھنچی ہوئی ریسمان اُس کے اور اُس کی مخلوق کے درمیان ہیں۔ جو شخص اس کو پکڑے گا نجات پائے گا۔ اور جو شخص اُس سے انحراف کرے گا ہلاک ہوگا اور جہنّم میں جائے گا۔ زیادہ تعجب یہ ہے کہ فضلاء کا ایک گروہ علم و فطانت اور انصاف و دیانت کے دعوے کے ساتھ دین و دنیا کی ریاست کے تحقق میں عام مخلوقات پر اطاعت کے واجب ہونے کو ایک شخص کا ایک شخص کی بیعت کر لینے پر اکتفا کرتا ہے اگرچہ عام اہلِ علم و فضل و صلاح اس کے خلاف ہوں۔ اور اگر ایک شہادت دے کہ زید کا ایک درہم عمر کے ذمّہ ہے تو قبول نہیں کرتے۔ اور امامت کے تحقق میں اس کی بیعت کو کافی سمجھتے ہیں اور اس سبب سے یزید پلید اور ولید عنید کو جس نے قرآن پر تیروں کی بارش کی تھی، خلیفہ خدا اور واجب الاطاعت خلق جانتے ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ یوم ندعوا کل اناس بامامھم قرآنی ارشاد (یعنی جس روز ہم تمام انسانوں کو ان کے امام کے ساتھ محشور کریں گے) کی بنا پر ایسے امام کے ساتھ محشور ہو اور ان کے گناہ اور وبال میں شریک ہو تو تم کو اختیار ہے۔

۴ - یہ کہ جب کہ سابقہ حدیثوں اور عامہ کے مشہور علماء کے اقرار سے معلوم ہوا کہ مدّت دراز تک جو کم سے کم چھ ماہ ہے۔ جناب امیرؑ اور ابوبکر و عمر کے درمیان خلافت میں نزاع رہی اور وہ حضرتؑ ان میں اور ان کی خلافت میں قدح کرتے رہے اور ان کو ظلم و ستم سے نسبت دیتے رہے۔ لہٰذا یا تو اس کے قائل ہوں کہ اُن کی خلافت باطل اور ظلم و ستم پر تھی۔ یا قائل ہوں کہ حضرت علیؑ (معاذ اللہ) اس مدت میں باطل پر رہے اور اپنے امام کے عاق ہوئے اور امام برحق سے تعصّب کے سبب سے انکار کرتے رہے۔ لہٰذا ان میں سے ایک میں خلافت کی اہلیت نہ تھی۔ اور ان کے اکثر علماء نے اِس حدیث رسولِ خدا کی تصریح کی ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ حق علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق اُن کے ساتھ پھرتا ہے۔ اور غزالیؒ نے باوجود اس تعصّب کے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ کسی صاحبِ بصیرت نے ہرگز علیؑ کو کسی معاملہ میں خطا سے نسبت نہیں دی ہے۔ اور عامہ نے اپنے تمام صحاح و اصول میں روایت کی ہے کہ علی علیہ السلام پیغمبرؐ کے بعد اس اُمت کے سب سے بڑے دیانتدار ہیں۔ یعنی اس امت کے قاضی اور حاکم ہیں جیسا کہ زمخشری نے کہا ہے۔ اور ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں یحییٰ بن سعید حنبلی سے روایت کی ہے کہ میں اسمٰعیل بن علی حنبلی کے پاس موجود تھا جو بغداد کے حنبلیوں کے پیشوا تھے اور ایک حنبلی کا کچھ مطالبہ ایک کوفی کے ذمہ تھا۔ وہ اسماعیل کے پاس آیا۔ اسماعیل نے اُن سے پوچھا کہ تم نے اپنے قرضدار سے کیا معاملہ

کیا اپنی رقم اُس سے وصُول کی ؟ اُس نے کہا میں اپنے مطالبہ سے بیزار ہُوا میں روز غدیر (یعنی اٹھارویں ذوالحجہ کو) قبر امیرالمومنینؑ کے پاس گیا کہ شاید اپنی رقم اُس قرضدار سے وصُول کروں۔ وہاں میں نے وہ فضیحتیں اور نامناسب اقوال اور علانیہ بے خوف و خطر سب صحابہ مشاہدہ کیا کہ اپنی رقم بھُول گیا اسماعیل نے کہا ان کا کیا گناہ ہے۔ خدا کی قسم ان لوگوں پر یہ راستہ نہیں کھولا اور ان بُرائیوں پر ان کو ایسی جراٴت نہیں دلائی مگر اس صاحب قبر نے (یعنی امیرالمومنینؑ نے) اُس نے کہا وہ کس کی قبر ہے۔ کہا علیؑ کی۔ اُس مرد نے ازروئے تعجب کہا انھوں نے اِس امر کی جراٴت دلائی ہے! اسماعیل نے کہا ہاں خدا کی قسم اُس مرد نے کہا۔ علیؑ اس امر کے حقدار تھے۔ تو ہم کیوں ابوبکر و عمر کی امامت کا اعتقاد رکھیں اور اگر وہ (علیؑ) باطل پر تھے تو ہم کیوں ان کو امام سمجھیں۔ راوی کہتا ہے کہ جب اسماعیل نے یہ بات سُنی جست کر کے اُٹھے جُوتہ پہنا اور کہا خدا لعنت کرے اسماعیل ولدالزنا پر اگر اس مسئلہ کا جواب جانتا ہو اور اپنے گھر میں داخل ہو گئے۔

۵ ۔ یہ کہ جب یہ معلوم ہوا کہ اجماع ان کی سب سے عمدہ دلیل ان کے خلفا کی خلافت پر ہے تو ہم انھی احادیث سے جو ان کے اجماع کی مستند ہیں، ان کی امامت کا غیر مستحق ہونا ثابت کرتے ہیں۔ بلکہ اُن کا عدم ایمان و اسلام اس لیے کہ ہماری اور ان کی حدیثوں اور روایتوں سے معلوم ہو چکا کہ عمر نے خانۂ اہلبیتِ رسالتؐ جلانے کا ابوبکر کے حکم سے ارادہ کیا، یا ابوبکر کی رضامندی سے اور وہ مکان مہبطِ وحی اور محلِ نزول ملائکہ مقربین تھا۔ اور جناب امیرؑ، جنابِ فاطمہؑ اور حسنینؑ اُس مکان میں تھے اور وہ دونوں حضرات اُن اہلبیت رسُولؐ کی دھمکی و سختی ایذا اور اُن کی ہتک عزت کا باعث ہُوئے اور اُن حضرات کو غضبناک کیا۔ بلکہ روایات مشہورہ مستحکم کے قرائن سے معلوم ہُوا کہ جنابِ فاطمہؑ کو ڈرایا۔ بلکہ تازیانہ آپ کے سر اور چہرہ پر اور نیام سے مارا۔ یہاں تک کہ اُن کو زخمی کیا اور اُن کا فرزند شکم سے ساقط ہو گیا۔ اور وہ دُنیا سے اُن لوگوں سے رنجیدہ گئیں۔ صاحب جامع الاصول نے صحیح ترمذی سے انس سے روایت کی ہے کہ جنابِ رسُولِ خداؐ نے فرمایا۔ تمام دُنیا کی عورتوں میں چار عورتیں سب سے زیادہ افضل ہیں۔ مریم دختر عمران، خدیجہؑ بنت خویلد، فاطمہؑ بنت محمدؐ اور آسیہؑ زن فرعون۔ پھر ترمذی نے جمیل بن عمیر سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں اپنی پھوپھی کے ساتھ عایشہ کے پاس گیا۔ میری پھوپھی نے اُن سے پوچھا کہ رسُولِ خدا کو سب سے زیادہ عورتوں میں کون محبُوب تھا۔ انھوں نے کہا فاطمہؑ۔ پُوچھا مردوں میں کون محبُوب تھا کہا اُن کے شوہر علیؑ۔ اور بریدہ سے بھی یہی مضمون روایت کیا ہے اور ان کی تمام صحاح سے حذیفہ بن شہاب سے روایت کی

ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ فاطمہؑ میرے بدن کا ٹکڑا ہے۔ جو شخص اس کو اذیت پہنچاتا ہے وہ مجھ کو اذیت پہنچاتا ہے اور ترمذی سے روایت کی ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ فاطمہؑ بہترین زنانِ اہلبیتؑ ہیں اور عائشہ کی روایت کے مطابق فرمایا کہ مومنین کی عورتوں سے بہتر ہیں ایضاً ترمذی نے عائشہؓ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ میں نے کسی کو فاطمہؑ سے زیادہ رسولِ خداؐ سے مشابہ رفتار اور سیرت میں بیٹھنے اُٹھنے میں نہیں دیکھا۔ جب وہ آنحضرتؐ کے پاس آتی تھیں۔ آپ کھڑے ہو جاتے تھے، اور اُن کی پیشانی پر بوسہ دیتے تھے اور اپنی جگہ پر بٹھلاتے تھے۔ نیز صحیح ترمذی سے زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ رسولِ خداؐ نے علی و فاطمہ و حسنین علیہم السلام سے فرمایا کہ میں اُس کے ساتھ جنگ کرنے والا ہوں جو تمھارے ساتھ جنگ کرے۔ اور صلح رکھتا ہوں اُس سے جو تم سے صلح رکھتا ہے۔ پھر ترمذی سے روایت کی ہے حذیفہ سے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی ماں سے کہا کہ مجھے اجازت دیجیے کہ جناب رسولِ خداؐ کی خدمت میں جاؤں اور ان کے ساتھ نمازِ مغرب ادا کروں اور اُن سے التجا کروں کہ وہ حضرتؐ میرے اور آپ کے لیے استغفار کریں۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ پھر میں گیا اور نمازِ مغرب و عشا آنحضرتؐ کے ساتھ ادا کی۔ جب فارغ ہوا تو میں آنحضرتؐ کے پیچھے چلا۔ جب حضرت نے میری آواز سنی فرمایا کہ تم حذیفہ ہو۔ میں نے کہا ہاں یا رسول اللہؐ فرمایا کیا حاجت رکھتے ہو۔ خدا تم کو اور تمھاری ماں کو بخش دے۔ میرے پاس آج وہ ملک آیا۔ جو اس سے پہلے زمین پر نہیں آیا تھا۔ اُس نے اپنے پروردگار سے اجازت لی تھی کہ میرے پاس آئے اور مجھ کو سلام کرے۔ اور خوشخبری دے کہ فاطمہؑ تمام بہشت کی عورتوں کی سردار ہیں اور حسنؑ و حسینؑ جوانانِ اہلِ بہشت میں سب سے بہتر ہیں۔ نیز روایت کی ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ جو حدیث حذیفہ تمھارے لیے نقل کریں۔ اس کی تصدیق کرو، اور ثعلبی نے رسولِ خداؐ سے روایت کی ہے کہ حسنؑ و حسینؑ عرشِ الٰہی کے دو گوشوارے ہیں۔ اور جامع الاصول میں صحیح بخاری اور مسلم اور ترمذی سے روایت کی ہے براء سے کہ میں نے دیکھا کہ رسولِ خداؐ حسنؑ بن علیؑ کو اپنے دوش پر سوار کیے ہوئے تھے اور فرماتے تھے کہ خداوندا میں اس کو دوست رکھتا ہوں اس کو تو بھی دوست رکھ اور تمام صحاح سے براء سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے حسنؑ و حسینؑ کو دیکھا اور کہا خداوندا میں ان دونوں کو دوست رکھتا ہوں تو بھی ان کو دوست رکھ۔ اور ترمذی سے انس سے روایت کی ہے کہ لوگوں نے رسولِ خداؐ سے پوچھا کہ آپ کے اہلبیتؑ میں آپ کے نزدیک کون سب سے زیادہ محبوب ہے۔ فرمایا حسنؑ و حسینؑ، اور جنابِ فاطمہؑ سے فرمایا کہ میرے دونوں فرزندوں کو میرے پاس لاؤ۔ جب وہ آئے تو آپ نے

ان کو گود میں لیا اور پیار کیا۔ نیز ترمذی نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے ہاتھ امام حسنؑ کی گردن میں ڈال کر کہا خداوندا میں اس کو دوست رکھتا ہوں لہٰذا تو بھی اس کو دوست رکھ اور اُس کو بھی دوست رکھ جو اس کو دوست رکھے اور صحیح بخاری و مسلم سے بھی اسی مضمون کی روایت کی ہے۔ نیز ترمذی نے اسامہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ حسنؑ و حسینؑ کو اپنے ران پر بٹھائے ہوئے تھے اور فرماتے تھے یہ دونوں میرے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ خداوندا میں ان کو دوست رکھتا ہوں تو ان کو اور ان کے دوستوں کو دوست رکھ۔ نیز ترمذی نے یعلی بن مرہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ خدا اُس کو دوست رکھے جو حسینؑ کو دوست رکھے۔ حسین اسباط میں سے ایک سبط ہے۔ نیز ترمذی نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے۔ انھوں نے جناب رسولِ خداؐ سے کہ آپ نے فرمایا کہ حسنینؑ جوانانِ اہلِ جنت کے سردار اور اُن کے بہتر افراد ہیں۔ اور بخاری و مسلم و ترمذی نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ حسنینؑ دُنیا کے پھولوں میں سے دو پھول ہیں اور ان کے فضائل کی حدیثیں اس سے زیادہ ہیں کہ احصا ہو سکیں اور اس رسالہ میں جمع کی جا سکیں اور احادیث متواترہ وارد ہوئی ہیں کہ ایذائے جناب امیرؑ ایذائے رسولؐ ہے اور ایذائے رسولؐ ایذائے خدا ہے۔ اور خداوند عالم نے قرآن میں فرمایا ہے کہ جو لوگ خدا اور اُس کے رسولؐ کو ایذا دیتے ہیں۔ خدا نے ان پر دُنیا و آخرت میں لعنت کی ہے، اور اُن کے واسطے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے یہ اذیتیں ان کو دی ہیں وہ دنیا و آخرت میں ملعون ہیں اور خدا و رسولؐ سے لڑنے والے ہیں اور اہلِ کفر و شقاق و نفاق ہیں۔ لہٰذا کس طرح امامت کی صلاحیت رکھتے تھے۔

(چوتھی طعن) یہ عظیم مصیبت اور انتہائی اذیت ہے جو فدک کے بارے میں ابوبکر و عمر سے اہلبیت رسالت پر واقع ہوئی۔ پہلے شیعوں کے طریق سے مجملاً اس کی روایت کرتا ہوں۔ اس کے بعد اُن کی تائید میں مخالفوں کی معتبر کتابوں سے بیان کروں گا۔ تاکہ معلوم ہو کہ اس قضیہ میں ظلم و ستم متفق علیہ ہے۔

مجمل اس قضیۂ ہائلہ کا ذکر یہ ہے کہ جب ابوبکر نے امیرالمومنینؑ کی خلافت غصب کی اور مہاجرین اور انصار سے جبراً بیعت لی اور اپنا کام مضبوط کر لیا تو فدک کی لالچ کی تاکہ ایسا نہ ہو کہ لوگ مال کی طمع میں ان کی طرف رجوع ہو جائیں۔ کیونکہ جب قرابت و فضیلت نص خدا و رسولؐ ان کے لیے تھی تو جو چیز کہ اُن کی طرف منافقوں کے مائل ہونے کا باعث ہو مال ہو گا تو اُن غصب کرنے والوں کی طرف ہو۔ یہ کہ اُن کا ہاتھ مال سے خالی رہے تاکہ دُنیا پرست اُن خاصانِ خدا کی طرف سے منحرف

ہوں اور جبکہ تھوڑا مال بھی اُن کے پاس ہوگا، تو ممکن ہے کہ بعض لوگ اُن کی طرف مائل ہو جائیں۔ اور اُن کی باطل خلافت درہم و برہم ہو جائے لہٰذا اس سبب سے جب کہ وہ صحیفہ ذمیمہ لکھا تو اس حدیث افترا انگیز کو بھی وضع کیا کہ ہم گروہ انبیا، ترکہ نہیں چھوڑتے۔ جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔ اور فدک اُن شہروں میں سے تھا جو بغیر جنگ کے جناب رسولِ خداؐ کے تصرف میں آیا تھا۔ اس لیے کہ جب امیر المومنینؑ کے ہاتھ سے خیبر فتح ہوا۔ اہلِ فدک اور اُس کے اطراف و جوانب کے رہنے والوں نے جانا کہ حضرتؑ سے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے تو ان شہروں کو بغیر جنگ حضرت کے حوالے کر دیا اور آیتیں نازل ہوئیں کہ جب بغیر جنگ قبضہ میں آتے ہیں تو جنابِ رسولِ خدا کے مال ہیں۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی "وآت ذی القربیٰ حقہ" یعنی اپنے قربیٰ کو ان کا حق دے دو۔ حضرتؐ نے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ ذی القربیٰ کون اور ان کا حق کیا ہے کہا ذی القربیٰ فاطمہؑ اور ان کا حق فدک ہے تو جنابِ رسولِ خداؐ نے خدا کے حکم سے فدک فاطمہؑ کو دے دیا تاکہ ان کی اور ان کی ذریت کی ملکیت رہے۔ اور فرمایا یہ سب بغیر جنگ کے حاصل ہوتے ہیں اور مجھ سے مخصوص ہیں اور میں خدا کے حکم سے تم کو دیتا ہوں، ان کو لو یہ تمھارا اور تمھارے فرزندوں کی قیامت تک ملکیت ہے۔ جب ابوبکر پر خلافت غصبی قرار پائی تو انھوں نے اپنا عامل فدک میں بھیجا اُس نے فاطمہؑ کے وکیلوں کو فدک سے نکال دیا۔

ابن بابویہ اور شیخ طوسی وغیرہم نے بہت سی معتبر سندوں سے جنابِ صادقؑ سے روایت کی ہے کہ جب ابوبکر نے اپنے امور مستحکم کر لیے اور اکثر مہاجرین و انصار سے بیعت لی کسی کو بھیجا جس نے فدک سے فاطمہؑ کے وکیل کو نکال دیا تو حضرت فاطمہؑ ابوبکر کے پاس آئیں اور کہا کس سبب سے مجھے میرے پدر رسولِ خداؐ کی میراث سے محروم کر دیا اور کس لیے میرے وکیل کو فدک سے باہر نکال دیا۔ حالانکہ رسولِ خداؐ نے مجھے خدا کے حکم سے فدک دیا تھا۔ ابوبکر نے کہا جو تم کہتی ہو اُس پر گواہ لاؤ۔ جنابِ فاطمہؑ نے ام ایمن کو پیش کیا۔ ام ایمن نے کہا میں گواہی نہ دوں گی، جب تک اے ابوبکر تم پر حجت نہ تمام کر لوں اور جو کچھ رسولِ خداؐ نے میرے حق میں کہا ہے تم سے تصدیق نہ کرا لوں تم کو خدا کی قسم دیتی ہوں۔ بتاؤ کیا تم نہیں جانتے کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ ام ایمن اہلِ بہشت کی ایک عورت ہے۔ ابوبکر نے کہا ہاں میں جانتا ہوں۔ ام ایمن نے کہا کہ اب گواہی دیتی ہوں کہ حق تعالیٰ نے اپنے رسولؐ پر وحی کی کہ اپنے ذی القربیٰ کو ان کا حق دے دو۔ تو رسولِ خداؐ نے خدا کے حکم سے خرچ طعام و غذا کے لیے فاطمہؑ کو دے دیا۔ جنابِ امیرؑ بھی آئے اور اسی طرح سے گواہی دی۔ دوسری روایت کے مطابق حسنینؑ نے بھی گواہی دی تو ابوبکر نے ایک وثیقہ واگذاشت فدک کا لکھ کر فاطمہؑ کو دے دیا۔ اسی اثنا میں عمر

آئے اور کہا یہ کیا نامہ ہے۔ ابوبکر نے کہا فاطمہؑ نے فدک کا دعوےٰ کیا۔ ام ایمن اور علیؑ نے ان کے حق میں گواہی دی تو میں نے یہ وثیقہ لکھ دیا۔ عمر نے فاطمہؑ کے ہاتھ سے وہ کاغذ لے کر پھاڑ ڈالا۔ اور فاطمہؑ روتی ہوئی چلی گئیں۔ دوسرے روز جناب امیرؑ ابوبکر کے پاس آئے جس وقت کہ مہاجر و انصار اُن کے گرد جمع تھے اور کہا اے ابوبکر فاطمہؑ کو ان کے پدر رسُولِ خداؐ کی میراث سے کیوں محروم کر دیا۔ حالانکہ وہ جناب رسُولِ خداؐ کی حیات میں اس کی مالک اور متصرّف تھیں۔ ابوبکر نے کہا کہ وہ سارے مسلمانوں کی ملکیت ہے اگر گواہ پیش کرو کہ اُن کے لیے رسُولِ خداؐ نے مخصُوص کر دیا ہے تو ان کو دے دُوں گا۔ ورنہ ان کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔ جناب امیرؑ نے فرمایا کیا ہمارے حق میں تمام مسلمانوں کے بارے میں حکمِ خدا کے خلاف حکم کرتے ہو۔ ابوبکر نے کہا نہیں۔ حضرت نے فرمایا پھر بتاؤ کہ اگر مسلمانوں کے قبضہ میں کوئی چیز ہو جس کے وہ مالک اور متصرف ہوں اُس کے بعد میں آؤں اور دعوےٰ کروں کہ یہ میری چیز ہے تو کس سے گواہ طلب کرو گے۔ کہا تم سے تو فرمایا پھر فاطمہؑ سے فدک کے بارے میں کیوں گواہ طلب کیا؟ اس چیز کے بارے میں جو ان کے قبضہ میں حیاتِ رسُولؐ میں تھی۔ اور ان کے بعد وہ اس کی مالک و متصرّف تھیں اور مسلمانوں سے گواہ نہیں طلب کیا جس طرح مجھ سے طلب کیا۔ اُس فرضی ملکیت میں جو میں نے بیان کی۔ ابوبکر یہ سُن کر خاموش ہو گئے۔ لیکن عمر نے کہا ان باتوں کو چھوڑو ہم تم سے بحث کی طاقت نہیں رکھتے۔ اگر عادل گواہ لاتے ہو تو میں دے دُوں گا۔ ورنہ تمھارا اور فاطمہؑ کا اُس میں کوئی حق نہیں ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا اے ابوبکر قرآن تم نے پڑھا ہے یا نہیں کہا ہاں۔ فرمایا مجھے خدا تعالیٰ کے اس قول انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ سے آگاہ کرو کہ ہمارے حق میں نازل ہوا ہے یا ہمارے غیر کے حق میں۔ ابوبکر نے کہا تمھارے حق میں نازل ہوا ہے۔ حضرت نے فرمایا اگر گواہاں تمھارے سامنے گواہی دیں کہ العیاذاً باللہ فاطمہؑ نے زنا کی ہے تو کیا کرو گے۔ کہا اُن پر حد جاری کروں گا جس طرح اور دوسرے لوگوں پر کرتا ہوں۔ حضرتؑ نے فرمایا اگر ایسا کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔ کہا کیوں؟ حضرتؑ نے فرمایا اس لیے کہ ان کے حق میں طہارت کی خدا کی گواہی تم رد کرو گے۔ اور لوگوں کی گواہی قبُول کرو گے۔ جس طرح حکمِ خدا و حکمِ رسُولؐ کو فدک کے بارے میں تم نے رد کیا ہے۔ جنھوں نے فاطمہؑ کو فدک دیا ہے اور وہ ان کے تصرّف میں تھا اور تم نے اس اعرابی کی گواہی قبول کی جو اپنے پیر کے پنجہ پر پیشاب کرتا ہے جس نے گواہی دی کہ پیغمبر کی میراث نہیں ہوتی اور فدک تم نے فاطمہؑ سے چھین لیا کہ مسلمانوں کی غنیمت ہے۔ بیشک جناب رسُولِ خداؐ نے فرمایا ہے کہ گواہی پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور قسم مدعا علیہ کے ذمہ۔ تم نے رسُولِ خداؐ کے قول کو رد کر دیا اور اس کے برعکس

عمل کیا جب گفتگو یہاں تک پہنچی تو لوگ رونے لگے اور آوازیں بلند ہوئیں۔ اکثر لوگوں نے جناب امیرؑ کے قول کی تصدیق کی اور حضرتؑ گھر تشریف لے گئے اور فاطمہؑ مسجد میں آئیں اور اپنے پدرِ بزرگوار کی قبر کا طواف کیا اور زمانہ کی شکایت اور منافقوں کے مظالم کے ذکر میں چند اشعار پڑھے، جس سے در و دیوار گریاں ہوئے۔ پھر ابوبکر و عمر اپنے اپنے گھر واپس گئے۔ پھر ابوبکر نے عمر کو بلایا اور کہا تم نے دیکھا کہ علیؑ نے آج ہمارے ساتھ کیا کیا۔ اگر دوسری بار ہمارے اوپر ایسے ہی اعتراضات کیے تو ہمارا بنا بنایا کام درہم برہم ہو جائے گا۔ اس معاملہ میں تمہاری رائے میں کیا تدبیر ہو سکتی ہے۔ عمر نے کہا میری رائے میں تو ان کے قتل کا حکم دے دینا چاہیئے۔ ابوبکر نے کہا یہ کام کس سے ہو سکے گا۔ عمر نے کہا خالد بن ولید سے۔ الغرض خالد کو بلایا اور کہا ہم چاہتے ہیں کہ تم سے ایک عظیم کام لیں۔ اُس نے کہا جو چاہو کام لو اگرچہ وہ قتلِ علیؑ ہی کیوں نہ ہو۔ اُن دونوں نے کہا ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔ خالد نے کہا کس وقت ان کو قتل کروں۔ کہا نماز کے وقت مسجد میں حاضر ہو اور اُن کے پہلو میں کھڑے ہونا۔ جب میں سلام نماز کہوں اُٹھنا اور اُن کی گردن مار دینا۔ اُس نے کہا ایسا ہی ہوگا۔ اسما بنت عمیس نے جو اس وقت تک ابوبکر کی زوجہ تھیں اور اس سے پہلے حضرت جعفر طیار کی زوجیت میں تھیں اور امیرالمومنینؑ کے شیعوں میں تھیں یہ باتیں سُنیں اور علانیہ حضرت کو اس کی اطلاع نہیں پہنچا سکتی تھیں تو اپنی کنیز سے کہا کہ علیؑ و فاطمہؑ کے گھر جا اور میرا سلام کہنا اور صحن خانہ میں اس آیت کو پڑھنا جس میں مومن آلِ فرعون نے موسیٰؑ کو پیغام دیا۔ کہ "انّ الملاء یأتمرون بک لیقتلوک فاخرج انّی لک من الناصحین" یعنی فرعون کی قوم کے اشراف نے تمہارے متعلق مشورہ کیا ہے کہ قتل کر دیں لہٰذا باہر چلے جاؤ۔ بیشک میں تمہارے خیر خواہوں میں ہوں۔ اسماء نے کہا اگر متوجہ نہ ہوں تو دوبارہ پڑھنا۔ وہ کنیز آئی اور سلام پہنچایا اور واپس ہوئی۔ تو یہ آیت پڑھی۔ جناب امیرؑ نے فرمایا اپنی خاتون کو سلام کہنا اور کہنا کہ خدا ان ظالموں کے ارادہ میں ان کو کامیاب نہیں کرے گا۔ اور دوسری روایت کے مطابق فرمایا کہ اگر وہ مجھ کو مار ڈالیں گے تو ناکثین و قاسطین و مارقین سے جنگ کون کرے گا۔

الغرض جناب امیرؑ اُٹھے اور نماز کے لیے تیار ہوئے اور مسجد میں آئے اور تقیہ کے ساتھ ابوبکر کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ اور اپنی نماز فرادیٰ (تنہا) پڑھی۔ خالد تلوار باندھے ہوئے آپ کے پہلو میں کھڑا تھا۔ جب ابوبکر تشہد کے لیے بیٹھے اپنے ارادہ سے پشیمان ہوئے اور فساد سے ڈرے۔ جنابِ امیرؑ کی کمالِ سعادت و شجاعت کو جانتے تھے اور غور کرتے رہے اور بار بار تشہد پڑھتے رہے اور ڈر کے مارے سلام نہیں پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے سمجھا کہ نماز میں ان کو سہو ہو گیا ہے۔ پھر خالد کی جانب متوجہ ہوئے اور کہا کہ اے خالد جس کام کا حکم میں نے تجھ کو دیا ہے مت کرنا۔ ایک روایت کے مطابق تین مرتبہ کہا۔ اُس کے بعد سلام نماز پڑھا۔ امیرالمومنینؑ

نے پوچھا اے خالد تجھ کو کیا حکم دیا تھا۔ اُس نے کہا مجھ کو حکم دیا تھا کہ تمہاری گردن مار دوں۔ حضرت نے پوچھا کیا تو ایسا کر سکتا تھا۔ اُس نے کہا ہاں خدا کی قسم اگر سلام پڑھنے سے پہلے مجھ کو منع نہ کرتے تو یقیناً تم کو قتل کر دیتا۔ یہ سُن کر حضرت نے اُس کو بلند کر کے زمین پر پٹک دیا عمر نے کہا خدا کی قسم اس کو مار ڈالا۔ یہ دیکھ کر لوگ جمع ہوئے اور حضرتؑ کو صاحبِ قبر (یعنی رسُول اللہؐ) کی قسم دی تو حضرتؑ نے اُس کو چھوڑا۔ پھر عمر کا گلا پکڑ کے فرمایا کہ اے پسرِ ضہاک اگر جناب رسُولِ خداؐ کی وصیت اور تقدیرِ الٰہی نہ ہوتی تو بیشک تجھ کو معلوم ہوتا کہ میں اور تو دونوں میں کون مددگاروں میں کم اور تعداد میں قلیل ہے۔ پھر اپنے خانۂ اقدس واپس تشریف لے گئے۔ ایک روایت کے مُطابق یہ واقعہ نمازِ صبح کے وقت ہوا۔ ابوبکر نے تشہد کو اس قدر طول دیا اور اپنے اس حکم پر سوچتے رہے یہاں تک کہ نزدیک تھا کہ آفتاب طلوع ہو جائے۔ اور ابوذرؓ کی روایت کے مُطابق حضرتؑ نے خالد کو انگشتِ سبابہ (کلمہ کی انگلی) اور انگوٹھے سے دبایا۔ وہ چلّایا اور نزدیک تھا کہ اُس کی جان نکل جائے اور اس کا پاخانہ نکل گیا اور کپڑے نجس ہو گئے۔ ہاتھ پیر مارتا تھا اور بولنے کی طاقت نہ تھی۔ یہ دیکھ کر ابوبکر نے کہا یہ تیرے مشورہ سے ہوا، اور میں یہ حال جانتا تھا۔ خدا کا شکر کر کہ وہ ہماری طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ جو شخص خالد کو چھڑانے نزدیک جاتا تھا۔ حضرت تیز نگاہ سے اُس کو دیکھتے تھے اور وُہ خوف کھا کر پلٹ جاتا تھا۔ آخر ابوبکر نے جناب عباسؓ کو بُلایا کہ وہ سفارش کریں۔ عباسؓ امیرالمومنینؑ کے پاس گئے اور آپؑ کو قبرِ جناب رسالت مآبؐ اور خود جنابِ رسالتمآبؐ کی اور حسنینؑ اور جناب فاطمہؑ کی قسم دی تو حضرتؑ اس سے دست بردار ہوئے۔ جنابِ عباسؓ نے حضرت کی نورانی پیشانی کو چُوما۔ اور کتبِ معتبرہ میں مذکور ہے کہ فدک کے غصب کے بعد جنابِ امیرؑ نے ابوبکر کو نہایت سخت خط لکھا اور اس میں کافی وعید درج کی۔ جب ابوبکر نے خط پڑھا تو بہت ڈرے اور چاہا کہ فدک اور خلافت دونوں واپس کر دیں۔ عمر نے کہا کہ میں نے تمہارے واسطے خلافت کا مقطر پانی صاف کیا کہ تم پیئو اور تم چاہتے ہو کہ پیاسے رہو۔ جس طرح ہمیشہ رہے ہو۔ اور عرب کے گردن کشوں کی گردنیں تمہارے لیے جھکا دی ہیں۔ اور تم کو اس کی قدر نہیں معلوم یہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں۔ بزرگانِ قریش کو قتل کیا ہے اور ان کے سلسلہ کو ختم کر دیا۔ میں نے ان کو اپنی تدبیروں سے رام کیا ہے۔ تم ان کی دھمکیوں کی پرواہ مت کرو۔ ابوبکر نے کہا اے عمر میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ ان افسوں گریوں سے باز آجاؤ۔ خدا کی قسم اگر وہ میرے اور تمہارے مار ڈالنے کا ارادہ کریں تو ہم دونوں کو بائیں ہاتھ سے مار ڈالیں گے بغیر اس کے کہ داہنے ہاتھ کو کام میں لائیں ہم کو ان کی تین خصلتوں کے سبب اب تک نجات ملتی

رہی ہے۔ **اوّل** یہ کہ وہ تنہا ہیں مددگار نہیں رکھتے۔ **دوسرے** یہ کہ رسولِ خداؐ کی وصیت کی رعایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ان کو حکم دیا ہے کہ تلوار نہ کھینچیں۔ **تیسرے** یہ کہ عرب کے تمام قبیلے ان سے اپنے دلوں میں کینہ رکھتے ہیں۔ اگر یہ باتیں نہ ہوتیں تو خلافت ان کے پاس واپس جا چکی ہوتی۔ کیا تم نے روزِ اُحد کو فراموش کر دیا ہے کہ ہم سب بھاگ گئے تھے اور انھوں نے تلوار کھینچی اور تنہا قریش کے علمداروں اور شجاعوں کو ہلاک کر کے خاک پر گرا دیا۔ تم خالد پر غرور مت کرو اور جب تک وہ (جناب امیرؑ) ہم سے متعرض نہ ہوں تم بھی ان سے متعرض نہ ہو۔

اگرچہ اکثر اہلسنت نے چاہا ہے کہ امیرالمومنینؑ کے قتل کا ابوبکر و عمر کے حکم کو پوشیدہ کریں اور اسی وجہ سے صریحاً اپنی کتابوں میں اس کی روایت نہیں کی ہے۔ لیکن ابوبکر کا سلام نماز سے پہلے خالد سے خطاب کرنا نقل کیا ہے اور وہ اس بارے میں شیعوں کی روایت کی صداقت پر واضح قرینہ ہے۔ چنانچہ ابن ابی الحدید نے نقل کیا ہے کہ میں نے اپنے استاد ابوجعفر نقیب سے پوچھا کہ کیا ابوبکر و عمر کا خالد کو امیرالمومنینؑ کے قتل کا حکم دینا صحیح ہے۔ ابوجعفر نے کہا کہ سادات علوی کے ایک گروہ نے روایت کی ہے۔ نیز روایت کی ہے کہ ایک شخص ابوحنیفہ کے شاگرد زفر بن ہذیل کے پاس آیا اور سوال کیا اس فتویٰ کے بارے میں جو ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ نماز کے سلام سے پہلے نماز سے باہر ہونا جائز ہے۔ جیسے بات کرنا اور فعلِ کثیر اور حدث صادر کرنا زفر نے کہا ہاں جائز ہے، جیسا کہ ابوبکر نے تشہد میں کہا جو کچھ کہا۔ اُس مرد نے پوچھا وہ کیا تھا جو ابوبکر نے کہا۔ زفر نے کہا تجھ کو ایسا سوال کرنا جائز نہیں ہے۔ اُس نے دوبارہ پوچھا تو زفر نے کہا کہ اس مرد کو باہر نکال دو کہ یہ ابوالخطاب کے اصحاب میں سے ہوگا۔ پھر ابن ابی الحدید نے نقیب سے پوچھا کہ آپ کیا کہتے ہیں تو اس نے تقیہ کیا اور کہا کہ میں یہ امر بعید جانتا ہوں۔ لیکن امامیہ نے روایت کی ہے اور فضل بن شاذان نے کتابِ ایضاح میں اس قصہ کو جس طرح مذکور ہوا۔ سفیان بن عیینہ، حسن بن صالح بن حی، ابوبکر بن عیاش، شریک بن عبداللہ اور عامہ کے فقہا میں سے لوگوں نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ سلیمان، ابن حی اور وکیع سے لوگوں نے پوچھا کہ اس مسئلہ میں آپ کیا کہتے ہیں جو ابوبکر نے کیا تو سب نے کہا غلط تھا۔ لیکن تمام نہ کیا۔ اور مدینہ کے ایک دوسرے گروہ نے کہا ہے کہ کوئی حرج نہیں ہے اگر اصلاحِ اُمت کے لیے کہ متفرق نہ ہوں ایک شخص کو قتل کر دیں۔ چونکہ علیؑ لوگوں کو ابوبکر کی بیعت کرنے سے منع کرتے تھے اس لیے انھوں نے بھی ان کے قتل کا حکم دیا اور بعضوں نے اس عمل کی علت کی خرابی کے خوف سے روایت نہیں کی ہے۔ لیکن ابوبکر کی اصل تمہید کہ حکایت کی ہے یعنی خالد کے ساتھ کہ جب میں سلام پھیروں تو فلاں کام کرنا اور سلام پھیرنے سے پہلے پشیمان ہو کر خالد سے کہتا کہ جو کچھ میں نے کہا عمل میں مت

لانا اور اُن کے اسی فعل کو سلام پڑھنے سے نماز میں باتیں کرنے کے جواز کی دلیل قرار دی ہے۔ اس کے بعد نقل کیا ہے کہ کسی نے شاگرد ابوحنیفہ بغداد کے قاضی ابویوسف سے پوچھا کہ وہ کیا تھا (یعنی جائز یا ناجائز) جو ابوبکر نے خالد سے کہا تھا۔ ابویوسف نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور کہا کہ خاموش رہ تجھ کو ان باتوں سے کیا سروکار ہے۔ خدا کی قسم اگر علیؑ ابوبکر کی بیعت پر راضی اور اُن کے فرمانبردار تھے۔ اور وہ اور اُن کے اصحاب سب شہادت دیتے ہیں کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ علیؑ اہلِ جنت سے ہیں۔ لہٰذا کوئی ظلم اس سے زیادہ رُوئے زمین پر نہ ہوگا کہ باوجود اس حال کے ان کے قتل کا حکم دیں۔ اور اگر علیؑ ان کی بیعت پر راضی نہ تھے تو یہ عین مذہب شیعہ کی بات ہے کہ ابوبکر نے جبراً علیؑ پر تقدم اختیار کیا۔ یہاں تک فضل کا کلام تھا۔ اور باطل وجہوں سے جن سے اِن لوگوں نے ان کے لیے عذر کیا ہے اور بات کرنے کی وجہ کو تمام جماعتوں کے مخفی کرنے سے قطعی علم حاصل ہوتا ہے کہ ایسے امر قبیح کا سبب تھا جس کو فضیحت و رسوائی کے خوف سے ظاہر نہیں کر سکتے۔ اور کون مسلمان تجویز کر سکتا ہے کہ جو شخص ایسے بزرگ کو قتل کرنا چاہتا ہو امامت و خلافت کی قابلیت رکھتا ہے۔

جو حدیثیں کہ عامہ کے طریقہ سے غصب فدک کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اُن میں سے جناب فاطمہؑ کا مشہور خطبہ ہے کہ اصل خطبہ اس کی حقیقت کی گواہی دیتا ہے اور ایسا کلام ائمہ علیہم السلام کے سوا جو منبع وحی الٰہی والہام ہیں دوسروں سے صادر نہیں ہو سکتا۔ ابن ابی الحدید جو ان کے اعاظم علماء میں سے ہیں۔ شرح نہج البلاغہ میں اُس خط کی شرح میں جو امیرالمومنینؑ نے عثمان بن حنیف کو لکھا ہے کہا ہے۔

پہلی فصل اخبار و سیر جو اہلِ حدیث کی زبانوں سے اور اُن کی کتابوں میں وارد ہوئے ہیں۔ ان کو نقل کرتا ہوں شیعوں کی کتابوں اور اُن کے راویوں کے بیان سے نہیں اور وہ تمام باتیں جو اس فصل میں لکھتا ہوں، وہ ابوبکر احمد بن عبدالرحمٰن جوہری کی کتاب سقیفہ سے لکھتا ہوں۔ اور یہ ابوبکر جوہری مرد عالم، محدث، کثیرالآداب، ثقہ اور صاحب ورع ہیں جن کی مدح محدثین نے کی ہے اور ان کی تصانیف وغیر تصانیف سے روایت کی ہے اور اس خطبہ کی تین سندوں سے یعنی جناب زینبؑ دختر امیرالمومنینؑ علیہ السلام، امام محمد باقرؑ اور عبداللہ بن حسنؑ سے روایت کی ہے اور صاحب کشف الغمہ نے بھی جوہری کی کتاب سے روایت کی ہے اور مسعودی نے کتاب مروج الذہب میں جو معتبر ترین تواریخ ہے اس خطبہ کی طرف اِشارہ کیا ہے اور سید مرتضیٰ نے عامہ کی سندوں سے عائشہؓ سے روایت کی ہے اور سید ابن طاؤس نے عامہ کے طریق سے روایت کی ہے اور سید احمد بن ابی طاہر نے کتاب بلاغات النساء میں چند

طریقوں سے روایت کی ہے اور ابن اثیر نے کتاب نہایہ میں اس کے اکثر الفاظ کی روایت کی ہے۔ ایسے مشہور خطبہ سے کوئی انکار نہیں کر سکتا خطبہ بہت طولانی دو جزو کے قریب ہے جس کے تمام نقل کی اس رسالہ میں گنجائش نہیں ہے۔ اس میں سے جس قدر فدک کے احتجاج کے بارے میں ہے ہم نقل کرتے ہیں۔

روایت کی ہے کہ جب ابوبکر نے ارادہ کیا کہ فاطمہؑ سے فدک کو لے لیں اور یہ خبر جناب فاطمہؑ کو پہنچی مقنعۂ مطہر سر پر باندھا اور چادر عصمت اوڑھی اور اپنے خدمت گاروں اور اپنی رشتہ دار عورتوں کے گروہ کے ساتھ روانہ ہوئیں اور اپنے پیروں کو بھی بسبب حیا کے چھپا لیا۔ آپ کی رفتار اور جناب رسول خداؐ کی رفتار میں کوئی فرق نہ کر سکتا تھا۔ مسجد تک ابوبکر کے پاس آئیں۔ وہ مہاجرین و انصار کے گروہ کے درمیان بیٹھے تھے۔ ایک سفید پردہ آپ کے سامنے لوگوں نے کھینچ دیا اور آپ پس پردہ بیٹھیں اور بہت درد سے روئیں کہ لوگوں میں ہلچل مچ گئی اور صدائے گریہ وزاری بلند ہوئی۔ آپ نے کچھ دیر صبر کیا یہاں تک کہ لوگ خاموش ہوئے، تب آپ نے خدا کی حمد و ثنا کی اس طرح کہ سب حیران رہ گئے۔ پھر آپ نے سرورِ کائناتؐ پر درود بھیجا اور لوگوں پر آنحضرت کے حقوق بیان فرمائے۔ پھر کہا کہ حق تعالیٰ نے ان کی روحِ مقدس کو نہایت رافت و رحمت و رغبت کے ساتھ قبض کیا کیونکہ دار آخرت کو آپ کے لیے پسند فرمایا اور دُنیا کی تکلیفوں سے آپ کو راحت بخشی۔ اور ملائکہ مقربین کے گھیرے میں لے گیا اور پروردگار کی خوشنودی اور مجاورت خدائے جبار سے ان کو سرفراز کیا۔ خدا میرے پدر پر جو اس کے پیغمبر اور امین ہیں اس کی وحی پر اور تمام خلق سے اُس کے برگزیدہ ہیں صلوات بھیجتا ہے۔ اور سلام و رحمت و برکات الٰہی اُن پر ہو۔

پھر اہل مجلس سے خطاب کیا اور فرمایا کہ اے بندگان خدا تم اوامر و نواہی خدا کے محل و مقام ہو، اور اُس کے دین و وحی کے حامل ہو جو تم پر پڑھی گئی اور خدا نے تم کو اپنا امین قرار دیا ہے کہ خود دین خدا پر عمل کرتے ہو اور دوسروں تک پہنچاتے ہو اور اپنے کو ایسا ہی سمجھتے ہو، اور خدا کا ایک عہد تمھارے درمیان ہے جو قرآن مجید ہے اور اُس نے اپنے پیغمبر کا بقیہ تمھارے درمیان چھوڑا ہے جو اُن کے اہلبیتؑ ہیں۔ پھر قرآن کے فضائل نہایت بلاغت سے ذکر کئے اور اوامر و نواہی خدا کے وجوہ بیان کئے، پھر فرمایا کہ خدا سے ڈرو اور اس کی اطاعت کرو۔ ان امور میں جن کا تم کو اُس نے حکم دیا ہے یا جن سے ممانعت فرمائی ہے۔ بیشک خدا سے علماء کے سوا اور لوگ نہیں ڈرتے۔

اس کے بعد فرمایا ایہا الناس جان لو کہ میں فاطمہؑ ہوں اور میرے پدر بزرگوار محمدؐ ہیں میں جو کچھ کہتی ہوں غلط نہیں کہتی اور جو کچھ کرتی ہوں اس حدود سے تجاوز اور حق سے انحراف نہیں کرتی

ہوں پھر یہ آیت پڑھی لقد جاءکم رسول من انفسکم یعنی تمھاری طرف تمھیں میں سے رسول مبعوث ہوا جس پر تمھاری تکلیف دشوار تھی اور وہ تمھاری ہدایت پر حریص تھا اور مومنوں پر مہربان اور رحیم تھا۔ اگر اُن کا نسب یاد کرو تو وہ میرے پدر تھے تمھارے پدر نہیں تھے ہیں ان کی بیٹی مثل تمہاری عورتیں ان کی بیٹیاں نہیں ہیں۔ اُن کا بھائی میرے چچا کا بیٹا ہے تمھارے مرد نہیں ہیں۔ وہ کس قدر نیک اور اچھے بزرگوار ہیں جن سے میں نے یہ نسبتیں دی ہیں۔ انھوں نے خدا کی رسالت تم کو پہنچائی اور اپنی نبوت ظاہر کی اور مشرکوں کے ساتھ مقابلہ کے طریق پر عمل کیا اور ان کے قبائل کو تلواریں ماریں۔ ان کے بتوں کو توڑا اور اُن کے رئیسوں اور سرداروں کے سر تیغ بے دریغ سے کاٹے اور اچھے موعظوں اور حکمت کی باتوں سے راہ حجت اُن پر بند کی۔ ان کی جمعیت کو پراگندہ کیا۔ ان کے شجاعوں کو بھگایا۔ یہاں تک کہ دین کی صبح صادق کفر و ضلالت کی شب ظلمت کی ساطع ہوئی اور حق کا خوب صورت چہرہ پردۂ جہالت سے نمودار ہوا اور اہل دین مسند ہدایت پر بیٹھے اور شیاطین اور دین کے رہزنوں کے مددگار گونگے ہوگئے اور نفاق رکھنے والے رذیل لوگ ہلاک ہوئے اور کفر و طمع و نفاق کی گرہیں کھول دی گئیں اور کلمۂ اخلاص پورا اور دین اسلام عام ہوا۔ اور تم سب کفر و شرک کے سبب سے جہنم کے غار کے کنارے پر تھے اور دنیا کے لوگوں میں خوار و ذلیل تھے۔ جو شخص تم پر غلبہ حاصل کرنا چاہتا حاصل کرتا۔ اور بلندی کا پیر تمھارے سر غرور پر رکھنا چاہتا رکھتا۔ تم کو ہلاک کرنا اور تمھارا استیصال پانی پینے اور آگ جلانے سے زیادہ آسان سمجھتا تھا تم پیشاب و پاخانہ سے ملا ہوا متعفن پانی پیتے تھے اور بکری کی کھال درخت کے پتوں کے ساتھ کھاتے تھے اور نہایت ذلت و خواری سے بسر کرتے تھے اور ڈرتے تھے کہ دشمن دور سے تم کو اچک لے جائیں گے۔ آخر خداوند تعالیٰ نے تم کو ان مہلکوں اور ذلتوں سے محمدؐ کی برکت سے نجات دی۔ اس کے بعد جبکہ تم نے تکلیفیں اٹھائیں اور چھوٹی بڑی بلاؤں میں مبتلا ہوئے اور اس کے بعد جبکہ بہادروں، بھیڑیوں، دیہاتی چوروں اور اہل کتاب کے سرکشوں کے شر میں خود حضرت گرفتار ہوئے اور ہر مرتبہ جبکہ شیطان کی سینگ ظاہر ہوئی یا مشرکوں کی جانب سے فتنۂ عظیم نے رُخ کیا خدا نے ان کے (محمدؐ کے) بھائی علیؑ کو اُس میں ڈالا۔ انھوں نے جنگ سے منہ نہ موڑا جب تک اُن کے دلیری کے سر کو اپنی شجاعت کے قدموں سے کچل نہ دیا۔ ان کے سروں کو اپنے پیروں کے نیچے دیکھا اور ان کی آتش فتنہ کو اپنی تیغ بے دریغ کے پانی سے بجھایا۔ اپنے کو مشکلوں اور تکلیفوں میں خدا کے دین کی بلندی کے لیے ڈالتے تھے اور امر خدا میں اہتمام کرتے تھے۔ ہمیشہ رسول خداؐ سے نزدیک رہتے اُن سے کسی حال میں جدا نہیں ہوتے تھے۔ وہ ہر حال میں خدا کے دوستوں کے

سردار اور طاعت خدا میں کمر بستہ اور خلق خدا کے خیر خواہ رہے اور خدا کی رضا حاصل کرنے کے لیے اپنے کو مشقت میں ڈالتے تھے اور تم اس مدت میں آرام سے زندگی گذارتے اور اور امن کے گہوارہ میں نعمتوں سے مالا مال تھے اور ہمارے لیے بلاؤں اور فتنوں کے منتظر تھے اور وحشت ناک خبروں کی اُمید کرتے تھے۔ جب کوئی جنگ رونما ہوتی تو تم پہلو تہی کرتے اور میدانِ قتال میں دشمن کو پیٹھ دکھا کر بھاگتے رہے۔ اور جب خدا نے اپنے پیغمبرؐ کے لیے پیغمبروں کا مکان اختیار کیا اور ان کو برگزیدہ لوگوں کی آرام گاہ میں لے گیا تو تمہارے سینوں میں خارِ کفر و شقاق ظاہر ہوا اور تم میں آثارِ عصبیت و نفاق نمایاں ہوئے اور دین کا لباس پرانا ہوا۔ اور گمراہوں نے بولنا شروع کیا جن کے دہن تلواروں کے خوف سے بند تھے اور چند گمنام پیدا ہوئے جو تمام لوگوں سے ذلیل تھے اور اہلِ باطل کا اونٹ گویا ہوا، اور تمہارے میدانوں میں دوڑنے لگا اور شیطان نے اپنا سر جس جگہ نیچے کئے ہوئے تھا وہیں بلند کیا اور اس نے تم کو آواز دی اور تم سب نے اجابت کی اور عزتِ دنیا کے لیے آنکھیں کھول دیں۔ شیطان نے کہا اٹھو تم ہلکے پھلکے اٹھے اس نے تم کو اہلِ حق پر غضبناک کیا۔ اس نے دیکھا کہ تم غضبناک ہو گئے اور دوسرے کے اونٹ پر اپنی ملکیت کا داغ لگایا۔ یعنی خلافت جو دوسرے کا حق تھا اپنے نام کیا اور دوسرے کا حق چھین کر اپنے گھر لے گئے۔

ابھی تمہارے پیغمبر کا زمانہ زیادہ نہ گذرا تھا اور ان کی مصیبت کا زخم مندمل نہیں ہوا تھا اور ابھی تم اُن کے جسمِ اقدس کو قبر تک نہیں لے گئے تھے کہ تم نے بہانہ کیا اور ہم فتنہ میں پڑنے سے ڈرے اور تم عین فتنہ میں گر پڑے اور یاد رکھو جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے تم سے امورِ امت کی تدبیر کس قدر دور ہے اور تم سے قوم کا معاملہ کیونکر درست ہو سکتا ہے شیطان تم کو کس طرف لے جا رہا ہے۔ حالانکہ کتابِ خدا تمہارے درمیان ہے اور اس کے امور ظاہر ہیں اور اس کے احکام واضح ہیں اور اُس کے نشانات ہویدا ہیں اور اس کے اوامر و نواہی نمایاں ہیں۔ اس کو تم نے اپنے پس پشت ڈال دیا۔ کیا قرآن سے رغبت نہیں رکھتے یا کوئی حاکم اُس کے علاوہ چاہتے ہو۔ ظالموں کے لیے بُرا بدلا ہے، اُس کا جو حکم اس کے مخالف ہو۔ اور خداوندِ عالم فرماتا ہے کہ جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی دین اختیار کرے تو اس سے ہرگز نہ قبول کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا پھر تم نے اِس قدر صبر کیا کہ تمہاری باطل خلافت مضبوط ہو جائے۔ اُس وقت تم نے آتشِ فتنہ و فساد جلانا اور بدعتیں پیدا کرنا شروع کیا اور ہر آواز جو گمراہ کرنے والے شیطان کی تمہارے درمیان بلند ہوئی۔ تم نے اس کو قبول کیا اور دینِ مبین کے انوار کو جو جلی اور روشن

تھا تم نے بجھا دیا اور پیغمبرؐ برگزیدہ کی سُنت کو تم نے محو کر دیا اور در پردہ مکر و حیلہ کرنا چاہتے ہو تاکہ دین کے نشانات مٹا دو اور لباس دین داری میں آہستہ آہستہ چاہتے ہو کہ انوار شریعت کو چھُپا دو۔ اور جاہلیت کی بدعتوں کو شائع کرو اور رسُولِ خدا کے ساتھ جو کینے تمہارے دلوں میں ہیں اُن کے اہلبیت سے پُورے کرنا چاہتے ہو۔ اور ہم تمھاری طرف سے مظالم پر صبر کرتے ہیں اُس شخص کے مانند جس کو چھری اور نیزے سے ٹکڑے ٹکڑے کریں اور وہ چارہ نہ رکھتا ہو اُن میں سے ایک یہ ہے کہ گمان کرتے ہو کہ مجھے میرے پدر کی میراث نہ ملنی چاہیئے۔ پھر وہ آیت پڑھی جس کا مضمون یہ ہے کہ آیا جاہلیت کا حکم طلب کرتے ہو اور خدا سے بڑھ کر حکم کرنے میں کون بہتر ہو سکتا ہے۔ اُس گروہ کے لیے جو صاحبِ یقین ہے۔ اے لوگو! کیا میری حقیقت نہیں جانتے ہو۔ نہیں بلکہ جان بوجھ کر چھُپاتے ہو۔ تم پر میرا حق روشن آفتاب کے مانند ظاہر ہے اے گروہ مہاجرین مجھ پر میرے پدر کی میراث میں غلبہ کرتے ہیں اور تم ان کی مدد کرتے ہو۔ اے پسر ابو قحافہ کیا کتابِ خدا میں ہے کہ تم اپنے باپ کی میراث پاؤ اور میں اپنے باپ کی میراث نہ پاؤں لقد جئت شیئاً فریا خدا پر عجیب افترا تم نے باندھی ہے۔ کیا کتابِ خدا پر عمل کرنا عمداً ترک کرتے ہو اور اپنے پس پشت ڈالتے ہو۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے۔ وورث سلیمان داؤد یعنی داؤد کی میراث سلیمان نے پائی اور یحییٰ بن زکریا کے قصہ میں فرمایا ہے۔ رب ھب لی من لدنك ولیا یرثنی ویرث من ال یعقوب یعنی خداوندا مجھے ایک ولی عطا فرما جو میری میراث لے اور آلِ یعقوب کی میراث لے اور فرمایا ہے واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ یعنی رحمی اعزا حق کے لحاظ سے بعض سے بعض کتابِ خدا میں اولیٰ ہیں پھر اُن معظمہؑ نے میراث کی آیتیں جن کو خدائے تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کے لیے بیان کی ہیں پڑھیں اور کہا تم کہتے ہو کہ میرے پدر کی میراث میں میرا حق نہیں ہے۔ میرے اور میرے پدر کے درمیان رحمی رشتہ نہیں ہے؟ کیا خدا نے تم کو آیاتِ میراث سے مخصوص فرمایا ہے اور مجھ کو اور میرے پدر کو اُن سے خارج کر دیا ہے۔ یا یہ کہتے ہو کہ میں اور میرے پدر ایک ملت کے اہل سے نہیں ہیں۔ اس سبب سے میں اُن کی میراث نہیں پا سکتی یا تم لوگ علم قرآن سے میرے پدر اور میرے پسرِ عم سے زیادہ واقف ہو۔ مختصر یہ کہ جب حضرت فاطمہؑ نے دیکھا کہ منافقوں میں سے کسی کی آواز نہیں آتی ہے تو ابو بکر سے خطاب کیا کہ آج بغیر کسی مقابلہ و منازعت کے فدک لے لو۔ لیکن روزِ قیامت مقام حساب پر تم سے مُلاقات کروں گی اور تم سے پوچھوں گی۔ اُس وقت بہترین فیصلہ کرنے والا خدا ہوگا اور حق طلب کرنے والے محمدؐ ہوں گے اور وعدہ گاہ قیامت ہے اور قیامت میں تم زیاں کار ہو گے۔ اُس وقت ندامت کچھ فائدہ نہ دے

گی۔ ہر چیز کے لیے ایک قرارگاہ ہے۔ اس کے بعد تم جانوں گے کہ کون ہے وہ جس کی طرف ذلیل کرنے والا عذاب آتا ہے اور اُس میں عذاب ابدی حلول کرتا ہے۔ پھر انصار سے خطاب کیا اور کہا اے بہادروں کے گروہ کہ اپنے کو قوم کے مددگار جانتے ہو یہ کیسی سستی ہے جو میرا حق لینے میں کرتے ہو۔ اور یہ ستم جو میرے حق میں ہو رہا ہے، اُس میں تم کیسی تغافلی عمل میں لاتے ہو۔ کیا میرے پدر نے جو رسولِ خدا ہیں نہیں کہا ہے کہ ہر شخص کی حرمت کی اُس کی اولاد کے حق میں رعایت کریں کس قدر جلد بدعتوں پر راضی ہو گئے اور اپنے پیغمبر کی ملت کی حمایت سے ہاتھ اُٹھا لیا ہے۔ حالانکہ جو طاقت میں تم سے طلب کرتی ہوں تم رکھتے ہو اور تم میں میری مدد کی قوت ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ محمدؐ فوت ہو گئے تو وہ ایسی مصیبت ہے جس کا اثر آسمان و زمین، کوہ و دشت اور صحرا پر ظاہر ہے۔ اس سبب سے ستارے تاریک ہو گئے، حرمتیں ضائع ہو گئیں اور اس سے بڑی مصیبت نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ اُس کا سبب نہیں ہے کہ تم دین سے پھر جاؤ۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے وما محمد الا رسول الخ یعنی محمد ایک رسول ہیں جیسے ان سے قبل رسولانِ خدا آئے۔ اگر وہ مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم دین سے پھر جاؤ گے اور جو پھر جائے گا تو خدا کا کچھ نقصان نہ کرے گا۔ اور خدا عنقریب شکر کرنیوالوں کو جزا دے گا۔ اے قبیلہ والو! کیا ظلم کے ساتھ مجھ سے میرے باپ کی میراث ظلم کرنے والے لے لیں اور تم دیکھتے رہو گے اور سنتے رہو گے۔ حالانکہ تم کافی تعداد میں ہو، اور جنگ کے اسلحے اور طاقت و قوت رکھتے ہو۔ میں تم کو اپنی مدد کے لیے پکارتی ہوں اور تم قبول نہیں کرتے۔ میری گریہ و زاری سنتے ہو اور میری فریاد کو نہیں پہنچتے۔ حالانکہ تم شجاعت و مردانگی سے موصوف تھے اور تم صلاح و عقل سے معروف ہو۔ عرب کے قبیلوں سے جنگ کر چکے ہو۔ اور معرکوں میں سختیاں جھیلی ہیں۔ ہم نے جو حکم تم کو دیا تم نے اس کی اطاعت کی اور ہمارے خلاف قدم نہیں اُٹھایا۔ یہاں تک کہ ہماری برکت سے خدائے تعالیٰ اسلام کی چکی گردش میں لایا اور کفر کی آگ بجھی اور دین کا انتظام مضبوط ہوا۔ اب کیوں بیان کے بعد حیران اور ایمان لانے کے بعد مشرک ہو رہے ہو۔ پھر اُس آیت کو پڑھا جس کا مضمون یہ ہے کیا اُس گروہ سے جنگ نہیں کرتے ہو جنھوں نے عہد کو توڑ دیا اور دین سے برگشتہ ہو گئے اور چاہتے ہیں کہ رسولؐ کو نکال دیں اور انھوں نے ابتدا میں تم سے جنگ کا آغاز کیا۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو۔ حالانکہ خدا زیادہ سزاوار ہے کہ اُس سے ڈرو، اگر ایمان رکھتے ہو۔ جب دیکھا کہ ان باتوں کا اثر اُن منافقوں پر نہیں ہوا۔ تو فرمایا کہ میں دیکھتی ہوں کہ عیش و راحت کی جانب مائل ہو گئے اور اُس کو جو خلافت کا سب سے زیادہ مستحق ہے تم نے دُور کر دیا ہے اور آرام و راحت کی طرف شدت سے مائل ہو گئے ہو اور علم دین جس قدر تمھارے

گلے کے اندر ڈالا گیا تھا تم نے وہ سب دہن سے نکال پھینکا۔ تو اگر تم اور جو لوگ زمین میں کافر ہو جائیں تو (خدا کو کیا پروا کیونکہ) خدا تمام عالمین سے بے نیاز ہے۔ میں نے سمجھ لیا کہ مکر اور غداری کرو گے اور میری مدد نہ کرو گے لیکن میرے سینے میں درد و غم جمع ہو گئے تھے اور میں نے چاہا کہ حجت تم پر تمام کر دوں۔ تاکہ روزِ قیامت تمھارے پاس کچھ عذر نہ رہے۔ لہٰذا ابدی ذلت اور خدا کے غضب اور روزِ جزا کے عذاب کے ساتھ میرا حق لے جاؤ۔ خدا جانتا ہے اور دیکھتا ہے جو کچھ کرتے ہو۔ اور وہ لوگ بہت جلد دیکھ لیں گے جنھوں نے ستم کیے ہیں کہ ان کی بازگشت کہاں ہو گی۔ میں اُس کی بیٹی ہوں جو تم کو عذابِ الٰہی سے ڈراتا تھا۔ لہٰذا جو چاہو کرو اور ہم تو وہی کریں گے جو حق سمجھیں گے۔ تم بھی منتظر رہو، اور ہم بھی انتظار کرتے ہیں اُس روز کا جس روز حق و باطل ظاہر ہو گا۔ یہ سُن کر ابو بکر نے کہا۔ اے رسُولؐ کی بیٹی آپ کے پدرِ بزرگوار مومنوں پر رحیم، مشفق، کریم اور مہربان تھے اور کافروں کے لیے شدید عقاب اور دردناک عذاب تھے۔ ہم ان کو کس سے نسبت دے سکتے ہیں۔ وہ آپ کے پدر تھے دوسری عورتوں کے نہیں۔ وہ آپ کے شوہر کے بھائی تھے، دوسروں کے نہیں۔ خدا نے ان کو ہر قرابت مند پر اختیار کیا اور ہر امرِ عظیم میں اُن کی مدد کی۔ آپ کو دوست نہیں رکھتا مگر سعادت مند اور دشمن نہیں رکھتا مگر ہر بدقسمت۔ آپ رسُولِ خداؐ کی پاکیزہ عترت ہیں اور ہمارے نیک و برگزیدہ اور خیر و سعادت اور جنت کی طرف ہماری رہنمائی کرنے والے لوگ ہیں اور تمام عورتوں میں برگزیدہ آپ ہیں اور بہترین انبیاء کی بیٹی ہیں۔ اپنے کلام میں سچی ہیں۔ اور اپنی عقل کی زیادتی میں سب پر سبقت رکھتی ہیں۔ کوئی آپ کے حق سے آپ کو الگ نہیں کر سکتا۔ خدا کی قسم میں نے رسُولؐ خدا کی رائے سے تجاوز نہیں کیا ہے اور جو کچھ کیا ہے ان کی اجازت سے کیا ہے۔ میں خدا کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے رسُولِ خداؐ سے سُنا آپ نے فرمایا کہ ہم گروہ انبیا ترکہ نہیں چھوڑتے۔ نہ سونا نہ چاندی، نہ گھر نہ گھر کے سامان۔ ہماری میراث کتاب و حکمت اور علم پیغمبری ہے اور جو کچھ ہمارے کھانے پینے کا ذریعہ ہے، ہمارے بعد ولی امرِ خلافت اُس میں اپنی رائے اور اختیار سے حکم کرتا ہے اور میں نے ایسا ہی حکم (فیصلہ) کیا ہے کہ جو کچھ آپ ہم سے طلب کرتی ہیں وہ گھوڑوں اور ہتھیاروں کی خریداری پر صرف ہو گا۔ جس سے مسلمان کافروں سے جنگ کریں گے۔ اور یہ فیصلہ میں نے مسلمانوں کی رائے سے کیا ہے۔ میں اس رائے میں تنہا اور منفرد نہیں ہوں۔ میں اپنا مال اسباب آپ سے دریغ نہیں کرتا جو چاہیے لے لیجیے۔ آپ اپنے پدرِ بزرگوار کی امت کی سردار ہیں۔ اور اپنے فرزندوں کے لیے شجرۂ طیبہ ہیں آپ کے فضل و شرف سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ آپ کا حکم میرے مال میں جاری ہے لیکن مسلمانوں کے مال میں آپ کے پدر کے ارشاد کی مخالفت میں

نہیں کرسکتا حضرت فاطمہؑ نے فرمایا کہ سبحان اللہ! میرے پدر نے کبھی کتاب خدا کے احکام کی مخالفت نہیں کی۔ ہمیشہ آیات و قرآنی سوروں کی پیروی کرتے تھے۔ اپنے مکرو فریب کی وجہ سے میرے پدر پر افترا کرتے ہو، اور یہ حیلہ اُن حضرت کی وفات کے بعد انہی مکرو فریب کے مانند ہے جو ان کے ہلاک کرنے میں تم لوگوں نے ان کی حیات میں کیا تھا۔ ہمارے تمہارے درمیان یہ ہے کتاب خدا جو حاکم عادل ہے۔ یحییٰؑ و سلیمان کی میراث کا حال قرآن میں مذکور ہے اور مرد و عورت کی میراث کی تقسیم کتاب الٰہی میں صریح ہے۔ تمہارے لیئے تمہارے نفسوں نے ایک امر کو زینت دے رکھا ہے۔ لہٰذا صبر جمیل کرتی ہوں اور خدا سے اُس امر پہ مدد طلب کرتی ہوں جو تم بیان کرتے ہو۔

یہ سُن کر ابوبکر نے کہا خدا نے سچ کہا اور رسُولِ خداؐ نے سچ کہا اور آپ کہ اُن کی دختر ہیں سچ کہتی ہیں۔ آپ معدن حکمت اور ہدایت و رحمت کا سرچشمہ اور رکن دین اور عین حجت ہیں۔ آپ کی بات کو سچائی سے دُور نہیں جانتا ہوں اور آپ کے بیان سے انکار نہیں کرتا ہوں۔ یہ مسلمان میرے اور آپ کے سامنے موجود ہیں۔ انھوں نے میری گردن میں خلافت ڈال دی اور میں نے جو کچھ اختیار کیا ہے ان کے اتفاق سے اختیار کیا ہے۔ میں نے اپنے واسطے اختیار نہیں کیا ہے۔ یہ لوگ میرے گواہ ہیں۔ یہ سُن کر جناب فاطمہؑ نے دوبارہ ان کی جانب خطاب کیا اور فرمایا کہ اے وہ لوگو! جو قول باطل کی طرف تیزی سے جاتے ہو اور عمل قبیح سے آنکھیں بند کرلی ہیں۔ کیا تم قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے یا دلوں پر قفل پڑے ہیں۔ نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ تمھاری بداعمالیوں نے تمھارے دلوں سے حق کو نکال دیا ہے اور تمھاری آنکھوں اور تمھارے کانوں کو بند کر دیا ہے۔ تم نے بُری تاویل کی ہے اور بدترین امور کی راہنمائی کی ہے اور ہدایت کے عوض گمراہی اختیار کرلی ہے۔ اور بہت جلد اُس کے بوجھ کو گرا گروں اور اس کے انجام کو نقصان سے قریب پاؤ گے جس وقت کہ تمھاری آنکھوں کے سامنے سے پردے اُٹھ جائیں گے اور عذابات جو غیب میں پوشیدہ ہیں تم پر ظاہر ہوں گے، اور تم پر پروردگار کی جانب سے وہ نمایاں ہوگا جس کا گمان نہ رکھتے ہوگے۔ اُس وقت اہلِ ضلالت و شقاوت نقصان اُٹھائیں گے۔ پھر جناب سرورِ عالمؐ کی قبر منوّر کی طرف رُخ کر کے چند اشعار نہایت درد انگیز لہجہ میں پڑھے جن کے مضامین یہ ہیں۔ اے بابا آپ کے بعد بہت فتنے اور فسادات رونما ہوئے۔ اگر آپ ہوتے تو وہ ظاہر نہ ہوتے۔ ہم آپ کے بغیر ایسے بے بارش کے باغ ہیں جس کے درخت و برگ و گل دیکھتے دیکھتے سب بدکردار لوگوں کے ظلم کے بادِ سموم سے پژمردہ ہوگئے۔ ہمارے حال کے گواہ رہیئے اور تغافل کے کانٹوں سے ہمارے دل کو زخمی نہ کیجیئے۔ ہر پیغمبر کے اہلبیت اپنی امت کے نزدیک صاحب عزت و حرمت تھے، سوائے ہمارے۔

چند مردوں نے اپنے دلوں کے کینے جب آپ زیرِ خاک پنہاں ہو گئے تو ہمارے ساتھ ظاہر کئے۔ ایک گروہ نے ہم سے ترشروئی کی اور ہمارے حق کو سبک سمجھا جبکہ آپ کو نہ دیکھا۔ ان لوگوں نے زمین ہم پر تنگ کر دی۔ آپ وہ تاباں اور آفتابِ درخشاں تھے جس سے ہم روشنی حاصل کرتے تھے۔ آپ پر پروردگارِ عزّت کی جانب سے کتاب نازل ہوئی اور جبرئیل قرآنی آیتوں کے ساتھ ہمارے مونس تھے۔ آپ دُنیا سے گئے اور تمام نیکیاں چھُپ گئیں۔ کاش آپ کے سامنے ہم کو موت آگئی ہوتی۔ جب آپ گئے اور اپنا جمال ہم سے پوشیدہ کر لیا تو ہم چند ایسی بلاؤں میں مبتلا ہوئے کہ خلائق سے جس کے مثل کوئی اندوہناک مُبتلا نہ ہوا تھا۔ پھر جناب فاطمہؑ بیت الشرف واپس تشریف لے گئیں۔ جناب امیرؑ ان کے انتظار میں تھے۔ جب وہ اپنے خانۂ اقدس میں پہنچ گئیں تو مصلحتہً دلیرانہ سخت خطابات جناب امیرؑ سے کئے کہ آپ اس جنین کے مانند جو رحم میں ہوتا ہے پردہ نشین ہو گئے اور خوفزدہ لوگوں کی طرح گھر میں بھاگ آئے۔ اس کے بعد جبکہ زمانہ کے شجاعوں کو خاک میں ملا دیا اور ان نامردوں سے مغلوب ہو گئے۔ یہ فرزند قحافہ میرے پدر کا عطا کردہ فدک جو میرے فرزندوں کی معیشت کا ذریعہ تھا مجھ سے بجبر و ظلم لیتا ہے اور علانیہ مجھ سے مخاصمت کرتا ہے اور انصار میری مدد نہیں کرتے۔ مہاجرین ایک کنارہ ہو گئے اور تمام لوگوں نے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ نہ کوئی مجھ سے دُشمنوں کو دفع کرنے والا ہے۔ اور نہ روکنے والا نہ کوئی مددگار ہے نہ سفارش کرنے والا۔ غضبناک میں نکلی اور غمناک واپس آئی۔ آپ نے اپنے کو ذلیل کر دیا جس روز کہ اپنے رُعب و جلال سے ہاتھ اُٹھا لیا۔ بھیڑیے پھاڑے کھاتے ہیں اور جو چاہتے ہیں لے جاتے ہیں اور آپ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتے۔ کاش اس ذلت و خواری سے پہلے میں مر چکی ہوتی ہر صبح و شام مجھ پر وائے ہو۔ میرا محل مٹ گیا۔ میرا مددگار سُست ہو گیا میری شکایت اپنے پدر سے ہے۔ اور میرا مخاصمہ اپنے پروردگار سے ہے۔ خداوندا تیری قوّت و طاقت سب سے زیادہ ہے۔ اور تیرا عذاب اور تیری سختی سب سے زیادہ شدید ہے۔ یہ سُن کر امیرالمومنینؑ نے فرمایا اے سیّدۃ النساء ذلت و خواری اور کسی طرح کا عذاب تم پر نہیں بلکہ تمھارے دشمن پر ہے۔ صبر کرو اور اپنے غم و صدمہ کی آگ کو بجھا دو۔ اے برگزیدۂ عالمین کی بیٹی اور اے پیغمبری کی ذریت کی بقیہ میں نے اپنے امرِ دین میں سُستی نہیں کی اور جس پر خدا کی جانب سے مامور تھا عمل میں لایا اور جس قدر ممکن تھا اپنے حق کے طلب کرنے میں کسی روز میں نے کمی نہیں کی۔ تمھارا اور تمھاری اولاد کا خدا ضامن ہے اور جو تمھارے امر کا کفیل ہے امن میں ہے اور جو کچھ حق تعالیٰ نے تمھارے لیے آخرت میں مُہیا کیا ہے وہ اُس سے بہتر ہے جو ان اشقیا نے تم سے چھین لیا ہے۔ لہٰذا خدا سے اجر طلب کرو اور صبر کرو۔ جنابِ فاطمہؑ

نے کہا خدا میرے لیے کافی ہے اور وُہی میرے لیے بہتر وکیل ہے اور خاموش ہوگئیں ۱؎

۱؎ مولف فرماتے ہیں کہ اس مقام پر بعض امور کی تحقیق ضروری ہے۔

۱۔ چند شبہات کا رفع کرنا جو ممکن ہے دلوں میں خطور کریں کہ جناب فاطمہؑ کے جناب امیرؑ پر اعتراض کی کیا صورت ہے۔ اُس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض مصلحت پر محمول ہے تاکہ لوگ جان لیں کہ جناب امیرؑ نے اپنی خوشی سے خلافت ترک نہیں کی اور فدک کے غصب ہونے پر راضی نہ تھے۔ قرآن مجید میں بہت سے عتاب آمیز خطابات جناب رسُولؐ سے ہُوئے ہیں۔ لیکن اُن سے غرض دُوسروں کی تنبیہ اور تادیب ہے۔ اِسی طرح ہے جو کچھ حضرت مُوسیٰؑ سے صادر ہوا۔ جس وقت کہ اپنی قوم کی طرف واپس آئے اور وہ گوسالہ کی پرستش کرتے تھے۔ جیسے الواح کا پھینک دینا اور جناب ہارون کی داڑھی پکڑ کر کھینچنا۔ باوجودیکہ جانتے تھے ہارون کا کوئی قصور نہیں۔ لیکن غرض یہ تھی کہ قوم پر ان کے عمل کی خرابی ظاہر ہوجائے گی اور جس طرح خدائے تعالیٰ روزِ قیامت جناب عیسیٰؑ سے بازپُرس کرے گا کہ آیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو دو خدا سمجھو۔ باوجود اس کے وہ جانتا ہے کہ جناب عیسیٰؑ نے ایسا نہیں کہا تھا۔ اور ایسی مثالیں بہت ہیں۔ اگر کہیں کہ جناب فاطمہؑ کا فدک کے دعویٰ میں یہ مبالغہ کرنا اور مجمع میں جاکر خطبہ پڑھنا اُن مخدرہ کے تقدس اور منزہ اور تہد دنیا اور کمال معرفت کے خلاف ہے۔ دو طریقہ سے جواب دیا جاسکتا ہے۔

(اوّل) یہ کہ اُن معظمہؑ کا مخصوص حق نہ تھا کہ اُس کے خیال کو چھوڑ دیتیں اور اُن کے حوالے کر دیتیں۔ بلکہ ائمہ اطہار اور قیامت تک کی آپ کی اولاد بھی اُس میں شریک تھی اور اس امر میں سُستی اُن کے حقوق کو ضائع کرنے کے مانند تھی اور اُن معظمہ پر واجب تھا کہ اپنی طاقت و قوّت کے مطابق ان کے حقوق کو ضائع ہونے سے بچائیں۔

(دُوسرے) یہ کہ اُن معظمہ کی غرض صرف فدک کی واپس لینے ہی سے نہ تھی۔ بلکہ سب سے بڑی غرض اعدائے دین کے کفر و نفاق کو ظاہر کرنے کی تھی تاکہ لوگ ان کو پہچان لیں اور اُن کے فریب میں نہ آئیں اور موجودہ لوگوں پر حجت تمام ہوجائے اور غائب لوگوں پر شیعوں کے لیے روزِ قیامت تک حجت و دلیل حاصل رہے۔ چنانچہ آخر خطبہ میں اشعار بیان فرمائے کہ باوجودیکہ میں جانتی تھی کہ تم مدد نہ کرو گے۔ تب بھی میں نے کہا اور جو کچھ کہا اس لیے کہا تاکہ حجت تمام کردُوں۔ اسی طرح ان غاصبان خلافت کے ساتھ امیرالمومنینؑ کا ان کے ظلم اور شکایت کے اظہار میں تمام عمر تک نزاع کرنا تھا۔ جیسا کہ گزر چکا۔ وہ دنیا کی محبت اور جاہ و ریاست کی خواہش میں نہ تھا بلکہ اُس جماعت کے ظلم و ارتداد کے اظہار کے لیے تھا تاکہ عالمین پر حجت ہو۔

۲۔ اوّل و دوم کے کفر کا ان خبروں سے جو اس واقعہ ہائلہ میں وارد ہوئے ہیں اُن کی چند وجہیں ہو

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ فرمائیے)

دیگر۔ اُن تمام امُور میں سے جو حکمِ خُدا و رسُولؐ کے خلاف جنابِ فاطمہؑ اور اہلبیت کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سکتی ہیں :-

(اوّل) یہ کہ اخبار عامہ و خاصہ سے معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہؑ اور جنابِ امیرؑ نے اس واقعہ میں ان دونوں کو غاصب و ظالم و عاصی جانا ہے اور اُن دونوں نے بھی ان دونوں بزرگوار کو کاذب اور ناحق خلافت کا مدعی اور عاق امام جانا ہے۔ لہذا ان دونوں جماعتوں میں سے چاہیئے کہ ایک صحیح اور حق پر ہو۔ باوجود اس کے مخالفوں نے اپنی صحاح میں بہت طریقوں سے خود روایت کی ہے کہ جو شخص اپنے امام کی اطاعت سے باہر ہوجائے اور جماعت سے علیحدگی اختیار کرے، وُہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔ نیز روایت کی ہے کہ جو شخص بادشاہ کی اطاعت سے ایک بالشت باہر ہو جائے وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے اور جو شخص مر جائے اور اُس کی گردن میں کسی امام کی بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا ہے اور یہ معلوم ہے کہ صدیقہ طاہرہ ابوبکر سے راضی نہیں ہُوئیں اور ان کو باطل و گمراہی پر جانتی تھیں یہاں تک کہ دُنیا سے رخصت ہُوئیں تو جو شخص امامت ابوبکر کا قائل ہو تو چاہیئے کہ سیدۂ زنانِ عالمین جس کو خدا نے ہر رجس سے پاک کیا ہے، جاہلیت اور کفر و ضلالت کی (معاذاللہ) موت پر دُنیا سے رخصت ہُوئیں۔ لیکن کوئی زندیق اور کوئی ملحد بھی یہ نہیں کہہ سکتا اور جامع الاصول میں صحیح مسلم اور صحیح ابی داؤد سے روایت کی ہے کہ جنابِ فاطمہؑ نے ابوبکر سے سوال کیا کہ جو ترکہ جنابِ رسُولِ خداؐ نے چھوڑا ہے اور جو کچھ خدا نے ان کو غنیمت میں عطا فرمایا ہے اُن پر تقسیم کریں۔ ابوبکر نے کہا کہ جنابِ رسُولِ خداؐ نے فرمایا ہے کہ ہم میراث میں کچھ نہیں چھوڑتے جو کچھ ہمارا مال ہوتا ہے وہ صدقہ ہے یہ سُن کر فاطمہؑ غضب ناک ہوئیں اور ترک کلام کر دیا اور ہمیشہ اسی حال میں رہیں۔ یہاں تک کہ دنیا سے رُخصت ہُوئیں اور جنابِ رسُولِ خداؐ کے بعد چھ مہینے سے کچھ کم زندہ رہیں اور جنابِ فاطمہؑ خیبر، فدک اور مدینہ میں جو کچھ رسُولِ خداؐ کا ترکہ تھا اس سے اپنا حصہ طلب کرتی تھیں ابوبکر نے تسلیم نہیں کیا اور نہیں دیا۔ عمر نے بھی اپنے زمانہ میں ایسا ہی کیا۔ لیکن عمر نے مدینہ کے مال و سامان میں سے علیؑ و عباس کو دیا۔ اور خیبر اور فدک کو محفوظ رکھا اور ان دونوں بزرگواروں کو نہیں دیا اور صحیح بخاری میں ان میں سے بعض باتوں کی روایت کی ہے اور ابن ابی الحدید نے کتاب سقیفہ سے روایت کی ہے کہ جب ابوبکر نے فدک فاطمہؑ سے لے لیا اور فاطمہؑ کو جواب دے دیا تو آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں تم سے کبھی کلام نہ کروں گی۔ ابوبکر نے کہا میں خدا کی قسم آپ سے ہرگز دُوری اختیار نہ کروں گا جنابِ فاطمہؑ نے فرمایا واللہ خدا کے سامنے تم پر نفرین کروں گی۔ ابوبکر نے کہا خدا کی قسم میں آپ کے لیے دُعا کروں گا جب حضرت فاطمہؑ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے وصیت کی کہ ابوبکر میرے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ ہو)

بارے میں ابوبکر نے کیا یہ ہے کہ اُن سے ذوی القربیٰ کا حق روک دیا جو بہ نص قرآن اُن کا تھا چنانچہ ابنِ ابی الحدید نے کہا ہے کہ ابوبکر و فاطمۃ الزہراؑ کے درمیان دو امور میں تنازع تھی میراث اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اسی لیے رات ہی کو انھیں دفن کر دیا۔ حضرت عباسؓ نے اُن پر نماز پڑھی۔ اور اُن معصومۂ اور اُن کے پدر بزرگوار کی وفات کے درمیان بہتر راتیں گذری تھیں اور اُن کی صحاح میں مذکور ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے اور بنی ہاشم میں سے کسی نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی۔ لہٰذا چاہیئے کہ یا تو ابوبکر کی خلافت باطل تھی اور وہ فدک پر قبضہ کرنے سے غاصب اور ایک روایت کے مطابق بموجب حدیث رسول کاذب ہوں یا جناب امیرؑ عصمت و طہارت اور حق سے جدا نہ ہونے کے باوجود عاصی اور ظالم اور اپنے امام کے عاق ٹھہریں۔ نیز جناب امیرؑ سے عداوت کفر و نفاق کی علامت ہے اور کونسی عداوت اس سے زیادہ شدید ہو سکتی ہے جو ان لوگوں نے اس واقعہ اور دوسرے واقعات میں حضرت کے ساتھ کی۔ یہاں تک کہ ابنِ ابی الحدید نے کتاب سقیفہ جوہری سے روایت کی ہے کہ جب ابوبکر نے فدک کے بارے میں فاطمہؑ کے خطبہ کو سُنا تو منبر پر گئے اور کہا ایہاالناس ایسی بات کا کیا سُننا۔ یہ آرزو جناب رسولِ خداؐ کے عہد میں کیوں نہ ہوئی۔ یہ قصہ اُس لومڑی کے مانند ہے جس کی گواہ اس کی دُم تھی۔ وہ (فاطمہؑ) تو تمام فتنوں کی جڑ ہیں چاہتی ہیں کہ پُرانے فتنوں کو نئے سرے سے اُٹھائیں، کمزور عورتوں سے مدد کی طلبگار ہیں خود ام طحال کے بارے میں زنا کی نسبت کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذری اس لئے بلا ثبوت اپنی طرف سے اُس کو زناکار کہنا مناسب نہیں .... اگر میں چاہوں تو کہہ سکتا ہوں اور اگر کہوں گا تو ظاہر کروں گا تاکہ مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دیں۔ لیکن میں خاموش ہوں۔ اے گروہ انصار مجھے تمھارے بیوقوفوں کی باتوں کی خبر ملی ہے اور اپنے ہاتھ اور اپنی زبان نہیں کھوتا ہوں تاکہ کوئی اِس کا مستحق نہ ہو۔ جب جنابِ فاطمہؑ نے یہ باتیں سُنیں اپنے گھر واپس گئیں۔ ابنِ ابی الحدید کہتے ہیں کہ میں نے اپنے اُستاد نقیب سے کہا کہ ابوبکر یہ کنایۃً کس کی طرف کر رہے تھے کہا کنایہ نہیں بلکہ صریح ہے اور اُن کی مراد علی بن ابی طالبؑ تھے۔ میں نے تعجب سے کہا ایسی باتیں اُن حضرت سے کرتے تھے۔ کہا ہاں بادشاہ تھے اور جو کچھ چاہتے تھے کہتے تھے اور کرتے تھے۔ جب دیکھا کہ انصار بگڑ گئے۔ ابوبکر ڈرے کہ وہ امیر المومنینؑ کی مدد کریں گے، تو اُن کے غصہ کو ٹھنڈا کیا۔ نقیب نے کہا کہ ام طحال ایک زناکار عورت تھی جاہلیت میں زنا سے اُس کی مثال دی جاتی تھی۔

اے طالبانِ حق اِس خبر میں غور کرو، اور انصاف کرو کہ جو شخص سید اوصیا اور پسرِ عم و برادرِ رسولِ خداؐ اور اُن مناقب و فضائل کے حامل ہوں کہ دوست و دشمن نے روایت کی ہے علی علیہ السلام اور دخترِ رسولِ خداؐ اور سیدۂ زنانِ عالمین کے بارے میں اس قسم کی باتیں کرے وہ خلافت کی اہلیت رکھتا ہے؟ یا اِسلام سے کچھ تعلق ہو سکتا ہے؟

بخشش میں اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ثالثی کے معاملہ میں بھی نزاع کیا تھا۔ ابوبکر نے ان کو وُہ حق نہیں دیا اور وہ ذوی القربیٰ کا حصّہ تھا جیساکہ کتابِ سقیفہ میں انس سے روایت کی

(بقیہ حاشیہ سابقہ)

۳ ۔ جناب فاطمہؑ کی تکذیب کرنا باوجود اُن معظمہؑ کی عصمت کے ثبوت کے خدا و رسُولؐ کے قول کی تردید کرنا ہے۔ جیساکہ آیۂ تطہیر کی تحقیق میں معلوم ہو چکا نیز عامہ و خاصہ کے طریقوں سے متواتر ہے کہ جنابِ رسُولِ خداؐ نے فرمایا کہ فاطمہؑ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔ جس نے اس کو غضب ناک کیا اُس نے مجھ کو غضب ناک کیا ہے اور جس نے اُس کو اذیّت دی ہے اُس نے مجھ کو اذیّت دی ہے۔ جیساکہ بیان ہو چکا اور یہ اُن معظمہؑ کی عصمت کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر اُن سے معصیت صادر ہو سکتی اُن کی ایذا کا کیا ذکر اُن پر حد و تعزیر لازم ہوگی اور معصیت میں ان کی رضا خدا و رسُول کی خوشنودی کا باعث نہیں ہو سکتی۔ اگر کہیں کہ ان کو ظلم و ستم سے آزار پہنچانا رسُولؐ کی ایذا کا باعث ہے اور اطاعت میں اُن کو خوش کرنا جنابِ رسُولِ خداؐ کی خوشی کا باعث ہے تو جواب میں ہم کہیں گے کہ یہ تخصیص اصل کے خلاف ہے اور حدیث عام ہے۔ (یعنی کسی حال میں اُن کی اذیّت موجب اذیت رسُولؐ ہے اور انصاف کے ساتھ اُن معظمہ کو کوئی اذیت پہنچا سکتا ہی نہیں تھا۔ کیونکہ وہ معصُومہ تھیں۔ کوئی کام ان کا مرضیٔ خدا کے خلاف ہوتا ہی نہ تھا۔ لہٰذا جو اذیّت اُن کو دی گئی وہ ظلم و ستم کے ساتھ دی گئی۔ (مترجم) ایضاً اگر یہ مراد ہو تو جنابِ رسُولِ خداؐ اور عام مسُلمانوں میں کوئی فرق نہ ہوگا اور اس صورت میں کوئی مدح اور کوئی شرف اُن حضرت کے لیے نہ ہوگا۔ اور باتفاق امت یہ کلام سرورِ عالمؐ مدح اور اختصاص میں وارد ہوا ہے۔ ایضاً آنحضرتؐ کے پارۂ بدن ہونے پر اس کی فرع بے فائدہ ہوگی۔ کیونکہ دوسرے بھی اس امر میں آپ کے ساتھ شریک ہیں۔ ایضاً جو حدیثیں ان کی صحاح میں وارد ہُوئیں ہیں کہ میں تمھارے درمیان دو بزرگ چیزیں چھوڑتا ہوں۔ کتابِ خدا اور میرے اہلبیت اگر ان کی متابعت کرو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ اور مشکوٰۃ وغیرہ میں ابوذرؓ سے روایت کی ہے کہ رسُولِ خداؐ نے فرمایا کہ میرے اہلبیتؑ کی مثال نوحؑ کی کشتی کی سی ہے جو اُس پر سوار ہُوا اُس نے نجات پائی اور جس نے اُس سے انحراف کیا وہ ہلاک ہوا۔ اور بہت سی حدیثیں ان کے صحاح سے بیان کی گئی ہیں کہ علی و فاطمہ و حسنین علیہم السّلام آنحضرتؐ کے اہلبیتؑ ہیں اور جب ان کی اطاعت و پیروی نجات کا باعث اور ان کی مخالفت ہلاکت کا سبب ہو تو چاہیئے کہ ان کے اقوال حق اور ان کے کردار قابلِ پیروی ہوں اور تمام گناہوں سے قولاً و فعلاً معصُوم رہے ہوں اور ان کا مخالف ہلاک ہونے والا گمراہ اور ملعون رہا ہو۔

۴ ۔ یہ جو ابوبکر نے دعوےٰ کیا کہ پیغمبروں کی میراث نہیں ہوتی محض کذب و افترا تھا۔ اس کی چند وجہیں ہیں (اوّل) یہ کہ حضرت یحییٰ کا جناب زکریاؑ کی میراث پانے میں آیاتِ قرآنی کی مخالفت ہے۔ اگر کہیں کہ علم و

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ فرمائیں)

ہے کہ فاطمہؑ ابوبکر کے پاس آئیں اور کہا کہ تم جانتے ہو کہ خدا نے ہم اہلبیتؑ پر صدقہ حرام کیا ہے اُس نے خمس کی آیت میں ہمارے لیے غنیمتوں میں ذوی القربیٰ کا حصّہ قرار دیا ہے۔ ابوبکر نے کہا میں نے اس آیت کو پڑھا ہے لیکن مجھے معلوم نہیں کہ یہ تمام حصّے تمھارے ہی لیے ہیں یہ جناب

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) پیغمبری کی میراث مُراد ہے تو ہم کہیں گے چند وجوہ سے یہ باطل ہے۔ (اوّل) یہ کہ لُغت اور عرفِ عام کے مُطابق جب میراث مطلق کہتے ہیں تو وہ مال کی میراث مراد ہوتی ہے خصوصاً اس وقت جبکہ آیت میں اس بات کے قرینے ہیں کہ میراث مال ہے۔ کیونکہ شرط ہے کہ وہ راضی، پسندیدہ اور اعمال صالحہ بجا لانے والا ہو اور معلوم ہے کہ پیغمبر ایسے ہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ شرط بے فائدہ ہے۔ ایضاً اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے مال کے بارے میں خوف ہوتا ہے۔ پیغمبری اور علم کے بارے میں نہیں ہوتا پھر کیوں زکریا علیہ السّلام ڈرتے ہیں اور دریغ کرتے ہیں اس سے کہ خدا اُن کے اقارب سے پیغمبروں اور علماء کو مقرر کرے۔ اس حال میں ممکن ہے کہ جانتے ہیں ان کے فسق و فساد کا باعث ہو۔ اس سبب سے دریغ کرتے ہیں اسی طرح حضرت سلیمانؑ کو حضرت داؤدؑ کی میراث پانے میں آیت کی مخالفت ہے انہی وجوہ کی بناء پر جو مذکور ہوئیں۔ نیز آیات میراث کی مخالف ہے۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبوت میراث سے اُن کے اقارب کی مایوسی کا باعث ہوگی۔ اور اپنی مشہور کتابوں میں ان لوگوں نے کتاب فرائض میں اس کو ذکر کیا ہے (دوسری وجہ) یہ کہ ابوبکر نے شہادت جو روایت کے مُطابق دی ہے وہ فائدہ حاصل کرنے کے ضمن میں ہے اور چند طریقوں سے متہم ہے۔ (اوّل) یہ کہ وہ چاہتے تھے یہ اموال ان کے تصرف میں ہوں تاکہ جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں۔ جیسا کہ جامع الاصول میں ابوالطفیل سے روایت کی ہے کہ فاطمہؑ ابوبکر کے پاس آئیں اور اپنے باپ کی میراث طلب کی۔ ابوبکر نے کہا کہ میں نے رسولؐ سے سُنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب خداوندِ عالم کوئی مال دیتا ہے تو وہ اُس کا ہوتا ہے جو اُس پیغمبر کے بعد امرِ خلافت پر مقرر ہوتا ہے۔ (دوسرے) یہ کہ قرائن سے گمان بلکہ واضح ہوتا ہے کہ وہ چاہتے تھے کہ اہلبیتؑ کو کمزور کر دیں تاکہ لوگ ان کی جانب مائل نہ ہوں اور وہ ان کی خلافت میں کوئی تنازع نہ کر سکیں یہی اتہام کے لیے کافی ہے اور یہ بہت زیادہ قوی قرینہ ہے اس جہت سے کہ ابوبکر نے امیرالمومنینؑ کی گواہی میں نفع حاصل کرنے کا اتہام لگایا اور چند دوسرے اشخاص نے ان کی تصدیق کی ہے اور سب اُس صدقہ میں شریک رہے تھے اور اہلبیتؑ کی عداوت میں معروف رہے ہیں اور یہ الزام ان میں ظاہر تھا۔ (دوم) یہ کہ مشہور خبروں سے معلوم ہے کہ امیرالمومنینؑ اس حدیث کو موضوع اور باطل جانتے تھے۔ جیسا کہ مسلم نے اپنی صحیح میں مالک بن اوس سے روایت کی ہے کہ عمر نے عباسؓ اور علیؑ سے کہا کہ ابوبکر نے کہا کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ ہم میراث نہیں رکھتے ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔ تو تم اُن کو جھوٹا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

فاطمہؑ نے فرمایا کہ کیا وہ تمھاری اور تمھارے اقربا کی ملکیت ہے۔ ابوبکر نے کہا نہیں بلکہ بعض حصہ کو تمھارے حق میں صرف کروں گا اور باقی مسلمانوں کی ضرورتوں میں خرچ کروں گا۔ جناب فاطمہؑ

(بقیہ حاشیہ گزشتہ) مکار، خائن اور گنہگار جانتے تھے اور خدا جانتا ہے کہ وہ نیکوکار سچے اور تابع حق تھے۔ ابوبکر مر گئے۔ میں نے کہا کہ میں خدا اور رسولِ خداؐ اور ابوبکر کا ولی ہوں تو تم نے مجھ کو بھی جھوٹا، مکار، خائن اور گنہگار سمجھا اور خدا جانتا ہے کہ میں سچا، نیک کردار اور حق کا تابع ہوں اور اسی کے مثل صحیح بخاری نے بھی روایت کی ہے اور ابن ابی الحدید نے بھی اس مضمون کو چند سندوں سے کتاب سقیفہ سے روایت کی ہے اور احادیث صحیحہ مشہورہ بیان ہو چکیں کہ آیہ تطہیر و احادیث ثقلین و سفینہ وغیرہا کی رُو سے جو کچھ پہلے گذر چکیں حق علیؑ سے جدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح جناب فاطمہؑ کا انکار کرنا اس روایت کی حقیقت کو ثابت کرتا ہے جو حدیث نحن معاشر الانبیاء کے باطل ہونے پر فاطمہؑ کی حجت ہے۔ (تیسری وجہ) یہ کہ اگر یہ حدیث سچی تھی تو چاہیئے تھا کہ جناب رسولِ خداؐ حضرت فاطمہؑ کو اس حکم کی تعلیم فرماتے تاکہ ناحق دعویٰ نہ کریں اور علیؑ کو بھی آگاہ کرنا چاہیئے تھا جو آنحضرتؐ کے وصی اور معدنِ علم تھے تاکہ وہ فاطمہؑ کو ناحق دعویٰ نہ کرنے دیں اور کوئی عاقل تجویز نہیں کر سکتا کہ سیدۂ زنانِ عالمین نے اس حکم کو اپنے پدرِ بزرگوار سے سُنا ہوگا۔ اسی کے ساتھ اس بارے میں اس قدر مبالغہ و فریاد کریں اور مہاجر و انصار کے مجمع میں آئیں اور اس قدر عتاب و غصہ کا اظہار تمھارے فاسد زعم میں مسلمانوں کے امام کے ساتھ کریں اور ان کو ظلم و جور سے نسبت دیتیں۔ اور لوگوں کو ان سے جنگ کرنے کی ترغیب دیتیں اور یہ باعث ہوتا اس کا کہ مسلمانوں کی کثیر جماعت ابوبکر کو غاصب و ظالم جانتی اور قیامت تک اُن پر اور اُن کے مددگاروں پر نفرین کرتی اور اگر امیر المومنینؑ جانتے کہ فاطمہؑ کا کوئی حق نہیں اور حق ابوبکر کے ساتھ ہے تو کب یہ امر تجویز فرماتے اور حضرت فاطمہؑ کی وفات کے بعد عباسؓ کے ساتھ میراث میں کیوں نزاع کرتے یہ تمام باتیں اس حکم کے بیان نہ کرنے سے اہلبیت کے لیے ہوں گی۔ کیا کوئی مسلمان اس طرح کی بھول اور غفلت امورِ دین اور احکامِ خدا کی تبلیغ میں جنابِ رسولِ خداؐ کی نسبت تجویز کر سکتا ہے۔ خاص طور سے اپنے اہلبیت اور اپنے بھائی اور اپنے جسم کے ٹکڑے کے ساتھ آنحضرتؐ کی یہ بھول تجویز کر سکتا ہے۔ لہٰذا یہ دلیل قاطع ہے اس پر کہ یہ حدیث محض افترا و کذب تھی۔ (چوتھی وجہ) اس حدیث کے جھوٹی ہونے کے شواہد ہیں یہ کہ لوگوں کی عادت عام یہ ہے کہ جو بات عہد اور شہرت کے خلاف لوگوں میں ہوتی ہے اُس کا بہت تذکرہ کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ سنّت میراث آدمؑ سے خاتمؐ تک ہر زمانہ میں جاری رہی ہے اور ہر زمانہ میں ایک گروہ انبیا کا رہا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ لوگ انبیاء کے حالات اور ان کی سیرت اور اُن کی اولاد کے حالات محفوظ رکھنے میں بہت اہتمام رکھتے ہیں خصوصاً وہ چند امور جو ان سے مخصوص

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ ہو)

نے فرمایا کہ یہ خدا کا حکم نہیں ہے۔ ابوبکر نے کہا یہی خدا کا حکم ہے۔ اگر جناب رسولِ خداؐ نے تم سے کوئی عہد کیا ہے تو بیان کرو۔ میں تصدیق کروں گا اور تمہارے اور تمہارے اہل کے لیے چھوڑ دوں گا۔ جناب فاطمہؑ نے فرمایا کہ اس بارہ میں مخصوص کچھ نہیں کہا ہے لیکن میں نے اُن حضرت سے سُنا ہے جس وقت کہ یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ اے آلِ محمدؐ تم کو خوشخبری ہو کہ تونگری تمہاری طرف آئی۔ ابوبکر نے کہا میں اس آیت کا یہ مطلب نہیں سمجھتا کہ سب تم کو دے دوں لیکن اُسی قدر جو تمہارے لیے کافی ہو عمر نے بھی ابوبکر کی تصدیق کی اور دوسری حدیثیں بھی اِسی مضمون کی روایت کی ہے اور جامع الاصول میں چند سندوں سے ابن عباسؓ اور دوسروں سے روایت کی ہے کہ رسولِ خدا ذوی القربیٰ کا حصّہ اپنے عزیزوں پر تقسیم کرتے تھے۔ ابوبکر و عمر نے کم کر دیا اور سب ان کو نہیں دیا اور حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے منقول ہے کہ خدائے تعالیٰ نے خمس کا ایک حصّہ آلِ محمدؐ کے لیے فرض قرار دیا تھا۔ ابوبکر نے حسد و عداوت کے سبب سے اُس سے انکار کیا کہ ان کا حصّہ ان کو دیں اور خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ خدا نے جو حکم نازل کیا ہے اُس کے مطابق جو فیصلہ نہ کرے وہ فاسق ہے اور اس بارے میں اہلبیتؑ کے طریقہ سے حدیثیں بہت ہیں اور آیۂ کریمہ کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ تمام قسم کے لوگ حصّہ میں مساوی ہیں جیسا کہ عامہ و خاصہ کے فقہاء نے وصایا وغیرہ کے

(حاشیہ گذشتہ) رہتے ہیں۔ لہٰذا کیا سبب ہوا کہ ایسے عادی امرِ عظیم کے خلاف انبیاء کی کتابوں میں سے کسی کتاب میں اور ان کی تاریخوں میں سے کسی تاریخ میں مذکور نہ ہوا اور سوائے تنہا ابوبکر اور دوسرے دو تین غیر معتبر اشخاص کے اس عجیب امر پہ کوئی مطلع نہ ہوا اور اس امر میں کسی سابقہ زمانہ میں ایک مرتبہ بھی کوئی نزاع نہ ہوئی کہ باوجود اس تقریب کے سابقہ اُمتوں کی تاریخوں میں درج کرتے ایک شخص نے بھی نقل نہیں کیا کہ عصائے موسیٰؑ یا سلیمانؑ کی انگوٹھی یا فلاں پیغمبر کا اسلحہ فلاں شخص کو میراث میں دیا یا وہ فخر کرے کہ فلاں پیغمبر کا کپڑا مجھ کو ملا۔ لہٰذا جو شخص ذرا بھی شعور رکھتا ہو جانتا ہے کہ یہ حدیث وضع کیا ہے اور بغیر سمجھے بوجھے افترا کیا ہے اور اُس کے انجام پر غور نہیں کیا۔ اور جو کچھ اُن کے صحاح سے ظاہر ہوتا ہے اور ابن ابی الحدید نے بھی اعتراف کیا ہے کہ سوائے ابوبکر کے کسی نے اِس حدیث کو نقل نہیں کیا اور بعضوں نے کہا ہے کہ مالک ابن اوس نے بھی ان کی تصدیق کی۔ اس قول کو نادر جانتے ہیں اور کتب اصول میں اس پر استدلال کیا ہے کہ ایک صحابی کی روایت پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ حالانکہ تنہا ابوبکر کی روایت پر عمل کیا کہ عمر کے زمانہ میں جبکہ علیؑ اور عباسؓ نے اُن کے سامنے میراث میں نزاع کی تو عمر نے طلحہ، زبیر، عبداللہ بن عوف سعد بن وقاص سے شہادت طلب کی اور اُن لوگوں نے خوف کی وجہ سے شہادت

بارے میں کہا ہے اور حق تعالیٰ نے ذوالقربیٰ کے لیے فقر و پریشانی کی شرط نہیں کی ہے۔ لہٰذا جو کچھ ابوبکر نے کیا آیہ کریمہ کے خلاف کیا اور جو شخص حکم قرآن کی مخالفت کرے بہ نص قرآن کافر، فاسق و ظالم ہے۔

دیگر۔ یہ کہ منجملہ مطاعن کے جو ابوبکر پر کئے ہیں یہ واقعہ بھی ہے کہ رسولِ خداؐ کی ازواج کو باتفاق ان کے حجروں پر تصرف کرنے سے نہیں روکا اور ان کو ان کے حجروں میں آباد رکھا اور نہیں کہا کہ یہ صدقہ ہے۔ اور یہ اُس حکم کے برعکس ہے۔ جو فدک اور میراث رسولؐ کے بارے میں، فاطمہؑ کے حق میں کیا کیونکہ ان کا حجروں کا مالک ہونا یا میراث کے سبب سے تھا یا رسولِ خداؐ کی جانب سے بخشش تھی۔ پہلی صورت اُس موضوع حدیث کے خلاف ہے جو انھوں نے روایت کی اور دوسری صورت میں اُن ازواج سے ثبوت طلب کرنے کی ضرورت تھی لیکن اُن سے گواہی طلب نہ کی جس طرح جناب فاطمہؑ سے طلب کی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ان کی اس میں اہلبیتؑ کو نقصان پہنچانے کے سوا کوئی اور غرض نہ تھی۔ ابن ابی الحدید نے اس مقام پہ ایک ظریف کی بات علی قمی سے نقل کی ہے جو بغداد کے ایک مدرسہ میں مدرس تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اُن سے پوچھا کہ فاطمہؑ اپنے دعوائے فدک میں سچی تھیں ؟ کہا ہاں تو میں نے کہا کہ پھر ابوبکر نے فدک ان کو کیوں نہ دیا۔ وہ مُسکرائے اور کہا کہ اگر اُس روز فدک صرف ان کے دعویٰ کرنے سے ان کو دے دیتے تو دوسرے روز آتیں اور اپنے شوہر کے لیے خلافت کا دعویٰ کرتیں پھر ابوبکر کے لیے کوئی عذر کرنا اور دفع کرنا ممکن نہ ہوتا۔ جبکہ اس سے پہلے بغیر ثبوت و گواہی اُن کے سچا ہونے کو مان چکے ہوتے۔ اس کے بعد ابن ابی الحدید نے کہا ہے کہ اگرچہ یہ کلام شوخی اور خوش طبعی کی صورت سے تھا لیکن سچ کہا۔ اس مقام پر گفتگو بہت ہو سکتی ہے لیکن اس رسالہ میں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے۔ کتاب بحارالانوار میں میں نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔

دیگر۔ عامہ کی تمام کتب کلامی اور احادیث اور اُن کی لغت کی کتابوں میں روایت کی ہے کہ عمر نے اپنے ایامِ خلافت میں منبر پہ کہا کانت بیعۃ ابی بکر فلتۃ وقی اللہ المسلمین شرھا فمن عادالی مثلھا فاقتلوہ۔ یعنی ابوبکر کی بیعت ناگہانی تھی۔ خدا نے اُس کے شر سے مسلمانوں کو بچا لیا۔ آئندہ جو شخص اُس کے مثل عود کرے تو اس کو قتل کر دو۔ جو شخص ذرا بھی شعور اور انصاف رکھتا ہوگا وہ جانتا ہے کہ وہ اس سے واضح تر کلام ابوبکر کی مذمت اور ان کی خلافت کے باطل ہونے میں نہیں کہہ سکتے تھے۔ اگر انھوں نے سچ کہا تو ابوبکر خلافت کی اہلیت سے اِس قدر دُور تھے جو مسلمانوں کے لیے شر کا ایسا سبب تھا جو قتل کا باعث ہے

اور اگر جھوٹ کہا تو وہ خود قابلِ خلافت نہ تھے۔ اگر کہیں کہ خلافت عمر خلافت ابوبکر پر مبنی تھی، کیسے ممکن ہے کہ وہ ان حیلوں اور فریب کے ساتھ جن کے عادی تھے اس میں قدح کرتے؟ ہم جواب میں کہیں گے کہ جب امرِ خلافت و سلطنت اُن پر مقرر ہو گیا اور ان کی ہیبت و رُعب دلوں پر چھا گیا وہ جانتے تھے کہ ایسی باتوں سے اُن کی خلافت کو کچھ ٹھیس نہیں لگ سکتی اور کوئی ان پر اعتراض کی جرأت نہیں رکھتا اور ڈرتے تھے کہ خلافت ان کے بعد امیرالمومنینؑ کو نہ پہنچ جائے۔ اس لیے ایسی بات کی تاکہ اس (اجماع کے) راستہ ہی کو بند کر دیں اور ان کی شوریٰ کی تدبیر کامیاب ہو جائے۔ چنانچہ ابن ابی الحدید نے حافظ سے روایت کی ہے کہ جب عمر نے سُنا کہ عمار کہتے ہیں کہ اگر عمر مر جائیں گے تو میں علیؑ کی بیعت کر لوں گا۔ لہٰذا ایسی بات کی۔ اور بخاری وغیرہ نے روایت کی ہے کہ عمر نے اپنے خطبہ میں کہا کہ میں نے سُنا کہ تم میں سے ایک کہنے والے نے کہا ہے کہ اگر امیرالمومنین یعنی خود (عمر) مر جائیں گے تو میں فلاں کی بیعت کر لوں گا لہٰذا مغرور مت ہو اس پر کہ ابوبکر کی بیعت ناگہانی اور بے خبری میں واقع ہو گئی۔ اور اس کا پورا ہونا ایسا ہی تھا لیکن خدا نے اُس کے شر کو دفع کر دیا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ امیرالمومنین علیہ السّلام کی عداوت نے ان کو بیتاب کر دیا اور یہ ان کی زبان پر جاری ہو گیا اور ان کا مطلب ان جناب کے قتل کا تہیہ تھا جیسا کہ شوریٰ میں بھی کیا۔

چھٹی طعن : یہ ہے کہ جب غصب شدہ خلافت ابوبکر پر قرار پائی تو خالد بن ولید کو قبیلہ بنی یربوع کی طرف بھیجا تاکہ ان کے مال کی زکوٰۃ وصول کرے۔ اس سبب سے کہ جناب رسولِ خداؐ نے مالک بن نویرہ صحابی کو ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ جب اُن کو آنحضرتؐ کی وفات کی اطلاع ہوئی تو وہ زکوٰۃ وصول کرنے سے باز رہے اور کہا کہ ابھی رُک جاؤ۔ جب تک کہ معلوم نہ ہو کہ امرِ خلافت کس پر مقرر ہوتا ہے اور شیعوں کی روایت کے مطابق اُس کا سبب یہ تھا کہ مالک نے جناب رسولِ خدا سے دریافت کیا تھا کہ حقیقت ایمان کیا ہے حضرت نے اصولِ دین کے سلسلہ میں بیان فرمایا تھا کہ یہ میرے وصی ہیں اور اشارہ امیرالمومنینؑ کی جانب کیا تھا۔ جب آنحضرتؐ نے دُنیا سے رحلت فرمائی۔ مالک قبیلۂ تمیم کے ساتھ مدینہ آئے اور ابوبکر کو رسولِ خداؐ کے منبر پر دیکھا ان کے پاس آئے اور کہا کس نے تم کو اس منبر پر جگہ دی حالانکہ رسولِ خداؐ نے اپنا وصی علیؑ کو مقرر فرمایا اور ان کی اطاعت کا حکم دیا۔ ابوبکر نے حکم دیا کہ ان کو مسجد سے باہر نکال دیں۔ قنفذ اور خالد نے ان کو نکال دیا۔ پھر ابوبکر نے خالد کو بھیجا اور اُس سے کہا کہ تم نے سمجھا کہ اس نے کیا کہا۔ میں اس سے مطمئن نہیں ہوں۔ وہ میرے کام میں رخنہ نہ ڈالے جس کی اصلاح نہ کی جا سکے۔ اُس کو قتل کر دے۔ الغرض خالد

نے جا کر مالک کو قتل کر دیا اور اُسی رات اُس کی زوجہ سے زنا کی۔ اور عامہ کے ارباب سیر جیسے ابن اللہ نے کامل میں اور ان کے علاوہ دوسرے مورخین نے روایت کی ہے کہ جب خالد مالک کے قبیلہ میں پہنچے۔ ان لوگوں نے اذان کہی اور نماز پڑھی اور اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار کیا جب رات ہوئی۔ خالد سے غداری کے آثار ظاہر ہوئے۔ تو ان لوگوں نے احتیاطاً اپنے ساتھ اسلحے لے لیے۔ خالد کے ہمراہیوں نے کہا ہم مسلمان ہیں اسلحے کیوں تم نے سنبھالے ان لوگوں نے کہا ہم بھی مسلمان ہیں تم نے کیوں اسلحے سنبھالے ہیں۔ انھوں نے کہا تم اسلحے رکھ دو ہم بھی رکھ دیں گے۔ تو جب اُن لوگوں نے اسلحے رکھ دیئے۔ خالد کے لشکر والوں نے اُن کو گرفتار کر لیا۔ اور اُن کے ہاتھ باندھ کر خالد کے پاس لائے۔ ابو قتادہ نے جو اُس لشکر میں تھے خالد سے کہا کہ ان لوگوں نے اظہار اسلام کیا ہے، لیکن تم نے ان کو امان نہیں دی۔ خالد نے اُن کی طرف کوئی توجہ نہ کی اُس عداوت کی وجہ سے جو ایام جاہلیت میں ان لوگوں کی طرف سے اپنے دل میں رکھتا تھا اور ان سب مردوں کے قتل کا حکم دے دیا اور عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا اور لشکر والوں پر تقسیم کر دیا اور مالک کی زوجہ کو اپنے واسطے لے لیا اور اسی رات اُس سے جماع کیا۔ ابو قتادہ نے قسم کھائی کہ جس لشکر میں خالد امیر لشکر ہوگا وہ اس کے ساتھ ہرگز نہ جائیں گے۔ اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ابو بکر کے پاس واپس آئے اور تمام حالات بیان کئے۔ عمر نے جب یہ حال سُنا تو بہت برہم ہوئے اور خالد پر شدید غصّہ کا اظہار کیا اور ابو بکر سے کہا کہ خالد سے قصاص لینا واجب ہو گیا۔ جب خالد واپس آیا اور مسجد میں اہلِ حرب کے مانند اپنی پگڑی میں تیر کھونسے ہوئے داخل ہوا۔ عمر نے تیروں کو اُس کی پگڑی سے کھینچ لیا اور توڑ ڈالا اور کہا اے دشمن خدا تو نے ایک مسلمان کو شہید اور اس کی عورت سے زنا کیا ہے۔ خدا کی قسم تجھ کو سنگسار کروں گا۔ خالد خاموش رہا اور کچھ نہ کہا اور سمجھا کہ ابو بکر بھی اُس کے گناہ کے حکم میں عمر کے ساتھ شریک ہیں۔ جب خالد ابو بکر کے پاس گیا اور نامعقول عذر پیش کئے اور ابو بکر نے اپنی باطل غرضوں کے سبب سے قبول کیا تو خوش خوش باہر نکلا اور چند کنائے عمر سے کہے۔ اور چلا گیا اور عامہ کے ایک گروہ نے روایت کی ہے کہ خالد کے لشکر والوں نے گواہی دی کہ وہ لوگ (یعنی مالک ابنِ نویرہ کے ساتھ والے) اذان دیتے تھے اور نماز پڑھتے تھے۔ (یعنی مسلمان تھے) مالک کے بھائی نے عمر کو اپنا ہمنوا اور سفارشی بنایا اور ابو بکر کے پاس گئے اور خالد کی شکایت کی۔ عمر نے کہا کہ اس سے قصاص لینا چاہیئے۔ ابو بکر نے کہا میں اپنے مصاحب کو ایک اعرابی کے لیئے قتل نہیں کروں گا اور دوسری روایت کے مطابق جو صاحب نہایہ نے روایت کی ہے۔ ابو بکر نے جواب دیا کہ خالد سیف اللہ (خدا کی تلوار) ہے میں اس تلوار کو نیام میں

نہیں داخل کروں گا جس کو خدا نے مشرکوں پر کھینچی ہے۔ عمر نے قسم کھائی کہ اگر مجھ کو طاقت حاصل ہوئی تو خالد کو مالک کے قصاص میں قتل کر دوں گا اور اپنا حصّہ جو غنیمت سے الگ کیا گیا تھا اُس کو صرف نہیں کیا اور محفوظ رکھا۔ یہاں تک کہ خلیفہ ہوا اُس وقت اپنا حصّہ اور جو کچھ اُن کی عورتیں، لڑکیاں، لڑکے اور مال لوگوں کے پاس باقی تھے سب سے وصول کر کے ان کے مردوں اور مالکوں کو دیا اور ان کو رخصت کیا۔ اکثر عورتیں اور لڑکیاں حاملہ تھیں۔ چونکہ خالد اُن کے مار ڈالنے کی قسم سے ہمیشہ ڈرتا اور ان سے بھاگتا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ عمر کے پاس آیا اور کہا کہ مالک کے قتل کے بدلے جاتا ہوں اور سعد بن عبادہ کو قتل کرتا ہوں اور گیا اور سعد کو قتل کر دیا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا تو عمر اُس سے راضی ہو گئے۔ اُس کو اپنے پاس بلایا اور اُس کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ پھر جب مالک کا بھائی آیا اور عمر سے کہا کہ اپنا وعدہ وفا کرو اور خالد کو قتل کرو۔ کہا میں اُس کے خلاف جو رسول اللہؐ کے مصاحب (ابوبکر) نے کیا ہے نہیں کروں گا اور شیعوں کی روایت میں وارد ہوا ہے۔ کہ جب اسیروں کو ابوبکر کے پاس لائے۔ محمد بن حنفیہ کی مادر گرامی بھی) انہی میں تھیں۔ جب قبر مطہر جناب رسولِ خداؐ پر ان کی نگاہ پڑی گریہ و زاری کے ساتھ فریاد کی اور کہا السلام علیك یا رسول اللہ۔ خدا نے آپ پر اور آپ کے اہلبیت پر صلوٰۃ بھیجی یہ آپ کی اُمت ہے اور مجھے لوبیہ اور دیلم کے کافروں کے مانند قید کیا ہے خدا کی قسم ہمارا اس کے سوا کوئی گناہ نہیں کہ آپ کے اہلبیتؑ کی محبت کا بیج اپنے سینوں میں بو رکھا ہے اور اُن کی فضیلت کا اقرار کیا ہے۔ یہ لوگ نیکی کو بدی اور بدی کو نیکی شمار کرتے ہیں۔ آپ ہمارا انتقام ان سے لیجئے۔ پھر مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ ہم کو کیوں قید کیا ہے ہم خدا کی وحدانیت اور رسولؐ کی رسالت کا اقرار کرتے ہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ تمھارا گناہ یہ ہے کہ تم زکوٰۃ نہیں دیتے ہو۔ فرمایا اگر سچ کہتے ہو تو اس گناہ کے مرتکب ہمارے مرد ہوئے۔ ہمارے مردوں نے زکوٰۃ نہیں دی ہے۔ ہم عورتوں اور بچوں کا کیا گناہ ہے۔ یہ سُن کر طلحہ و خالد اُٹھے تاکہ ان کو اپنے حصّہ میں لے لیں۔ اُن معظمہ نے فرمایا کہ نہیں خدا کی قسم میرا مالک، کوئی نہیں ہو سکتا۔ میرا شوہر وہی ہوگا جو مجھے یہ بتلائے کہ میری ولادت کے وقت مجھ پر کیا گذری۔ اس وقت امیرالمومنینؑ موجود تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میں خبر دیتا ہوں۔ جب تمھاری ماں کا وضع حمل قریب ہوا تو کہا خداوندا مجھ پر یہ وضع حمل آسان فرما۔ اس کے بعد تو چاہے تو اس کو محفوظ رکھے یا دنیا سے اُٹھا لے جب تم پیدا ہوئیں تو اسی وقت تم نے زبان کھولی اور شہادت ادا کی اور اپنی ماں سے کہا کہ آپ میری ہلاکت پر کیوں راضی تھیں۔ انشاء اللہ مجھ سے سیّد اولاد آدم نکاح کرے گا اور ایک سردار میرے شکم سے پیدا ہوگا۔ جب تمھاری ماں نے یہ باتیں سُنیں تو تانبے کے ایک ٹکڑے پر لکھوا کر اسی زمین

میں دفن کرا دیا۔ جب تم کو گرفتار کیا اُس وقت تمھاری تمام کوشش یہ تھی کہ تم اُس تانبے کے ٹکڑے کی حفاظت کرو۔ تم نے اس کو لے کر اپنے بازو پر باندھ لیا۔ پھر عثمان اور دوسرے لوگوں کے اصرار سے وہ لوح اُن کے بازو پر سے کھولی گئی۔ سب نے وہی عبارت دیکھی جو حضرتؐ نے فرمائی تھی حضرتؐ نے ان کو اسماء بنت عمیس کے گھر بھیج دیا۔ جب ان کے بھائی آئے تو انھوں نے ان کو حضرت علیؑ کے ساتھ تزویج کیا۔ عامہ کی حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مالک کو خالد کے قتل کرنے کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ خالد مالک کی بیوی پر عاشق ہو گیا تھا۔ چنانچہ روضۃ الاخبار کے مولف نے نقل کیا ہے کہ جب مالک کو قتل کرنے لائے تو ان کی زوجہ تمیم منہال کی بیٹی تھی اور اپنے زمانہ کی حسین ترین عورت تھی اُس نے اپنے کو مالک پر گرا دیا تو مالک نے کہا دور ہو میں نہیں قتل ہوتا ہوں مگر تیرے سبب سے۔ اور زمخشری نے اساس البلاغۃ میں اور ابن اثیر نے نہایۃ میں لغت اقبلہ کے ذیل میں روایت کی ہے۔

جب یہ واقعہ بعض مخالف اور بعض موافق خبروں سے معلوم ہوا تو سمجھو کہ ابوبکر نے اس واقعہ میں چند صورتوں سے خطا کی اور بعض میں عمر بھی ان کے ساتھ شریک ہیں۔ (اوّل) یہ کہ بے گناہ و خطائے شرعی کا لشکر مسلمانوں کے قبیلہ پر بھیجا اور اُن کثیر مسلمانوں کے قتل و غارت پر رضامندی ظاہر کی اور وہ عذر و حیلہ جو اس فعل بد کے لیے بیان کیا یہ ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے سے وہ مرتد ہو گئے جواب یہ ہے کہ خالد کے تمام لشکر نے یہ گواہی دی کہ انھوں نے شہادتین دی، اذان کہی اور نماز پڑھی۔ حالانکہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص شہادتین زبان پہ جاری کرے اور نماز پڑھے وہ مسلمان ہے۔ انھوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار نہیں کیا تھا بلکہ یہ کہا تھا کہ ہم ابوبکر کو زکوٰۃ نہ دیں گے۔ وصیِ پیغمبرؐ کو دیں گے یا خود ہم فقیروں کو دے دیں گے۔ بلکہ طبری نے تاریخ میں روایت کی ہے کہ مالک نے زکوٰۃ نہ دینے پر اپنی قوم کے اتفاق کرنے کو روکا اور ان کو منتشر کر دیا اور ان کو نصیحت کی کہ اسلام کے حاکموں سے نزاع نہ کرنی چاہیئے۔ جب وہ لوگ منتشر ہو گئے تو خالد آیا اور ان کو گرفتار کیا اور غداری اور مکر کے ساتھ جو مذکور ہوا قتل کیا۔ باوجود اس کے صاحب منہاج نے خطابی سے نقل کیا ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے والے جبکہ اہل دین کے قائل ہوں تو اُن پر ان کی عورتوں اور بچوں پر حکمِ کفار جاری نہیں ہے۔ نیز شارح وجیز نے باغیوں کی بحث میں کہا ہے کہ اُن سے جنگ کی ابتداء نہ کرنا چاہیئے۔ جب تک وہ خود ابتدا نہ کریں اور چاہیئے کہ امام ایک ناصح امین کو بھیجے کہ اُن سے سوال کرے کہ بغاوت کا سبب کیا ہے۔ اگر سبب اُن پر ظلم کا ہونا ہو جو اُن پر واقع ہوا ہے تو اس کا ازالہ کرنا چاہیئے۔ اگر کوئی شبہہ واقع ہوا ہو تو اُس کو دفع کریں۔ اگر ان میں سے کوئی سبب نہ ہو تو ان کو وعظ و

نصیحت کریں اگر اس پر نہ مانیں تو ان کو آگاہ کریں کہ اب ہم تم سے جنگ کریں گے اور کسی روایت میں یہ نہیں ہے کہ خالد نے ان میں سے ایک پر بھی ان کے ساتھ عمل کیا ہو اور اُن لوگوں سے اطاعت و فرمانبرداری کے سوا کچھ ظاہر نہ ہوا۔ لہٰذا ان کے قتل و غارت میں محض عصبیت کارفرما تھی پھر کیوں نہ ابوبکر اور دوسرے جنھوں نے متواتر خبروں کے مطابق عہد خدا کو توڑا اور جناب امیرؑ اور سیدۂ زنان عالمین کے حقوق غصب کرنے میں اور اہلبیتؑ کی عصمت و طہارت پر خدا و رسولؐ کی گواہیاں رد کرنے میں ظلم و جور کی بنیاد اُن پہ قائم کی اور عائشہ اور معاویہ اور ان کے مددگاروں نے حضرت امیرالمومنینؑ کے ساتھ جنگ و جدال کی اور اس قدر اہلبیت طاہرینؑ اور ذریت طیبین اور بے شمار مسلمانوں کو شہید کیا، احادیث متواترہ سلمک سلمی و حربک حربی اور ایسی دوسری حدیثوں کے باوجود مرتد نہیں ہیں بلکہ خلفائے خدا و رسولؐ اور آئمہ مسلمین ہیں اور ان کی اطاعت فرض اور مخالفت کفر ہے اور مالک بن نویرہ صرف اس لیے کہ اُس نے کہا کہ میں ابوبکر کو زکوٰۃ نہ دوں گا، وہ خلیفہ نہیں ہیں یا یہ کہ جب رسول اللہؐ نے نہیں فرمایا ہے کہ زکوٰۃ ان کو دوں اس لیے نہیں دیتا مرتد و مستحق قتل ہے اور خالد باوجود اُن اعمال قبیح کے ایک مرتبہ بھی مذمت اور ملامت کا مستحق نہیں ہوتا بلکہ اُس کی مدح کی جاتی ہے اور سیف اللہ کا خطاب عطا ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض نے جب دیکھا کہ یہ عذر بالکل مہمل ہے تو دوسرا عذر اس کے لیے پیدا کیا۔ اور کہا کہ اثنائے گفتگو میں خالد نے رسول اللہؐ کا نام لیا تو مالک نے کہا تمھارے سردار نے ایسا کہا ہے خالد نے کہا حضرتؐ ہمارے سردار ہیں اور تمھارے سردار نہیں ہیں۔ اس سبب سے ان کے ارتداد کا حکم دیا اور اس کو قتل کیا۔ اس وجہ کا باطل ہونا پہلی وجہ سے زیادہ واضح ہے کیونکہ کسی روایت میں یہ مذکور نہیں ہے نیز اگر ایسا واقع ہوا ہوتا تو چاہیئے تھا کہ خالد عمر کے مقابلہ میں اس عذر کو پیش کرتا اور ابوبکر بھی جبکہ عمر اس کے قصاص کا اصرار کر رہے تھے چاہیئے تھا کہ یہ عذر کرتے۔ باوجودیکہ اس عبارت کے واقع ہونے کی صورت میں بھی اُس کا ارتداد صریحی نہیں ہے اور حدود شبہ رفع کرنے کے لیے کافی ہے اور مالک کے مرتد ہونے کی صورت میں بھی اُس کے تمام قبیلہ کا کیا گناہ تھا۔ اُن کی عورتیں، ان کے لڑکے اور بچے جو ابھی بالغ نہ ہوئے تھے اور ان کے باپ اصلی کافر نہ تھے اور ان کی اولاد اُن کے حکم میں تھی کیا قصور رکھتے تھے کہ سب کو کافروں کی طرح قید کیا اور لوگوں کی غلامی اور کنیزی میں دیا۔ یہاں تک کہ بغیر نکاح ان کی عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ مباشرت کی اور اُن سے اولادیں پیدا ہوئیں۔ واضح ہو کہ یہ حال دو صورتوں سے خالی نہیں یا اس جماعت میں سب حقیقت میں مرتد اور قتل و غارت اور اسیری کے سزاوار نہ تھے تو ابوبکر جنھوں نے اتنی کثیر جماعت مسلمان کو بے گناہ قتل اور اسیر کیا اور

غلامی میں مبتلا کیا اور کثرتِ زنا اور حرمتِ اسلام کی ہتک کے باعث ہوئے اور اتنی کثیر اولادِ زنا کا سبب ہوئے ظالم اور فاسق بلکہ کافر ہوئے کہ حکمِ خدا کے خلاف حکم کیا۔ اور اگر یہ جماعت اس قسم کے عذاب اور اذیتوں کی مستحق تھی۔ تو عمر جنھوں نے عورتوں، لڑکیوں، مردوں اور لڑکوں کی تعداد کثیر کو جو مسلمانوں کے غلام ہوئے تھے اور مسلمانوں کی اولادیں جو ان سے پیدا ہوئی تھیں اور ان کے اموال واپس لے کر اسی قبیلہ کو دے دیا تو مسلمانوں پر ظلم کیا اور اپنے امام کی مخالفت کی اور خطا اُن سے منسوب کی کافر ہوں گے۔ الغرض یہ ظلم و کفر و فسق ان دونوں اماموں میں سے ایک پر لازم آتے ہیں اور جب ایک کی خلافت باطل ہوتی ہے تو باجماع مرکب تینوں کی خلافت باطل ہوتی ہے (دوسری وجہ) یہ کہ ابوبکر نے حدودِ الٰہی کی چند حدوں کو ضائع کیا۔ ایک یہ کہ خالد کو مالک کے قصاص میں قتل نہ کیا۔ دوسرے یہ کہ حدِ زنا اُس پر جاری نہ کی جبکہ اُس نے زوجۂ مالک سے زنا کی تھی۔ دوسرے یہ کہ تمام مقتولین کے خون باطل کر دیئے اور قصاص اور ان کی دیت کو معطل کر دیا اور ان تمام کاموں میں عمر ان کے ساتھ شریک رہے ہیں اور خالد سے قصاص کے ضائع کرنے میں دو صورتوں سے عمر شریکِ غالب تھے۔ اوّل یہ کہ قسم کھائی تھی کہ خالد کو قتل کر دوں گا۔ اور قسم کی مخالفت کی۔ دوسرے یہ کہ سعد بن عبادہ کے بے گناہ قتل پر راضی ہوئے۔ اور ان کا قتل مالک کے قتل کے عوض قبول کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکار جو اس بارے میں عمر نے کیا دینداری کی راہ سے نہ تھا بلکہ صرف اس لیے تھا کہ ایامِ جہالت میں اُس کے دوست اور ہم سوگند تھے۔ ورنہ چاہیئے تھا کہ یہ دیانتداری جنابِ فاطمہؑ اور اہلبیت رسولؐ پر مظالم کے بارے میں عمل میں لاتے اور زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ملا علی قوشجی نے خالد کے زنا کی قباحت کو دفع کرنے کے لیے کہا ہے کہ مالک کی بیوی مطلقہ تھی اور اُس کا عدہ تمام ہو چکا تھا اور یہ مہمل بات اور افترا اس کے سوا کسی نے نہیں کیا۔ اور نہ کسی روایت میں مذکور ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو چاہیئے تھا کہ جب عمر اس کو سنگسار کرنے کی دھمکی دے رہے تھے تو خالد یہی عذر کرتا۔

(ساتواں طعن) یہ کہ اخبارِ مشہورہ بلکہ متواترہ میں جو عامہ کے طریقہ سے وارد ہوئے ہیں یہ کہ ابوبکر بار بار خلافت کو چھوڑنے اور اس سے استعفا دینے کو کہتے تھے۔ چنانچہ طبری نے تاریخ میں اور بلاذری نے انساب میں اور سمعانی نے فضائل میں اور ابوعبیدہ وغیرہ نے روایت کی ہے کہ ابوبکر جبکہ ان سے لوگوں نے بیعت کی تو منبر پر بار بار کہتے تھے اقیلونی فلست بخیر کم وعلی فیکم یعنی میری خلافت اور بیعت سے باز آجاؤ۔ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ حالانکہ علیؑ تم میں موجود ہیں۔ اور حضرت علیؑ نے خطبۂ شقشقیہ میں جس کو عامہ اور خاصہ نے روایت کی ہے، فرمایا کہ کس قدر تعجب ہے ابوبکر پر کہ اپنی حیات میں خلافت چھوڑ دینے کو کہتے تھے اور پشیمانی

کا اظہار کرتے تھے اور مرتے وقت خلافت دوسرے کو سپرد کر گئے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ابوبکر نے کہا کہ میں تمھارا حاکم ہوا ہوں اور تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں سیدھے چلوں تو میری متابعت کرو۔ اگر کجی اختیار کروں تو راہ راست پر لگا دو۔ اِس لیے کہ میرے اوپر ایک شیطان مُسلّط ہوتا ہے۔ جبکہ میں غصّہ میں ہوتا ہوں۔ جب وہ مجھے غصّہ میں لائے تو مجھ سے پرہیز کرو تاکہ میں تمھارے بالوں کی جڑوں اور تمھاری کھالوں میں اثر انداز نہ ہو سکوں۔ یہ روایتیں اِس پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ اپنے کو قابلِ امامت نہیں جانتے تھے۔ اور امیرالمومنینؑ کو اپنے سے فاضل تر سمجھتے تھے۔ اور مفضول کی امامت قبیح ہے۔ نیز اِس امر پر اتفاق ہے کہ عقل اور انصاف دونوں امام کے لیے شرط ہیں۔ اگر یہ شیطان جو اُن پر عارض ہوتا تھا عقل و تکلیف سے باہر کر دیتا تھا اور وہ عقل سے خالی ہو جاتے تھے تو شرط اوّل جو عقل ہے اُن سے زائل ہو جاتی تھی اور بالکل ختم نہیں ہو جاتی تھی اور کچھ عقل کی موجودگی میں وہ اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکتے تھے تو فاسق ہوئے اور دوسری شرط انصاف بھی ختم ہوئی۔ نیز امام کا خلافت سے علیحدہ ہونا یا جائز ہے یا ناجائز ہے۔ اگر ناجائز ہے تو ابوبکر چھوڑ دینے پر کیوں آمادہ ہوئے۔ اور اگر جائز ہے تو عثمان نے اپنی حالتِ اضطراب و اضطرار میں کیوں نہ علیحدگی اختیار کی۔ یہاں تک کہ قتل ہو گئے اور کہا میں اُس پیراہن کو نہیں اُتاروں گا جس کو خدا نے مجھے پہنایا ہے۔ حالانکہ حالتِ اضطرار میں کلمۂ شرک کہنا مُردہ اور سُور کا گوشت کھانا بھی جائز ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ عثمان کے لیے یہ سب بدتر تھے۔ لہٰذا ان دونوں خلفاء میں سے ایک کے لیے مذمت لازم ہوتی ہے اور جو شخص ذرا سا بھی شعور رکھتا ہے۔ اُن حیلہ ساز و مکار و پُرفریب اور اُن کے رفیق کے حالات کے شواہد سے جانتا ہے کہ یہ سب مکر و حیلہ اور باہمی سازش تھی تاکہ لوگوں کو اس امر باطل پر زیادہ مستحکم کر دیں جیسا اس پر خطبۂ شقشقیہ کا فقرہ سچا گواہ ہے۔

آٹھویں طعن۔ یہ کہ وہ اکثر احکام دین سے ناواقف تھے اور الفاظ قرآن کی تفسیر جس کو اکثر صحابہ جانتے تھے۔ ابوبکر اس کے بہت سے معانی و تاویل سے نابلد تھے۔ یہ طعن چند طعنوں پر مشتمل ہے۔ ہم اِس رسالہ میں چند واقعات کا ذکر کرتے ہیں۔ (اوّل) کلالہ کے معنی نہیں جانتے تھے جس سے مراد باپ اور ماں کی اولاد ہیں یعنی اہلبیتؑ کی روایت کے مطابق حقیقی بھائی یا صرف باپ کی طرف سے یا صرف ماں کی طرف سے بھائی ہوتے ہیں جیسا کہ سورۂ نساء کی آیتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے اور بعض مفسروں نے کہا ہے کہ باپ اور بیٹے کی تعداد مراد ہے لوگوں نے اُن سے پوچھا اور وہ نہیں جانتے تھے اُس کے بعد جیسا کہ صاحبِ کشاف نے روایت کی ہے کہا کہ اپنی رائے سے کہتا ہوں اگر صحیح ہے تو خدا کی طرف سے ہے اور اگر غلط

ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے اور خدا اُس سے بری ہے اور کلالہ باپ اور بیٹے کے علاوہ ہے۔ بہت اچھا کیا کہ اپنے کو شیطان کا رفیق کہا اور ممکن ہے شیطان سے مُراد اُن کے بہت نزدیکی اور ان کی خلافت میں بہت دخیل ساتھی ہوں۔ (دوسری) یہ کہ اپنی جہالت کا اقرار کرنے کے بعد تفسیر قرآن اپنی رائے سے کیا۔ بغوی نے مصابیح میں اور اُن کے علاوہ عامہ نے بہت طریقوں سے روایت کی ہے کہ جو شخص قرآن میں اپنی رائے کو دخل دے وہ اپنی جگہ آگ میں مُہیا سمجھے۔ دوسری روایت کے مُطابق اگر اُس نے صحیح کہا تب بھی خطا کی ہے اور دوسری روایت کے مُطابق اگر اُس نے صحیح کہا تب بھی خطا کی ہے اور دوسری روایت کے مطابق جناب رسُولِ خداؐ نے ایک گروہ کو دیکھا کہ جو تفسیر قرآن اپنی رائے سے کرتا تو فرمایا کہ ایک گروہ تم سے پہلے ایسا ہی کرتا تھا تو وہ ہلاک ہوا کیونکہ کتاب خدا میں اُس نے اُلٹ پھیر کیا۔
جب تم اپنی رائے سے تفسیر کرو گے تو کتاب الٰہی میں اختلاف پیدا ہوگا۔ کیونکہ رائیں مختلف ہوتی ہیں اور حکمِ خدا میں اختلاف نہیں ہوتا بلکہ سب موافق ہیں۔ جو کچھ جانتے ہو کہو اور جو کچھ نہیں جانتے مت کہو۔ بلکہ جو شخص جانتا ہے اُسی پر چھوڑ دو۔ نہ جاننے کا علاج پوچھنا ہے۔ یہ بھی انہیں کی روائتیں ہیں۔ فخر رازی نے کہا ہے کہ عمر کہتے تھے کہ کلالہ ولد (لڑکے) کے علاوہ ہے اور روایت کی ہے کہ جب اُن کو خنجر مارا تو کہا کہ میں یہ سمجھتا تھا کہ کلالہ وہ ہے جس کے لڑکا نہ ہو اور میں اس سے شرم کرتا ہوں کہ ابوبکر کی مخالفت کروں۔
تعجب ہے اس شخص سے جو رسُولِ خداؐ سے شرم نہ کرے اور آنحضرتؐ کی بات کو ہذیان سے نسبت دے وہ ابوبکر سے شرم کرتا ہے اور ان کی رعایت کے لیے اپنی رائے سے پلٹتا ہے اگر ان کا پہلا قول مستند نہ تھا تو اس پر وائے ہو جو کلام خدا کی غیر مستند (تفسیر) کرتا ہے اور اگر مستند تھا تو اُس پر وائے ہو جو ابوبکر کی رعایت کے لیے مرنے کے وقت اُس سے پھرتا ہے۔ نیز روایت کی ہے کہ وُہ اپنے مرنے کے وقت کہتے تھے کہ تین باتیں ہیں جن کو اگر رسُولِ خداؐ میرے واسطے بیان کئے ہوتے تو میرے نزدیک دنیا اور جو کچھ اُس میں ہے سب سے بہتر تھا۔ کلالہ، خلافت، اور ریاست۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جو کچھ کلالہ کے بارے میں کہتے تھے سب اپنی رائے سے اور زیادہ تر نفس کی خواہش سے کہتے تھے غیر مستند اور اسی طرح خلافت ابوبکر کے بارے میں مشکوک رہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے تمام امور کی بنیاد باطل خواہشوں اور دنیاوی مصلحتوں پر رہی ہے کسی دلیل اور حجت سے مستند نہیں رہی ہے اور ابوبکر کی ناواقفیت کی دلیل یہی کافی ہے کہ ان کو باوجودیکہ اسلام میں سب سے سابق مانتے ہیں اور آنحضرتؐ کے مخصوصین اور مصاحب غار مانتے ہیں لیکن اُنھوں نے آنحضرتؐ کی مدت بعثت میں ایک سو بیالیس[۱۴۲] حدیثوں سے زیادہ روایت نہیں کی۔ باوجودیکہ ان میں سے بہت سی حدیثیں معلوم ہے کہ موضوع

ہیں جیسے حدیث میراث انبیاء اور انہی کے ایسی اور ابوہریرہ نے قلیل مدت میں کتنی ہزار حدیثیں روایت کی ہیں۔ (دوسرے) یہ کہ اَب بمعنی گھاس اور حیوانات کی چراگاہ جس کو ہر جاہل جانتا ہے لیکن وہ نہ جانتے تھے جیسا کہ صاحب کشاف نے روایت کی ہے کہ لوگوں نے اب کے معنی ان سے پوچھے کہا کون مجھ کو زمین سے اٹھاتا ہے اور کون آسمان کا مجھ پر سایہ کرتا ہے۔ اگر نہیں سمجھے تو کتاب خدا سے جواب دوں۔ (تیسرے) یہ کہ ایک چور کا اس کے داہنے ہاتھ کے بجائے بایاں ہاتھ قطع کرایا۔ اور فخر رازی نے کہا کہ پہلی بار بایاں ہاتھ کٹوانا مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہے۔ (چوتھے) یہ کہ ایک عورت نے اپنے پوتے کی میراث طلب کی۔ کہا خدا و رسولؐ کے کلام میں دادی کا کوئی حصہ میں نہیں پاتا۔ اس وقت مغیرہ اور محمد بن سلمہ نے شہادت دی کہ رسول خدا نے دادی کو چھٹا حصہ دیا۔ تب انھوں نے میراث کا چھٹا حصہ دینے کا حکم دیا۔ (پانچویں) یہ کہ فجا سامی کو جس نے ان کی اطاعت نہیں کی آگ میں جلوا دیا۔ باوجود اس کے کہ اس نے توبہ کر لی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ کلمۂ شہادتین باآواز بلند آگ کے درمیان کہتا تھا۔ یہاں تک کہ جل گیا۔ توبہ قبول نہ کرنا اور جلانا دین خدا میں دونوں بدعت تھی۔ اور صاحب مواقف نے بھی نقل کیا ہے کہ وہ مسلمان تھا اور بعض نے جو یہ عذر کیا ہے کہ وہ زندیق تھا اور بعض علماء نے کہا ہے کہ زندیق کی توبہ قبول نہیں یہ مہمل بات ہے۔ کیونکہ روایت میں اس سے اس کے علاوہ اور کچھ نقل نہیں کیا ہے کہ اس نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو لوٹ لیا تھا اور یہ فعل زندیق ہونے کا باعث نہیں ہوتا اور آگ میں جلانے کی سزا دینے کی صحیح روایتوں میں ممانعت ہے اور صحیح بخاری میں ابوہریرہ اور عباسؓ سے روایت کی ہے۔ ابن ابی الحدید نے بھی روایت کی ہے۔

نویں طعن۔ یہ کہ جب اپنے میں آثار موت مشاہدہ کئے اور جو وبال اپنی خلافت کے زمانہ میں حاصل کیا تھا اپنے عذاب کے لیے جس کی امید رکھتے تھے کم سمجھا اور چاہا کہ عمر کے اعمالِ قبیحہ کے وبال کو ساتھ میں ملا لیں۔ نیز چاہا کہ اس عہد کو پورا کریں جو عمر سے کیا تھا اور یہ خوب جانتے تھے کہ عمر کے سوا کوئی حق امیرالمومنینؑ واپس ہونے میں مانع نہیں ہو سکتا ارادہ کیا کہ اپنے بعد عمر کو خلافت کے لیے معین کریں۔ ابن ابی الحدید نے روایت کی ہے کہ ابوبکر نے اپنی جانکنی کے وقت عثمان کو طلب کیا اور کہا میری وصیت لکھو۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ عہد ہے جو ابوبکر بن قحافہ مسلمانوں کی طرف کرتا ہے۔ اما بعد۔ یہ کہا اور بیہوش ہو گئے۔ عثمان نے لکھا کہ بیشک میں نے ابن خطاب کو تم پر خلیفہ مقرر کیا۔ جب ابوبکر کو ہوش آیا تو کہا پڑھو۔ جب انھوں نے پڑھا تو کہا اللہ اکبر تم ڈرے کہ اگر میں اسی عالم غشی میں مر جاؤں تو لوگ خلافت عمر کے بارے میں اختلاف کریں گے۔ عثمان نے کہا ہاں۔ ابوبکر نے کہا خدا تم کو اسلام

اور اہلِ اسلام کی طرف سے جزائے خیر دے۔ پھر عہد کو ختم کیا اور اس کو حکم دیا کہ لوگوں کو پڑھ کر سُنا دیں۔ پھر عمر سے وصیتیں کیں۔ اتنے میں طلحہ آ گئے اور کہا خدا سے ڈرو اور عمر کو لوگوں پر مسلط مت کرو۔ کہا تم مجھ کو خدا سے ڈراتے ہو۔ اگر خدا پوچھے گا تو میں کہہ دوں گا کہ بہترین اُمت کو ان پر میں نے خلیفہ کیا ہے۔ لیکن خلیفہ کی اس تعیین میں کئی غلطیاں کیں۔ اوّل یہ کہ اُن کو کیا حق تھا کہ لوگوں کے لیے امام اور خلیفہ مقرر کریں بلکہ جناب رسُولِ خداؐ کی مخالفت کی۔ کیونکہ ان کے اعتقاد میں آنحضرتؐ نے خلیفہ کی تعیین نہیں کی تھی، اور آنحضرتؐ کی پیروی قرآن کے نص سے واجب ہے۔ دوسرے یہ کہ عمر کے لیے کہا کہ وہ بہترین امت ہیں باوجودیکہ حضرت علیؑ امت میں موجود تھے اور احادیث متواترہ کی رُو سے وہ حضرتؑ بہترین امت تھے جیسا کہ گذر چکا اور ابوبکر نے خود کہا ہے لست بخیرکم و علی فیکم۔ تیسرے یہ کہ عثمان کو کیا حق تھا کہ خلیفہ ناحق (ابوبکر) کی اجازت کے بغیر ایسے امرِ عظیم کیلئے ایسے سخت مزاج اور بے علم اور بیباک اللسان (عمر) کو خلیفہ مقرر کر دیں اور چاہیے تھا کہ اُن (عثمان) کو منع کرتے اور ملامت کرتے کہ کیوں ایسا لکھا۔ چہ جائیکہ اُن کی تعریف و تحسین کرتے ہیں اور اسلام اور اہلِ اسلام کی جانب سے اُن کو جزائے خیر دیتے ہیں۔ جناب رسُولِ خداؐ معمولی معمولی باتوں میں وحی کا انتظار کرتے تھے اور اپنی طرف سے معاملہ ختم نہیں کر دیتے تھے کیا یہ ناواقف دین اور بیباک لوگ آنحضرتؐ سے افضل تھے اور اکمل تھے کہ ایسے امرِ عظیم کی اپنی رائے سے تعیین کرتے تھے اور تعریف و تحسین کے لائق ہوتے تھے۔ اس صورت میں لازم آتا ہے کہ اُمت پر آنحضرتؐ کی شفقت سے جو رحمۃ للعالمین تھے ان حضرات کی شفقت زیادہ تھی۔ آنحضرتؐ نے خلیفہ مقرر نہیں کیا اور ان لوگوں نے کیا ہر صاحب عقل پر ان متضاد طریقوں سے ظاہر اور واضح ہے کہ تمام حالات میں ان کی غرض اُسی معہود صحیفہ کے مطابق جاری کرنے اور اہلبیتؑ رسالتؐ کو خلافت سے محروم کرنے کی تھی اور عامہ و خاصہ کے اقوال و افعال جو اس حال میں اُن سے ظاہر ہوئے اُن کی نامناسب راہ عمل اور اُن کی خلافت کے باطل ہونے پر دلالت کرتے ہیں بہت زیادہ ہیں۔ اس رسالہ میں ان کے ذکر کی گنجائش نہیں ہے۔

دوسرا مطلب:۔ جناب عمر کی بدعتوں قبیح اعمال و افعال کا مختصر تذکرہ جو حضرات اہلسنت کے دُوسرے خلیفہ ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ ان حضرت کے مطاعن اس قدر زیادہ ہیں جو کتب مبسوطہ میں احصا نہیں کیے جا سکتے تو اس رسالہ میں کیونکر ان سب کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ وہ ابوبکر کے

تمام مطاعن میں شریک تھے بلکہ ابوبکر کی خلافت انہی کی خلافت کی ایک شاخ تھی۔ ہم ان کے مخصوص مطاعن اس جگہ مختصر طور سے بیان کرتے ہیں۔

پہلی طعن ۔ حدیث قرطاس اور ایسے ہی دوسرے امور ہیں۔ یہ طعن چند مطاعن پر مشتمل ہے۔ غزالی اور محمد شہرستانی وغیرہ علمائے عامہ نے تصریح کی ہے کہ یہ پہلا فتنہ اور پہلی مخالفت تھی جو اسلام میں ہوئی جس کا سبب جناب عمر تھے۔

اور شہرستانی نے کتاب ملل و نحل میں کہا ہے کہ پہلی مخالفت جو خدا کے حکم کی عالم میں ہوئی شیطان نے کی اور پہلی مخالفت جو اسلام میں ہوئی حضرت عمر کا کاغذ و قلم پیغمبرؐ کو دینے سے روکنا تھا۔ یہ واقعہ متواترات سے ہے۔ جس کی خاصہ و عامہ نے روایت کی ہے اور کسی نے اس سے انکار نہیں کیا ہے۔ اور بخاری نے باوجود انتہائی تعصب کے اپنی صحیح میں سات مقامات پر تھوڑے تھوڑے فرق سے اور مسلم اور تمام محدثین نے بہت سے طریقوں سے روایت کی ہے ان سب کا مشترک مضمون یہ ہے کہ ابن عباس نے کہا کہ روزِ پنجشنبہ افسوس روزِ پنجشنبہ کہہ کے اس قدر روئے کہ اُن کے آنسوؤں سے زمین تر ہوگئی۔ دوسری روایت کے مطابق آنسو کے قطرے اُن کے چہرے پر موتیوں کی طرح جاری تھے۔ لوگوں نے پوچھا کون سا روزِ پنجشنبہ؟ کہا وہ جس پنجشنبہ کو آنحضرتؐ کا درد اور آزار شدید ہوا۔ تو حضرتؐ نے فرمایا کہ ہڈی لاؤ اور دوسری روایت کے مطابق دوات یا کاغذ دوات لاؤ کہ میں تمہارے واسطے ایک تحریر لکھ دوں کہ میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ تو عمر نے کہا انّ الرّجل لیہجر یعنی یہ مرد ہذیان بکتا ہے۔ (معاذاللہ) اور دوسری روایت کے مطابق کہا کہ رسولِ خداؐ ہذیان کہتے ہیں اور دوسری روایت کے مطابق کہا کہ اس شخص کو کیا ہوگیا ہے۔ کیا ہذیان بکتا ہے۔ دریافت کرو کیا کہتا ہے۔ دوسری روایت کے مطابق درد و بیماری اس پر غالب ہوگئی ہے اور ہمارے پاس کتابِ خدا ہے وہ ہمارے لیے کافی ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ پھر لوگوں نے اختلاف اور نزاع کی۔ حالانکہ پیغمبر کے سامنے نزاع کرنا مناسب نہ تھا اور آوازیں بلند ہوئیں۔ بعضوں نے کہا کہ ارشادِ رسولؐ، خدا کا ارشاد ہے دوات و قلم حاضر کرو۔ بعضوں نے کہا کہ قول وہ درست عمر کا قول ہے۔ قلم دوات لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ الغرض نزاع شدید ہوئی۔ حضرتؐ نے فرمایا ہمارے پاس سے اُٹھ جاؤ اور نکل جاؤ یہاں سے۔ میرے نزدیک نزاع کرنا مناسب نہیں ہے۔ ابن عباس نے کہا کہ مصیبت اور کمال مصیبت اُس وقت ہوئی جبکہ رسولِ خداؐ کو تحریر لکھنے نہ دی جو حضرت اختلاف نہ ہونے کے لیے لکھنا چاہتے تھے۔ لوگوں نے آوازیں بلند کردیں اور جامع الاصول میں بھی ان حدیثوں کو اسی طرح اور صحیح مسلم اور بخاری سے زیادہ روایت کی ہے اور قاضی عیاض نے جو اُن کے

فاضلوں میں سے ہیں کتابِ شفا میں اس سے زیادہ تفصیل اور بُرائی کے ساتھ روایت کی ہے۔
ناقد بصیر پر پوشیدہ نہیں ہے کہ جو امر اس تنگ و قلیل وقت میں حضرت چاہتے تھے کہ ہڈی
پر لکھ دیں وہ تمام شرائع دین نہ ہوگا۔ لہٰذا چاہیئے کہ ایک مجمل امر ہو جو قیامت تک کے لیے تمام
اُمت کی مصلحتوں پر مشتمل ہو۔ اور وہ سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ ایک عالم، عادل اور
معصوم خلیفہ و جانشین کی تعیین کر دیں۔ جو امت کے تمام مصالح اور دین کے تمام مسائل سے
واقف ہو۔ اور خطا اور غلطی اُس پر جائز نہ ہو اور ساری اُمت کو ایک طریقہ پر قائم رکھے اور قرآن
کو جس طرح نازل ہوا لفظ و معنی کے ساتھ اُن سے بیان کرے تاکہ گمراہی اور جہالت بالکل اُن
سے دُور ہو جائے۔ جیسا کہ حدیث ثقلین میں فرمایا کہ کتابِ خدا اور اپنے اہلبیتؑ کو تمہارے
درمیان چھوڑتا ہوں اور یہ دونوں کبھی ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوں گے۔ اور روزِ غدیر خلیفہ کا
تعین فرمایا اور چونکہ آنحضرتؐ جانتے تھے کہ ان تمام باتوں کو باوجود اتمام حجت نہ سُنی ہوئی کے
مثل سمجھیں گے۔ لہٰذا آپؐ نے چاہا کہ حجت کی تاکید اس وقت فرما دیں اور صریحی تحریر اُن کے
درمیان چھوڑ دیں۔ جس سے انکار نہ کر سکیں۔ عمر اس مطلب کو تاڑ گئے اور یہ تحریر اُس تمہید کے خلاف
تھی جو سازش وہ اس بارے میں اپنے دوسرے رفیقوں سے کر چکے تھے۔ لہٰذا یہ شبہ ڈال دیا
کہ آنحضرتؐ پر مرض غالب ہے اور آپ (معاذ اللہ) ہذیان بک رہے ہیں۔ حضرتؐ نے
دیکھا کہ جب یہ لوگ آنحضرتؐ کی حیات میں آپ کے قول سے انکار کر رہے ہیں اور منافقین
ان کے ساتھ موافقت کر رہے ہیں۔ سمجھ گئے کہ اگر اس بارے میں اہتمام فرماتے ہیں اور کچھ لکھتے
ہیں تو وہ (عمر) کہیں گے کہ یہ سب ہذیان بکے ہیں۔ اس تحریر کا کوئی اعتبار نہیں اور سابقہ نصوص
پر جو حجت اُن پر تمام کر چکے تھے۔ اکتفا فرمایا اور اُن کو حجرہ سے باہر کر دیا۔ ایضاً جب اُن لوگوں
کا جھگڑا اپنے سامنے مشاہدہ فرمایا تو حضرتؐ کو خوف ہوا کہ تحریر لکھنے کے بعد شدید نزاع ہوگی
اور معاملہ جنگ و قتال تک پہنچے گا اور منافقوں کو ایک بہانہ مل جائے گا اور اسلام درمیان
سے بالکل برطرف ہو جائے گا۔ چنانچہ جنابِ امیرؑ کو اسی سبب سے مددگار نہ ملنے پر جنگ و
قتال سے منع فرمایا۔ نیز ظاہر ہے کہ وصیت اور عہد و پیمان جو اُس وقت اور اس حال کے مناسب
ہے وصیت کرنا اور وصی مقرر کرنا باقی رہنے والوں کے حال سے متعلق ہے اور تمام اُمت
آنحضرتؐ کی باقی رہنے والی تھی۔ لہٰذا کیسے ہو سکتا تھا کہ ان کے حالات کو حضرتؐ مہمل چھوڑ
جائیں اور اُن کے لیے وصی نہ مقرر کریں۔ حالانکہ تمام اُمت کو وصیت کا حکم فرمایا ہے۔ جیسا
کہ صحیح ترمذی اور ابو داؤد میں رسولِ خداؐ سے روایت کی ہے کہ کوئی مرد یا عورت ساٹھ برس
خدا کی اطاعت کرتا ہے اور مرنے کے وقت وصیت نہیں کرتا تو آتشِ جہنم اُس پر واجب ہو جاتی

ہے اور تمام صحاح میں خود روایت کی ہے کہ آدمی کو چاہیئے کہ کوئی رات اُس پر نہ گزرے مگر یہ کہ وصیت کر کے اپنے سر کے نیچے رکھ دے اور جو مذکور ہوا اس کی مؤید وہ ہے جو ابن ابی الحدید نے ابن عباس سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں راہِ شام میں عمر کے ہمراہ تھا۔ ایک روز میں نے دیکھا کہ وہ اونٹ پر سوار تنہا کہیں جا رہے ہیں میں اُن کے پیچھے گیا۔ تو کہا "اے ابن عباس میں تم سے تمھارے پسر عم یعنی علیؑ کی شکایت کرتا ہوں۔ میں نے اُن سے کہا کہ میرے ساتھ آؤ۔ انھوں نے قبول نہ کیا۔ میں اُن کو ہمیشہ اپنے اوپر غضبناک پاتا ہوں تم کیا سمجھتے ہو کہ اُن کا غضب و غصّہ کس سبب سے ہے"۔ میں نے کہا آپ اُس کا سبب خود جانتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ "اُن کا غصّہ اُن کی خلافت اُن کو نہ ملنے کے سبب سے ہے"۔ میں نے کہا یہی سبب ہے وہ ایسا یقین رکھتے ہیں کہ خلافت کو رسولِ خدا اُن کے لیے چاہتے تھے تو کہا جبکہ خدا نے نہ چاہا کہ خلافت اُن کو ملے تو پیغمبرؐ کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ رسولِ خداؐ نے ایک امر چاہا اور خدا نے اُس کے علاوہ ایک امر چاہا۔ شاید پیغمبرؐ جو چاہتے تھے ہو جاتا تھا؛ رسولِ خداؐ نے چاہا کہ ان کے چچا ابوطالب مسلمان ہو جائیں اور چونکہ خدا نے نہیں چاہا لہٰذا وہ مسلمان نہیں ہوئے۔ پھر ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ عمر نے کہا کہ رسولِ خداؐ نے چاہا کہ اپنے مرض موت میں خلافت اُن کے (علیؑ کے) لیے تحریر کر دیں تو میں مانع ہوا کیونکہ مجھے خوف ہوا کہ امر اسلام پراگندہ نہ ہو اور رسولِ خداؐ نے جو میرے دل میں تھا سمجھ لیا لیکن کہا نہیں اور خدا نے جو مقدر کیا تھا ہوا۔ نیز ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں عمر کے پاس اُن کی خلافت کے زمانہ میں ایک روز گیا۔ ان کے سامنے ایک صاع خرما ایک چادر پر بکھرا ہوا تھا وہ کھا رہے تھے۔ مجھ سے بھی کہا میں نے ایک دانہ اُٹھا لیا۔ باقی وہ سب کھا گئے اور ایک گھڑا پانی اُن کے سامنے رکھ دیا گیا تھا۔ اُٹھایا اور پی گئے اور تکیہ پر ٹیک لگائی اور حمد خدا بجا لائے۔ پھر مجھ سے پوچھا کہاں سے آتے ہو اے عبداللہ۔ میں نے کہا مسجد سے، پوچھا اپنے پسر عم کو کس حال میں چھوڑا۔ میں نے سمجھا عبداللہ بن جعفر کو پوچھتے ہیں۔ میں نے کہا نیزہ بازی کی مشق کر رہے تھے۔ عمر نے کہا ان کو نہیں پوچھتا ہوں، بلکہ تم اہل بیتؑ کے بزرگ کو پوچھتا ہوں۔ میں نے کہا نخلستان میں آب کشی میں مشغول تھے۔ اور تلاوتِ قرآن کر رہے تھے۔ عمر نے کہا اے عبداللہ تم کو قسم دیتا ہوں کہ اونٹوں کا قصاص تم پر لازم ہو اگر تم پوشیدہ کرو۔ بتاؤ کہ اب بھی ان کے نفس میں خلافت کے دعوے کا کچھ حصّہ باقی ہے۔ میں نے کہا ہاں اور اس سے زیادہ کہتا ہوں کہ میں نے اپنے پدر سے پوچھا جس کا وہ (علیؑ) دعوے کرتے ہیں۔ میرے والد نے فرمایا وہ سچ کہتے ہیں۔ عمر نے کہا رسولِ خداؐ سے

کبھی ان کے حق میں بات ہوتی تھی تو وہ حضرتؐ کوئی حجت ثابت نہیں کرتے تھے اور کوئی عُذر قطع نہیں کرتے تھے یعنی صریح نہ تھی اور کبھی اُس محبت کے سبب سے جو آنحضرتؐ کو اُن سے تھی حضرت چاہتے تھے کہ حق سے باطل کی جانب اُن کے بارے میں مائل ہوں اور مرضِ موت میں چاہتے تھے کہ ان کے نام کو واضح کر دیں لیکن میں نے اُمت پر شفقت اور اسلام کی حفاظت کے خیال سے ان کو اس سے روک دیا۔ اور خانۂ کعبہ کی قسم کہ قریش اُن پر اتفاق نہ کریں گے۔ اگر وہ خلافت حاصل کرلیں تو قریش اُن کے خلاف اطرافِ زمین میں شورش و ہنگامہ برپا کر دیں گے۔ لہٰذا رسُولِ خدا نے جانا کہ میں نے یہ مطلب سمجھ لیا کہ وہ دِل میں کیا رکھتے ہیں اِس لیے خاموش ہو گئے اور اُن کے نام کی تصریح نہ کی۔ پھر خدا نے جو مقدر ہو چکا تھا اُسے جاری فرمایا۔ یہاں تک ابنِ ابی الحدید کی روایت تھی۔

اے طالبِ حق و یقین اس روایت سے معلوم ہوا کہ اوّل سے آخر تک رسُولِ خدا چاہتے تھے کہ امیرالمومنینؑ کو مقرر کریں اور فرمایا کرتے تھے۔ لیکن یہ کہ حضرت (عمر) مانع اور اس کو باطل کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ خدا و رسُولؐ سے امت کی مصلحتوں سے اپنے کو زیادہ جاننے والا سمجھتے تھے۔ اور یہ کہ کہا کہ عرب اُن کے خلاف فتنہ برپا کریں گے اُن کے مُرید لوگ اس کو ان کی کرامت سمجھتے ہیں اور ان کی مدبرانہ قوت تھی کہ جنابِ رسولِ خداؐ کی وفات کے بعد اُنھوں نے امیرالمومنینؑ تک اُن کا حق نہ جانے دیا۔ تاکہ جنابِ رسُولِ خداؐ کے طریقہ کے مُطابق امت کی ہدایت کریں۔ اور پچیسؔ سال کی مدت میں لوگوں کی عادت ڈال دی کہ رؤسا اور صاحبانِ اثر کو خُوب خوب مال دیں اور کمزوروں اور غریبوں کو ذلیل و محروم رکھیں اور جس امر میں دُنیاوی فائدے سمجھیں عمل میں لائیں اور حکمِ خدا سے ہاتھ اُٹھالیں۔ لہٰذا جب خلافت امیرالمومنینؑ کو واپس ملی تو آپ نے چاہا کہ خدا کے فرمان اور جنابِ رسُولِ خداؐ کی سُنت کے مطابق عمل میں لائیں اور غنیمت و مال برابر برابر تقسیم فرمائیں اور رئیس اور کمزور اشخاص کے ساتھ ایک طریق (انصاف) کے ساتھ عمل کریں تو لوگ برداشت نہ کر سکے اور طلحہ و زبیر مُرتد ہو گئے۔ بصرہ کا فتنہ برپا ہوا، اور مُعاویہ کو شام میں جان بوجھ کر معین کیا تھا۔ اور اُس کو خوب آمادہ کر دیا تھا کہ اگر حق امیرالمومنینؑ کی طرف واپس پہنچے تو اُن کی اطاعت نہ کرنا۔ عمر جانتے تھے کہ وہ کافر، منافق اور دُشمن اہلبیت ہے اور فتنۂ صفین و خوارج اور حضرت علیؑ کی شہادت اس پر مترتب ہوئی۔ خدا و رسُول کی تدبیر غلط نہیں تھی تمام شہداء کا خُون انھی کی گردن پر ہے۔ چونکہ آپ اِس قصد پر مطلع ہوئے اور فریقین کے درمیان متفق علیہ حدیثیں سُنیں تو اب میں بیان کرتا ہوں کہ اس مقدمہ سے اُن کا کفر و نفاق اور خطائیں چند صورتوں

سے لازم آتا ہے۔

۱۔ یہ کہ جناب رسول خداؐ کو ہذیان سے نسبت دی۔ حالانکہ خاصہ و عامہ کا اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ معصوم ہیں اس سے کہ اُن کے کلام میں کوئی ایک دوسرے سے خلاف و اضطراب ہو اور خلافِ واقعہ صادر ہو۔ نہ عمداً نہ سہواً۔ نہ صحت میں نہ حالتِ مرض میں۔ نہ مزاح و خوش طبعی کی صورت سے۔ نہ حالتِ خوشی میں نہ عالمِ غضب میں۔ چنانچہ قاضی عیاض نے کتاب شفا میں اور کرمانی نے شرح صحیح بخاری میں اور نووی نے شرح صحیح مسلم میں اس کی تصریح کی ہے اور خدائے تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے۔ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ یعنی جنابِ رسولِ خداؐ اپنی خواہشِ نفس سے کلام نہیں کرتے ان کا کلام نہیں ہے۔ مگر وحی جو خدا کی جانب سے اُن کو پہنچتی ہے۔

۲۔ یہ کہ اس طرح آنحضرتؐ کی شان میں کلام کرنا نہایت بے ادبی و بیحیائی ہے جو دلیل کفر و نفاق ہے کہ یہ مرد ہذیان بکتا ہے یا اُس کو چھوڑ دو۔ کیونکہ ہذیان بکتا ہے یا کیا ہوا ہے اس کو کہ ہذیان بکتا ہے۔ جو شخص ذرا بھی حیا اور ادب رکھتا ہوگا۔ ادنیٰ شخص سے بھی اس طرح کلام نہیں کرے گا۔ چہ جائیکہ جنابِ خاتم الانبیاء کے بارے میں جن کے متعلق خداوند تعالیٰ نے قرآن میں ہر جگہ نہایت بلند القاب سے آنحضرتؐ کا نام مبارک لیا ہے۔ مثلاً یاایھا النبیؐ اور یاایھا الرسول ایضاً فرمایا ہے۔ لاتجعلوا دعاء الرسول بینھم کدعاء بعضکم بعضا یعنی آنحضرتؐ کو پکارنا اپنے آپس میں ایک دوسرے کے پکارنے کے مثل مت قرار دو۔ دوسری جگہ فرمایا ہے کہ اپنی[1] آواز رسولؐ کی آواز سے بلند مت کرو۔ ایضاً ہر صاحبِ عقل پر ظاہر ہے کہ اس طرح کلام کرنا نہایت لاپرواہی اور آنحضرتؐ سے مطلق محبت نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے کہ ایسی حالت میں اپنی باطل غرضوں کے لیے محزون و متاثر نہیں ہوتا اور ایسی نزاع اور جھگڑا آنحضرتؐ کے خانۂ اقدس میں جو ملائکہ مقربین کے نازل ہونے کی جگہ ہے برپا کرتا ہے بلکہ اُس کی مسرت و شادمانی اور سرزنش پر دلالت کرتا ہے کہ ایسا موقع اس کے ہاتھ آیا اور جو چاہتا ہے کہتا ہے۔

۳۔ یہ کہ حکمِ خدا کو رد کیا جو چند مقام پر فرمایا ہے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول یعنی اطاعت کرو خدا کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور فرمایا ہے۔ ما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھیکم عنہ فانتھوا یعنی رسول جو کچھ عطا فرمائیں لے لو اور جس سے روک دیں باز آؤ۔ اور فرمایا ہے کہ وما

---

[1] لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ۱۲

کان لمومن ولامومنة اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم یعنی کسی مومن اور مومنہ کو جب خدا اور اس کے رسول کسی کام کا حکم دیں تو اُس کو نہ کرنے کا اختیار نہیں۔ اور کسی جگہ آنحضرتؐ کی صحت اور بیماری میں فرق نہیں کیا ہے یا یہ کہ بیماری میں رسالت سے معزول ہیں اور نہیں فرمایا ہے کہ بیماری میں اُن کی اطاعت مت کرنا اور اُن کی بات نہ سُننا۔ دوسری جگہ فرمایا کہ جو شخص اُس کے مطابق نہ کرے جو خدا نے بھیجا ہے تو ایسے لوگ فاسق، ظالم اور کافر ہیں۔

۴ - یہ کہ ابن ابی الحدید کی روایت میں گذر چکا ہے کہ عمرؓ نے خود اعتراف کیا ہے کہ رسولِ خداؐ نے اُس وقت چاہا کہ اپنے نوشتہ میں علیؑ کے نام کی تصریح کریں مگر میں مانع ہوا اور یہ عین آنحضرتؐ کے ساتھ نزاع اور جھگڑنا ہے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین لھم الھدی الخ۔ یعنی جو شخص رسولِ خداؐ کے ساتھ نزاع و جھگڑا کرے اُس کے بعد جبکہ حق اُس پر ظاہر ہو چکا ہو اور مومنین کی راہ سے جو اطاعت رسولؐ ہے منحرف ہو جائے تو ہم اُس کو چھوڑ دیتے ہیں اور بالآخر جہنّم میں بھیج دیں گے اور جہنّم ایسے لوگوں کے واسطے کتنی بُری جگہ ہے۔

۵ - یہ کہ آنحضرتؐ کو اذیّت دی اور غضبناک کیا اس حد تک کہ باوجود اُس وسیع خُلق کے جس کی خدا نے خلقِ عظیم سے تعریف کی اور آنحضرتؐ کو رحمۃ للعالمین فرمایا۔ آپ نے اُن کی طرف سے مُنہ پھیر لیا اور اعراض فرمایا اور اپنے پاس سے دُور کر دیا اور بہت سی آیتوں اور حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرتؐ کو آزار پہنچانا اور غضبناک کرنا خدا کو آزار پہنچانا ہے اور خدا نے فرمایا ہے والذین یوذون رسول اللہ لھم عذاب الیم یعنی جو لوگ کہ رسولِ خدا کو آزار پہنچاتے ہیں اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ پھر فرمایا ہے والذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدّنیا والاخرۃ واعد لھم عذاباً مھیناً یعنی بیشک جو لوگ خدا و رسولؐ کو ایذا دیتے ہیں خدا نے اُن پر دُنیا و آخرت میں لعنت کی ہے ان کے لیے خوار و ذلیل کرنے والا عذاب مُہیّا کر رکھا ہے۔

۶ - یہ کہ قول حسبنا کتاب اللہ میں چند خطائیں کی ہیں۔ (اوّل) یہ کہ جناب رسولِ خداؐ کے جہل یا خطا کا اظہار کیا ہے۔ کیونکہ اگر جناب رسولِ خداؐ نہیں جانتے تھے کہ کتابِ خدا کافی ہے۔ اس صورت میں آنحضرتؐ کے جہل کا اظہار کیا اور اگر جانتے تھے پھر بھی چاہا کہ وصیّت کریں تو خطا اور ایک لغو کام کیا۔ (دوسرے) یہ کہ وہ آیتیں جن سے احکام حاصل کیے گئے ہیں تقریباً پانچ سو آیتیں ہیں اور معلوم ہے کہ خلّاقِ عالم کے اکثر احکام قرآن مجید سے مستنبط نہیں

ہوتے ہیں اور جس قدر ہوتے ہیں نہایت اجمال و اشکال اور مشابہت میں ہیں اور آیات و اخبار و احکام اُن سے سمجھنے میں اختلافِ عظیم ظاہر ہوتے اور بعضوں نے کہا ہے کہ محکم ترین آیات آیۂ کریمۂ وضو ہے اور اس میں قریب قریب ستو تشابہ ہے اور قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ محکم و متشابہ، ظاہر و ماؤل (تاویل کی ہوئی) عام و خاص، مطلق و مفید وغیرہ ہیں لہٰذا کس طرح رفع اختلاف میں کتاب خدا کافی ہوگی؟ ایضاً اگر کافی تھی تو کیوں مسائل میں خود سرگشتہ و حیران ہوتے تھے۔ اور دوسروں کی طرف رجوع ہوتے تھے اور کہتے تھے لولا علی لھلک عمر اور بار بار اپنے جہل کا اقرار کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ تمام لوگ عمر سے اعلم ہیں حتیٰ کہ گھروں کے اندر پردہ میں رہنے والی عورتیں بھی۔ (تیسرے) یہ کہ اگر کتاب خدا کافی ہوتی تو جناب رسولِ خداؐ کتاب کے ساتھ اہلبیتؑ کو کیوں شامل کرتے جیسا کہ حدیث ثقلین میں گذر چکا۔ اور نہ فرماتے کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر وارد ہوں۔ لہٰذا کتاب مفسر امام کے ساتھ کافی ہے۔ تنہا کتاب کافی نہیں۔ اسی لیے جناب امیر علیہ السّلام نے فرمایا کہ میں قرآنِ ناطق ہوں۔ قطب محی الدین شیرازی نے جو شافعیہ کے مشہور عالم اور اہلِ حالِ صوفیہ ہیں اپنے مکاتیب میں لکھا ہے کہ راستہ بغیر رہنما کے نہیں طے ہو سکتا۔ اور لکھا ہے کہ جب کتاب خدا اور سنتِ رسول اللہؐ ہمارے درمیان میں ہے تو مرشد کی کیا ضرورت ہے مثل اس کے ہے کہ مریض کہے کہ جبکہ طب کی کتابیں ہیں جن کو اطبا نے لکھا ہے۔ ہم کو اطبا کے پاس نہیں جانا چاہیئے۔ یہ بات غلط ہے اس لیے کہ نہ ہر شخص میں کتاب سمجھنے کی اہلیت ہے کہ اُس سے علاج حاصل کر سکے۔ لہٰذا استنباط کی جانب رجوع کرنا چاہیئے۔ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم کتاب حقیقی اہلِ علم کے سینے ہیں بل ھو آیات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم وفتروں کی الماریاں نہیں جیسا کہ جناب امیرؑ نے فرمایا انا کلام اللہ الناطق و ھذا کلام اللہ الصامت۔ یہاں تک قطب کا کلام تھا جس کو حق تعالیٰ نے اُن کے قلم پر جاری کیا اور انھوں نے اپنے جاہل اور باطل کی انتہائی غلط روش کو ثابت کیا۔

چوتھے یہ کہ خود اس قول (حسبنا کتاب اللہ) کی مخالفت چند مواقع پر کی ہے۔ (اوّل) روزِ سقیفہ جبکہ جناب رسولِ خداؐ کی تجہیز و تکفین اور آپ پر نماز سے فارغ ہونے سے پہلے وہ اور اُن کے ساتھی (ابوبکر) اور دوسرے چند ان کے ہمنوا سقیفہ کی جانب دوڑ گئے اور خلافت غصب کرنے میں مشغول ہوئے۔ اُن کے معتقدین اس موقع پر ان کے لیے جو عذر کرتے ہیں یہ ہے کہ فتنہ برپا ہونے سے خائف ہوئے۔ اگر کتاب خدا اختلاف دفع کرنے کے لیے کافی ہوتی تو فتنہ

نہ ہوتا جس وقت کہ جناب رسُولِ خداؐ چاہتے ہیں کہ خلافت نصب کریں تو آنحضرتؐ کو ہذیان سے نسبت دیتے ہیں اور جب خود خلیفہ کا تعین کرتے ہیں تو اُس میں اُمت کی اصلاح ہے اور ضروری ہے۔ ایضاً جس وقت کہ ابوبکر نزع کے عالم میں تھے اور عثمان کو طلب کیا کہ عمر کی خلافت پر نص کریں اور قبل اس کے کہ اُن کا نام لیں بیہوش ہوگئے اور عثمان نے اپنی طرف سے عمر کا نام لکھ دیا۔ پھر جب ہوش آیا تو اُن کو دعا دی تو کیوں اُن کو ہذیان سے نسبت نہیں دی باوجود اس کے کہ بے شعوری کی وجہ سے ہذیان اُن سے زیادہ قریب تھا اور کیوں نہ اُس وقت حسبنا کتاب اللّٰہ کہا۔ اور جبکہ شوریٰ مقرر کیا کیوں یہ نہ کہا۔ لہٰذا صاحبِ عقل خبر رکھنے والے ان متضاد اقوال و افعال سے بخوبی سمجھتے ہیں کہ اول سے آخر تک اُنکے ایک دُوسرے کے خلاف اقوال سے اہلبیتؑ رسالتؐ کو خلافت سے محروم کرنے کے سوا کوئی غرض نہ تھی اور یہ پہلا شیشہ نہ تھا جو اسلام میں ٹوٹا بلکہ وہ حضرت برابر متعدّد موقعوں پر آنحضرتؐ کے مقابلہ پر آمادہ رہے اور ہمیشہ حضرتؐ کے ارشاد پر راضی نہ ہوئے۔ جیساکہ بخاری و مسلم اور ابن ابی الحدید اور ان کے تمام مورخین و محدثین نے روایت کی ہے کہ جب صلحنامۂ حدیبیہ میں لکھا گیا تھا کہ جو شخص مسلمانوں میں سے مشرکوں کی طرف چلا جائے گا اس کو مشرکین واپس نہ دیں گے اور جو مشرکین کی طرف سے مسلمانوں کی جانب آئے گا۔ اُس کو مسلمانوں کو واپس کرنا ہوگا۔ اس پر عمر کو غصہ آیا وہ آنحضرتؐ کے پاس آئے اور کہا آپ خُدا کے رسُول ہیں۔ فرمایا ہاں۔ پوچھا ہم لوگ مسلمان ہیں اور وہ لوگ کافر ہیں۔ فرمایا ہاں۔ تو کہا پھر ہم کیوں اِس ذلت کو اپنے واسطے قرار دیں۔ حضرتؐ نے فرمایا جو حکم مجھ کو خداؐ نے دیا ہے میں اُس پر عمل کرتا ہوں۔ اور خدا مجھ کو ضائع نہ کرے گا۔ اور ہماری مدد کرے گا۔ عمر نے کہا کیا آپ نے نہیں کہا تھا کہ ہم مکہ میں داخل ہوں گے۔ اور خانۂ کعبہ کا طواف کریں گے پھر کیوں نہ ایسا ہوا۔ حضرتؐ نے فرمایا یہ نہیں کہا تھا کہ اسی سال ایسا ہوگا۔ اس سال کے بعد ہوگا۔ وہاں سے غضبناک اُٹھے۔ اور کہا اگر میں کچھ مددگار پاتا تو ان کافروں سے جنگ کرتا۔ پھر ابوبکر کے پاس گئے اور آنحضرتؐ کی شکایت اور مذمت کی ابوبکر نے اُن کو منع کیا۔ جب روزِ فتح مکہ آیا تو آنحضرتؐ نے کعبہ کی کُنجی حاصل کی اور عمر کو بُلایا اور فرمایا کہ یہ ہے جس کا خدا نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ میں نے جھُوٹ نہیں کہا تھا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ عمر نے کہا تھا کہ جس روز سے میں مُسلمان ہوا ہوں ان کی پیغمبری میں میں نے شک نہیں کیا، سوائے روزِ حدیبیہ کے۔ اور یہ خبر صریح ہے کہ عمر کو آنحضرتؐ کے کہنے پر اطمینان نہیں ہوا اور آنحضرتؐ کے ارشاد سے دل تنگ تھے اور خداوند عالم فرماتا ہے۔ فلا وربک لا یؤمنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیما پھر نہیں تمہارے خدا کی قسم

یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ یہاں تک کہ اُن معلومات میں جن میں اُن کے درمیان نزاع ہو تم کو منصف قرار دیں پھر تمھارے فیصلہ پر اپنے دلوں میں کوئی شک و شبہ نہ پائیں۔ اور تمھاری اطاعت کریں جیسا کہ اطاعت کرنے کا حق ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ مومن نہ تھے کیونکہ آنحضرتؐ کے قول میں شک کیا اور اعتراض کیا کہ کیوں آپ کا قول پورا نہ ہوا۔ اور ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ اُن سے رنجیدہ ہوئے تھے۔ اور اُن کو شک کرنے والا جانتے تھے اور اس قدر آنحضرتؐ کے قلب مبارک کو رنج پہنچا یا تھا کہ حضرت اُن کی باتوں کو دل میں رکھے ہوئے تھے اور اپنے قول کی صداقت کے ثبوت دینے کا انتظار کر رہے تھے۔ آخر روزِ فتح مکہ ان کو طلب کیا اور فرمایا کہ جو کچھ میں نے کہا تھا یہ تھا۔ تم نے مجھ کو جھوٹ سے نسبت دی۔

منجملہ ان کے ایک یہ ہے جس کی صحیح مسلم میں روایت کی ہے اور ابن ابی الحدید نے بھی نہج البلاغہ کی شرح میں لکھا ہے کہ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں آنحضرتؐ کی تلاش میں چلا یہاں تک کہ آپ کو انصار کے ایک باغ میں پایا۔ حضرتؐ نے اپنی نعلین مجھے دی کہ یہ دونوں پاپوش لے جاؤ اور جس کو باغ کے باہر دیکھو اور جو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی شہادت دے اور اپنے دل میں اس کا یقین رکھتا ہو اُس کو بہشت کی خوشخبری دے دو۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے جس شخص سے ملاقات ہوئی عمر تھے۔ انھوں نے پوچھا یہ نعلین کیسی ہے میں نے کہا آنحضرتؐ کی ہے مجھ کو اس کے ساتھ بھیجا ہے کہ جس کو دیکھوں۔ اس کو بہشت کی اس طرح خوشخبری دوں۔ یہ سُن کر عمر نے میرے سینے پر ایک ہاتھ مارا کہ میں پشت کے بل زمین پر گر پڑا اور کہا اے ابوہریرہ واپس چل۔ لہٰذا میں واپس آنحضرتؐ کی خدمت بھاگتا اور روتا ہوا پہنچا۔ عمر میرے پیچھے آ رہے تھے۔ آنحضرتؐ نے پوچھا ابوہریرہ تم کو کیا ہوا میں نے روئیداد بیان کی۔ حضرتؐ نے عمر سے پوچھا کیوں ایسا کیا۔ عمر نے کہا میرے باپ ماں آپ پر فدا ہوں کیا آپ نے اپنی نعلین ابوہریرہ کو دی تھی کہ ایسی خوشخبری دے فرمایا ہاں عمر نے کہا یہ کام نہ کیجئے کیونکہ لوگ اس پر بھروسہ کر لیں گے۔ چھوڑ دیجئے کہ لوگ اعمالِ خیر بجا لائیں۔ حضرت نے فرمایا میرے حکم کی مخالفت تم نے مصلحتِ دین کے لیے کی۔ اچھا چھوڑو کہ لوگ اعمالِ خیر بجا لائیں۔

اگرچہ اس حدیث کا وضعی ہونا اوّل سے آخر تک ظاہر ہے جیسا کہ کسی عاقل پر پوشیدہ نہیں ہے۔ لیکن ان کی صحاح کی حدیث ہے اور عمر کی بے باکی اور بے ادبی پر دلالت کرتی ہے اور انھوں نے پیغمبرؐ کے ارشاد کو رد کر دیا اور یہ عین شرک ہے اور ابوہریرہ بے گناہ کو مارا اور اذیت پہنچائی۔ اور حدیث کا آخری حصہ اگر سچ اور صحیح ہو تو حضرتؐ نے مصلحتاً اس وقت اس

کا اظہار ترک فرمایا اور شاید مصلحت اُن حضرت (عمر) کے مقابلہ اور جرأت کا ترک کرنا ہو۔ نیز بخاری اور مسلم دونوں نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ جب عبداللہ بن ابی منافق جہنم واصل ہوا تو اُس کا بیٹا رسولِ خداؐ کے پاس آیا اور سوال کیا کہ حضرت اپنا پیراہن مبارک عطا فرمائیں تاکہ اپنے باپ کے کفن میں رکھے حضرتؐ نے اُن کو عنایت فرمایا۔ پھر اُس نے التجا کی کہ اُس کے پدر کی نمازِ جنازہ بھی حضرت پڑھیں۔ حضرت اُٹھے کہ اس پر نماز پڑھیں۔ عمر اُٹھے اور حضرت کا دامن پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور کہا کہ آپ اُس پر نماز پڑھتے ہیں حالانکہ آپ کے پروردگار نے منع کیا ہے کہ اُس پر نماز پڑھیں۔ تو حضرتؐ نے فرمایا دُور ہو اے عمر۔ لیکن جب عمر نہ مانے تو حضرتؐ نے فرمایا کہ خدا نے مجھے اختیار دیا اور فرمایا ہے کہ استغفر لھم اولا تستغفر لھم ان تستغفر لھم سبعین مرّۃ فلن یغفر اللہ (یعنی اے رسولؐ تم اُن کے لیے مغفرت چاہو یا نہ چاہو۔ اگر تم ستر مرتبہ بھی اُن کی مغفرت کی دعا کرو گے تب بھی خدا ان کو ہرگز نہ بخشے گا) حضرتؐ نے فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ ستّر مرتبہ سے زیادہ اس کے لیے استغفار کروں گا تو خدا اُس کو بخش دے گا تو زیادہ مرتبہ استغفار کروں گا۔ یہ سُننے کے بعد بھی عمر نے کہا کہ وہ منافق ہے۔ لیکن حضرتؐ نے اُس پر نماز پڑھی۔ اُس کے بعد منافقین پر نماز پڑھنے کی ممانعت میں آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد عمر نے کہا کہ میں نے اپنی اُس جُرأت پر تعجب کیا جو جنابِ رسولِ خداؐ پر کی۔ ابن ابی الحدید کی روایت کے مطابق لوگوں نے عمر کی اس جرأت پر تعجب کیا۔ اور شیعوں کی روایت میں حضرت صادقؑ سے منقول ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ پسرِ عبداللہ کی تالیفِ قلب کے لیے اس کے باپ کے جنازہ پر تشریف لے گئے تھے تو عمر نے کہا کہ کیا خدا نے آپ کو منع نہیں کیا ہے اس سے کہ اُس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ حضرت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ عمر نے یہی بات دوبارہ کہی تو حضرت نے فرمایا افسوس ہے تیرے حال پر تو کیا جانتا ہے کہ میں نے کیا کہا۔ میں نے کہا کہ خداوندا اس کے شکم کو آگ سے بھر دے اس کی قبر کو آگ سے بھر دے اور اس کو جہنم کی آگ میں جلا۔ حضرت صادقؑ نے فرمایا کہ اُس نادان نے آنحضرتؐ کی مصلحت کو ضائع کر دیا اور حضرتؐ کو وہ امر ظاہر کرنا پڑا جو نہیں چاہتے تھے کہ ظاہر کریں اور پسرِ عبداللہ کی خاطر شکنی کریں۔ بہرصورت نہایت بے ادبی اور بیباکی اُن سے ظاہر ہوئی۔ اس صورت سے کسی ادنیٰ آدمی کے ساتھ ایسی حرکت جائز نہیں ہے کہ اُس کے کپڑے کو پکڑ کر کھینچے یا پیچھے سے اُس کا گریبان پکڑے اور کھینچے۔ اس میں شک نہیں کہ ایسی حرکت آنحضرتؐ کی ایذا و اہانت اور استخفاف کے ضمن میں ہے، حالانکہ آنحضرتؐ کا احترام تمام خلق پر واجب اور جزوِ اسلام ہے۔ نیز آنحضرتؐ کے فعل کی تردید کی اور حضرتؐ کو غلطی اور خطا سے نسبت دی۔ ایضاً

صحیح بخاری میں دو مقامات پر نقل کیا ہے کہ جب خاطب بن بلتعہ نے جناب رسولِ خدا کے مکہ تشریف لے جانے کی خبر مشرکین مکہ کو لکھی اور جبرئیل نے خبر دی کہ اُس نے خط ایک عورت کو دیا ہے اور وہ فلاں باغ میں ہے۔ جناب رسولِ خدا نے جناب امیرؑ اور زبیر اور ابو مرثد کو بھیجا۔ اُن لوگوں نے خط اُس سے لیا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں لائے۔ عمر نے کہا یا رسول اللہ اُس نے خدا و رسولؐ اور مومنوں کے ساتھ خیانت کی ہے۔ اجازت دیجئے کہ میں اُس کی گردن مار دوں۔ حضرتؐ نے خاطب سے خطاب فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ اُس نے کہا یا رسول اللہ میں نے بے ایمانی کی وجہ سے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ میرے عیال مکہ میں تھے اور وہاں اُن کی حمایت کرنے والا کوئی نہیں ہے تو میں نے چاہا کہ اُن (اہلِ مکہ) پر احسان ثابت کروں تاکہ وہ میرے عیال کی رعایت کریں۔ حضرتؐ نے فرمایا سچ کہتا ہے اُس کے بارے میں نیکی کے سوا کچھ نہ کہو۔ پھر عمر نے کہا مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن ماردوں اس نے خیانت کی ہے حضرت نے فرمایا وہ اہلِ بدر سے ہے۔ ممکن ہے کہ خدا نے اہلِ بدر سے خطاب کیا ہو کہ جو چاہے کرو میں نے تم پر بہشت واجب کر دیا۔ اگرچہ یہ حدیث شیعوں کی روایات کے خلاف ہے تاہم الزام مخالفوں پر ہو سکتا ہے۔ اُس کے بعد جبکہ آنحضرتؐ نے خاطب کے قول کی تصدیق کر دی اور اُس کے عذر کو قبول کر لیا اور کہا کہ اُس کے بارے میں نیکی کے سوا کچھ نہ کہو تو دوبارہ اُس کو خیانت سے نسبت دینا اور اُس کی گردن مار دینے کا ارادہ کرنا۔ رسولِ خدا کے قول کو رد کرنا اور صریح مخالفت ہے۔ نیز ابن ابی الحدید نے نہج البلاغہ میں اور ابن حجر نے فتح الباری میں مسند ابن حنبل سے روایت کی ہے اور اس کی سند کی تصحیح بھی کی ہے۔ ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ ابوبکر آنحضرتؐ کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ میں فلاں وادی سے آرہا ہوں وہاں میں نے ایک شخص کو اچھی حالت میں دیکھا جو نہایت خشوع کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا حضرت نے فرمایا کہ جاؤ اور اس کو قتل کر دو۔ ابوبکر گئے اور وہاں اس کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو نہ چاہا کہ قتل کریں اور واپس آگئے تو حضرتؐ نے عمر کو بھیجا اور فرمایا کہ اس کو قتل کر کے آؤ۔ وہ بھی گئے اور جب اُس کو حالتِ نماز میں دیکھا تو نہیں قتل کیا اور واپس آگئے۔ آخر حضرتؐ نے امیر المومنینؑ سے فرمایا کہ تم جاؤ اور اُس کو قتل کر دو۔ حضرت علیؑ گئے تو وہاں اس کو نہیں پایا۔ وہ جا چکا تھا۔ تو حضرت رسولِ خدا نے فرمایا کہ یہ مرد اور اس کے ساتھی قرآن پڑھتے ہیں لیکن ان کی گردن کے حنجرہ سے نہیں اترتا یہ دین سے اِس طرح نکل جائیں گے جیسے کمان سے تیر نشانے سے دُور نکل جاتا ہے۔ اُس کے بعد کبھی دین میں واپس نہ آئیں گے۔

ابن حجر نے کہا ہے کہ اس حدیث کی حقیقت کی گواہ حدیث جابر ہے اور اس کے رجال الرا[illegible]

سب کے سب نہایت معتبر ہیں، اور ابن ابی الحدید کی روایت میں اس طرح ہے کہ اس کے بعد جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ اگر یہ قتل کردیا جاتا تو یہ اوّل فتنہ اور آخر فتنہ تھا یعنی پھر فتنہ وفساد نہ ہوتا۔ پھر فرمایا کہ اس کی نسل سے ایک گروہ پیدا ہوگا۔ جو دین سے باہر نکل جائیں گے۔ جیسے تیر نشانہ سے دور نکل جاتا ہے۔ اس مضمون کو حافظ ابونعیم نے حلیہ میں، اور موصلی نے مسند میں اور ابن عبدربہ نے عقدہ میں اور دوسروں نے بہت سی سندوں سے روایت کی ہے اس طرح کہ صحابہ نے ایک شخص کی تعریف کی کہ وہ بہت عبادت گذار ہے۔ یہ سُن کر حضرتؐ نے اپنی تلوار ابوبکر کو دی اور اُس کے قتل کرنے کا حکم دیا اُسی طریقہ سے روایت کی ہے اور اُس کے آخر میں حضرتؐ نے فرمایا کہ اگر وہ قتل ہوجاتا تو میری اُمت میں ہرگز اختلاف پیدا نہ ہوتا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ابوبکر کا اس کو قتل نہ کرنا جنابِ رسولِ خداؐ کے حکم کی صریحی مخالفت تھی اور اُس کی نماز کا عذر نہ تھا۔ کیونکہ اُس کے بعد جبکہ صحابہ نے اس کی کثرت عبادت کا ذکر کیا تھا تو حضرتؐ نے اُس کے قتل کا حکم دیا تھا۔ اور حدیث سابق میں اُس کے بعد جبکہ ابوبکر نے اُس کی خشوع کے ساتھ اُس کی نماز کی مدح کی تھی حضرتؐ نے اُس کے قتل کا حکم دیا تھا اور عمر کی مخالفت اُس سے زیادہ باعث شرم تھی کیونکہ اس کے بعد جبکہ ابوبکر نے اس کی نماز کا عذر کیا حضرتؐ نے قبول نہ فرمایا اور پھر اس کے قتل کا حکم دیا اور اس نامناسب عذر کی مخالفت فرمائی لہٰذا معلوم ہوا کہ اس امر میں ان کی مخالفت قیامت تک فتنوں کے پیدا ہونے کا باعث ہوئی اسی طرح جیسا کہ قلم و دوات دینے سے مانع ہونا قیامت تک امت کی گمراہی کا سبب ہوا۔ اور ان مختلف خبروں اور متعدد واقعات سے ظاہر ہوا کہ اس طرح کے امور نفاق باطنی کے اعتبار سے بار بار ظاہر ہوئے اور خدا و رسولؐ کی مخالفت کی ان کی عادت تھی اور اس سے زیادہ واضح نفاق کی دلیل نہیں ہوسکتی۔ جیسا کہ لوگوں نے کہا ہے کہ ایک خطا دو خطا تین خطا۔ اے مادر بخطا اس قدر خطا؟

دوسری طعن۔ یہ کہ اُس امر سے انکار کیا جس کا واقع ہونا کسی عاقل پر پوشیدہ نہیں ہوسکتا جیسا کہ عامہ وخاصہ نے متواتر طریقوں سے روایت کی ہے کہ جب آنحضرتؐ کی وفات کا سانحہ معلوم ہوا تو ابوبکر موجود نہ تھے۔ عمر نے لوگوں کے درمیان ندا کی کہ خدا کی قسم رسولؐ نہیں مرے ہیں اور واپس آئیں گے۔ اور ان چند اشخاص کے ہاتھ اور پیر کاٹیں گے جنھوں نے ان کو موت سے نسبت دی ہے۔ یہاں تک کہ ابوبکر حاضر ہوئے اور کہا کیا تم نے اس آیت کو نہیں سنا ہے انک میت وانہم میتون۔ اور اس آیت کو وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم یعنی تم بھی مرو گے اور وہ